دائرہ معین المعارف کا سہ ماہی رسالہ

بصائر کراچی

(ٹیپو سلطان شہید نمبر)

جنوری، اپریل و جولائی سنہ ۱۹۶۴ء

جلد ۳ شمارہ ۱، ۲، ۳

مرتبہ

ڈاکٹر سید معین الحق

حق نشان۔ ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی ۵

ٹیلیفون ۴۰۸۴۷

قیمت سالانہ: آٹھ روپے اسی پیسے

قیمت شمارہ خصوصی چھ روپے



بصائر

(خصوصی شمارہ)

اسلامی تقاریب

قید مکان و زمان سے ہٹ کر مسلمانوں کی عالمگیر تقریبوں پر مشاہیر اہل قلم کی تحریریں جن میں ان تقاریب کی اہمیت و افادیت کا بنگاہ غائر جائزہ لیا گیا ہے۔

یہ تقریبیں بلاشبہ ہماری تہذیبی اقدار اور تمدنی سطوت و شوکت کی علمبردار ہیں لیکن حقیقتاً ان سے مکارم اخلاق اور بقائے قومی کو کتنا ربط ہے؟ یہ آپ کو ابوالکلام آزاد اور ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے مشاہیر کا قلم بتائے گا۔

پروفیسر غلام دستگیر رشید نے ان مضامین کو ترتیب دے کر اردو ادب کی ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔

قیمت مجلد ۔/۳

سلسلہ اکیڈمی لائبریری ۔/۲

چند شخصیتیں چند تاثرات

ڈاکٹر محی الدین قادری زور عصر حاضر کے تنقید نگاروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور اب تو ان کا نام عظمت و بزرگی کے ساتھ ساتھ پیش روؤں میں شامل ہو چکا ہے۔ ہماری زبان ڈاکٹر زور کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے تاریخ و تنقید سے ہٹ کر بھی بعض شعبہ ہائے ادب پر قلم اٹھایا ہے اور زندگی کے مختلف ادوار میں بعض ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ پروفیسر معین الدین انصاری نے ان تاثرات کو یکجا کر کے ایک وقیع اور جامع مقدمہ کے ساتھ پیش کیا ہے اور ناشرین نے اردو ٹائپ میں کارٹریج پیپر پر مع تصاویر کے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ایک طرف ڈاکٹر زور کی کاوش قلم کا اعلیٰ نمونہ ہے دوسری طرف ناشر کے معیار طباعت کی ایک نظیر بھی ہے۔ قیمت ۵-۷۰

کلیات آتش

خواجہ حیدر علی آتش دبستان لکھنؤ کا وہ شاعر ہے جس نے مشکل پسندی اور لفاظی کے ماحول میں سہل ممتنع کے جوہر دکھائے اور الفاظ کے پرشکوہ اور ملیحانہ استعمال کے ساتھ ساتھ گرمی کلام اور سوز و ساز کی وہ نظیریں پیش کیں کہ شیخ ناسخ کا استادانہ فن ماند پڑ گیا۔ بالفاظ دیگر کہا جا سکتا ہے کہ آتش نہ ہوتا تو لکھنؤ کی غزل کا پلہ بہت سبک ہو جاتا۔ کلیات آتش مضمون آفرینی و سادہ طرز بیان کا ایک معجزہ ہے جس کو ایک بسیط مقدمہ اور نئی ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

قیمت ۱۲-۵۰ سلسلہ اکیڈمی لائبریری ۸-۵۰

نیم روز

تابش دہلوی عصر حاضر کے ان شاعروں میں ہیں جنہوں نے ادبیانہ ماحول میں آنکھ کھولی شعر و سخن کی فضاؤں میں پروان چڑھے۔ وہ نہ صرف میر و مرزا کی دلی میں پیدا ہوئے بلکہ سخن فہمی اور سخن گوئی انہیں ورثہ میں ملی۔

غیر منقسم ہندوستان سے لے کر پاکستان کی بزم ہائے مشاعرہ تک اور بساط ارض سے لے کر فضائے آسمانی تک ان کے نغموں سے آشنا نہیں — اور صاحبان ذوق پر بارہا ان کے شعروں سے وجدانی کیفیت طاری ہوتی رہی ہے۔ اشعار کے اس مجموعہ کو پوری آب و تاب سے شائع کیا گیا ہے اور اس کا نام "نیم روز" رکھا گیا ہے۔ ایک نظر دیکھنے کے بعد آپ بھی اس نام کو موزوں قرار دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔

قیمت ۵-۷۰

اردو اکیڈمی سندھ۔ بہادر شاہ مارکیٹ۔ کراچی

دائرہ معین المعارف کا سہ ماہی رسالہ

بصائر کراچی

(ٹیپو سلطان شہید نمبر)

جنوری، اپریل و جولائی ۱۹۶۴ء

جلد ۳ شمارہ ۱، ۲، ۳

مرتبہ

ڈاکٹر سید معین الحق

حق نشان۔ ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی ۵

ٹیلیفون ۴۰۸۴۷

قیمت سالانہ: آٹھ روپے اسی پیسے

قیمت شمارہ خصوصی چھ روپے

فہرست مضامین

تقریب

ٹیپو سلطان پر یہ خصوصی شمارہ شائع کرنے کا خیال ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے گذشتہ نومبر میں پاک اردو اکیڈیمی کراچی نے ٹیپو سلطان پر مقالے پیش کرنے کی غرض سے ایک جلسہ منعقد کیا تھا اس کی صدارت کے فرائض راقم الحروف نے انجام دیئے تھے، اس موقع پر میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سلطان شہید پر ایک اچھی کتاب تیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی جائے اس وقت بعض حضرات نے اس تجویز کا پر جوش خیر مقدم ہی نہیں کیا بلکہ اس منصوبہ میں عملی حصہ لینے کا بھی ارادہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے کچھ عرصہ کے بعد یہ دلچسپی کم ہوتی چلی گئی۔ بہرحال مولانا اسد القادری صدر اردو اکیڈمی کا یہ اقدام رائیگاں نہیں گیا، ہم نے طے کیا کہ فی الحال بصائر کے جنوری و جولائی ۱۹۶۷ء کے شمارے اس موضوع کے لئے مخصوص کر دیے جائیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ شائع کرنے کے بجائے ایک ہی شمارہ کر دیا جائے۔

جو مقالے اس شمارہ میں پیش کئے جا رہے ہیں ان میں طرز نگارش ہی نہیں بلکہ نقطۂ نظر اور طریقہ بیان کا فرق بھی نظر آئے گا۔ اس پر تعجب نہ کرنا چاہیئے ہم نے عمداً ان کو ایڈٹ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ مقالات جس شکل میں موصول ہوئے اسی طرح شائع کر دیئے گئے ہیں اس لئے صحت واقعات و سنین کی ذمہ داری مقالہ نگار پر ہی ہے۔ اور انہی کی تحقیق کم و بیش نتیجہ ہیں۔ بعض واقعات و نظریات کی تکرار بھی ناگزیر تھی، حقیقت یہ ہے



نواب حیدر علی



ٹیپو سلطان بحالتِ جوانی



ٹیپو سلطان کی لاش اندھیرے میں ڈھونڈ کر نکالی گئی ہے۔ میر عالم کھڑا ہوا تعجب سے دیکھ رہا ہے



صلح ۱۷۹۲ء - میر غلام علی (لنگڑا) شہزادہ عبدالخالق و معزالدین کو بطور یرغمال لارڈ کارنوالس کے حوالے کر رہا ہے۔ غلام علی کے بائیں جانب پشت پر میر صادق ہے

آں دگر مرگ انتہائے راہِ شوق — آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق



ٹیپو سلطانؒ کا آخری مقابلہ

کہ اس مجموعہ مقالات کو رسالہ ہی سمجھا جائے، یہ واحد تصنیف یا تالیف نہیں ہے۔

اس منصوبہ کو حد تکمیل تک پہنچانے میں چند مشکلات تھیں، خدا کا شکر ہے کہ بعض احباب بالخصوص سید سخاوت علی صاحب، مفتی انتظام اللہ صاحب، محمد ایوب قادری صاحب اور انصار زاہد صاحب کی اعانت سے اس کے حل کی صورتیں پیدا ہو گئیں، میں ان سب حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے ہماری درخواست پر مقالے تیار کئے، یہ یقیناً ایک قومی خدمت ہے، اور ہر وہ شخص جو قومی خدمت میں حصہ لیتا ہے، قابل مبارک باد ہے۔

انٹرنیشنل پریس کے پروپرائٹر جناب مستفیض احمد صدیقی صاحب کا دائرہ شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس پر خصوصی توجہ فرمائی۔

سید معین الحق
جولائی ۱۹۶۴ء

نوٹ: ٹیپو کو شیر سے بہت دلچسپی تھی، اس کا تخت شیر کے مجسمہ پر بنا ہوا تھا، اس کی فوج کے سپاہی جس کپڑے کی وردی پہنتے تھے اس پر شیر کی کھال کے نمونہ کی دھاریاں اور نشان تھے۔ اس خصوصیت کا سبب اس کی بہادری تھی، وہ خود بھی بہادر تھا اور بہادری کو بے حد پسند کرتا تھا، اسی سلسلہ کی ایک کڑی اس کا شیر نما باجہ تھا، جو آج لندن کے وکٹوریا اینڈ البرٹ میوزیم کی زینت بنا ہوا ہے، اس باجہ میں ایک شیر کو دکھایا ہے جو ایک فرنگی کو دبوچے ہوئے ہے۔ یہ باجہ صنعتی اور تاریخی حیثیت سے بہت اہم اور دلچسپ ہے۔ مسز ملڈرڈ آرچر نے اس پر ایک کتابچہ تیار کیا، یہ برطانیہ کے سرکاری اسٹیشنری آفس کی طرف سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا ہے۔ مسز آرچر کی رائے میں ٹیپو کو اس باجہ کا خیال سر ہیکٹر منرو کے جوان العمر لڑکے کی موت سے ہوا، وہ ۱۷۹۲ء میں شکار کے لئے ایک چھوٹے سے جزیرہ میں گیا تھا، وہاں اس کو شیر نے پکڑ لیا، اس کے ساتھیوں نے شیر کو مار ڈالا لیکن نوجوان منرو بھی زخم سے جان بر نہ ہو سکا۔

شمارہ کے آخری صفحہ پر اسی شیر نما باجے کی تصویر دی گئی ہے... مدیر۔

اشارات

(تاریخ ہند پاکستان میں ٹیپو کا مقام)

ٹیپو سلطان، ہماری تاریخ کے ان درخشاں ستاروں میں سے ایک ہے جس کے کارناموں پر کوئی قوم بھی فخر کر سکتی ہے لیکن بعض دوسری نمایاں شخصیتوں کی طرح اس کا شمار بھی تاریخ سازوں کے اس طبقہ میں ہے جس کے ساتھ مورخین نے سخت ناانصافی کی ہے۔ ٹیپو پہلا شخص تھا جس نے برطانوی استعمار کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کی جان توڑ کوشش کی اور آزادی وطن کے لئے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت پیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے سراج الدولہ اور میر قاسم نے بنگال میں اور خود اس کے باپ نے جنوبی ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں کا زبردست مقابلہ کیا تھا، اور آخر الذکر نے تو متعدد شکستیں دے کر غنیم کی کمر توڑ دی تھی، لیکن اس کا سہرا ٹیپو ہی کے سر ہے کہ آزادی وطن کے مسئلہ کو اس نے اپنا اولین اور آخری مقصد قرار دیا۔

ٹیپو کی شخصیت اور اس کے کارناموں کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے، اٹھارہویں صدی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری ہے۔ یوں تو شروع ہی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے "تاجروں" کی للچائی ہوئی نظریں، سیاسی اقتدار کی طرف جھکتی نظر آتی ہیں۔ یورپ کی دوسری تجارتی کمپنیوں کے نمائندوں سے ان کے جھگڑے بہت جلد شروع ہو گئے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو اپنی فوجی طاقت بڑھانے کا موقع مل گیا تھا۔ مغلوں کی اس کمزوری کا علم تو اہل یورپ کو بہت عرصہ پہلے ہو چکا تھا کہ ان کے پاس بحری بیڑہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے، برخلاف ان کے خود ان طاقتوں کو اپنے بیڑے مضبوط کرنے

کی شدید ضرورت تھی، بحری قوت کی برتری کا بھی احساس تھا جس نے کمپنی کے حکام کو مغلیہ حکومت سے ٹکر لینے پر آمادہ کیا، یہ واقعہ عالمگیر کے عہد کا ہے، کمپنی نے ایک بہانہ تلاش کر کے جارحانہ رویہ اختیار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغل افواج کو اس کی سرکوبی کرنا پڑی، بنگال اور بمبئی کے ساحلی علاقوں پر کئی لڑائیاں ہوئیں، مغلوں نے اپنی بری قوت سے ہی کمپنی کے جہازی بیڑوں کو شکستیں دیں اور آخر میں وہ صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہوگئی عالمگیر نے صلح کی درخواست پر توجہ نہیں کی، کیونکہ اس سے جانبین کا رتبہ برابری کا ہوجاتا تھا، ہاں اس نے ایک معافی نامہ، فرمان کی شکل میں جاری کر دیا۔ عالمگیر کے خلاف جنگ کی اس کوشش میں ہم کو کمپنی کے ارادوں کی قطعی شہادت ملتی ہے۔

عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد مغلیہ حکومت جس تیز رفتاری سے زوال پذیر ہوئی اس کو دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے، بنیادی طور پر سلطنت میں ایسی خرابیاں نہیں تھیں جن کو اس انحطاط کا سبب کہا جاسکے، حقیقت یہ ہے کہ مغلوں نے نظم حکومت کا جو خاکہ بڑی سعی کی کوشش کے بعد تیار کیا تھا وہ اتنا مستحکم اور مرتب تھا کہ آج تک اس کے آثار موجود ہیں، لیکن ملوکیت کی یہ بنیادی خرابی ہے کہ اگر حکمران غیر معمولی صلاحیت کا انسان نہ ہو تو حکومت کا زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے مغلوں میں پہلے چھ حکمرانوں کے بعد سخت نااہل اور کمزور شہزادے تخت نشین ہوتے رہے، سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی اور اس کے ارباب اقتدار کے سامنے ایسے پیچیدہ مسائل آتے رہتے تھے کہ انتہائی قابل حکمران ہی ان پر قابو پاسکتے تھے، بہادر شاہ اول، فرخ سیر اور محمد شاہ جیسے کوتاہ اندیش، اور آرام طلب حکمران ان مسائل کو کسی طرح حل نہیں کر سکتے تھے، مغلیہ سلطنت کی ایک اور بدقسمتی یہ تھی کہ امراء اور وزراء میں تقریباً ہر ایک ذاتی مفاد کی خاطر اعلیٰ مقاصد کو نظر انداز کرنے لگا تھا۔ ان میں سے بعض یقیناً عمدہ صلاحیتیں رکھتے تھے لیکن وہ ان صلاحیتوں کو گروہ بندی خانہ جنگی اور سازشوں کے لئے وقف کر دیتے تھے اور سلطنت کے گرتے ہوئے وقار اور گھٹتی ہوئی قوت کی طرف قطعاً توجہ نہ کرتے تھے، سیاست کے میدان میں رقابت، رشک، حسد اور خود مطلبی اور خود غرضی نے اکثر نمایاں رول ادا کیا ہے، لیکن اسلام کی سیاسی تاریخ میں ہم کو ایک اور خطرناک عنصر بھی کارفرما نظر آتا ہے، سنی شیعہ اختلافات کا سلسلہ ابتدار ہی سے شروع ہوگیا تھا، اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ اختلافات وسیع تر ہوتے ہوگئے،

تاریخ کے طالب علم کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہمارے بہت سے سیاسی رہنما۔ دقت نظر رکھنے
کے باوجود فرقہ وارانہ کا شکار ہوتے رہے ہیں، مغلوں کی تاریخ کے آخری ابواب کا سیاہ
ترین پہلو یہ سنی شیعہ اختلافات اور ان کے ساتھ ایرانی تورانی جھگڑے ہی تھے۔ یہاں
واقعات کا تفصیلی جائزہ ممکن نہیں لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ مرہٹوں کی حوصلہ افزائی اور
ان کو اپنی قوت بڑھانے کے مواقع بہم پہنچانے کی پالیسی کی بنیاد یہی اختلافات تھے۔

شاہ ولی اللہ پہلے مفکر تھے جنہوں نے ان واقعات سے پیدا ہونے والے خطرناک
نتائج کا اندازہ لگایا اور آنے والی مصیبت کا سد باب کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش
جیسا کہ ہم جانتے ہیں صرف ایک حد تک کامیاب ہوئی۔ انتشار اور بدنظمی کی قوتیں اتنا زور
پکڑ چکی تھیں کہ مخلص رہنمایان قوم کی کوششیں ان کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

مرکزی نظام حکومت کے انحطاط کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ صوبے دار جو وسیع علاقوں
کا انتظام چلا رہے تھے اب نیم خود مختار ہو گئے۔ بنگال، اودھ اور دکن کی سلطنتیں اسی
غلط طریقہ کار کی وجہ سے وجود میں آئیں۔ مغلیہ سلطنت کو اسلامی نہ بھی کہا جائے تو اس
کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ وہ مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ برصغیر کی آبادی میں مسلمان ایک
اقلیت تھے اور اگرچہ اس زمانہ میں جمہوریت یا ووٹوں کے ذریعہ اقتدار حاصل کرنے
اور اس کو قائم رکھنے کا طریقہ رائج نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی یہ بالکل ظاہر تھا کہ سلطنت کی بقا
مسلمانوں کے اتحاد پر تھی، راجپوت سردار یقیناً سلطنت کے معاون تھے لیکن ان کی اعانت
کسی وقت بھی ختم ہو سکتی تھی۔ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس عہد کے سیاسی رہنماؤں نے
مسئلہ کے اس پہلو کو نظر انداز کیا۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کی
انتشار پسند قوتوں کو ہوا دیتے رہے اور سلطنت کا شیرازہ بکھرتا رہا، عالمگیر کے جانشینوں
کی نااہلی ایک مسلمہ امر ہے لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال کی ذمہ داری سے نظام آصف جاہ
اور برہان الملک جیسے بااقتدار اور سمجھدار سیاست دانوں کے دامن بھی پاک نہیں۔
چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا قیام پہلی نظر میں تو ایک دور اندیشانہ اقدام معلوم ہوتا ہے لیکن
اس سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے کہ ان نیم خود مختار ریاستوں کی ترقی اور استحکام
کے معنی اس کے سوا کچھ بھی نہ تھے کہ مغلیہ سلطنت کمزور ہوتی جائے۔ نادر شاہ اور
شاہ درانی کے حملوں کو سلطنت کے زوال کا اہم سبب قرار دیا گیا ہے، یہ غلط نہیں

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کاخِ حکومت میں رخنے نہ پڑ چکے ہوتے تو بیرونی حملے یہ شکل ہرگز اختیار نہ کرتے۔ ایک مستحکم اور قابلِ اعتماد نظامِ حکومت کا سربراہ کسی بیرونی حملے کی خبر سن کر یہ نہیں کہا کرتا کہ

"لوگوں کے مکانوں کی چھتیں بہت اونچی ہیں اس لئے قزلباشوں کو دور سے دیکھ رہے ہیں"

تیمور کے خاندان نے دو سو سال کی مستقل جدوجہد کے بعد اپنا جو وقار قائم کیا تھا ۱۷۳۹ء میں ایک ہی لڑائی کے بعد ختم ہو گیا۔ دلی جو صدیوں سے اس برصغیر کی سیاسی، ادبی اور اقتصادی زندگی کا مرکز تھا، بالکل تباہ ہو گیا۔ اس زمانہ کے حساب سے کسی شہر سے ایک ارب اسی کروڑ روپیہ کا چلا جانا معمولی بات نہ تھی۔ اقتصادیات کا توازن قطعی طور پر درہم برہم ہو گیا۔ اس کے علاوہ محمد شاہ نے اٹک کے پار کا سارا علاقہ اور کچھ حصہ ملتان و سندھ کے صوبہ کا حملہ آور کی خدمت میں پیش کیا۔ اس تباہی کے جو نتائج ہو سکتے تھے اور ہوئے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ دس پندرہ سال کے اندر افغانوں نے کئی حملے کئے اور ہر حملے کا نتیجہ مزید بربادی اور انحطاط تھا۔ یہ کس قدر حیرت انگیز امر ہے کہ اودھ، بنگال اور دکن کے مدبر ان خطرات کا اندازہ نہ کر سکے جو ان واقعات کا لازمی نتیجہ تھے۔ وہ سب یہی سمجھتے رہے کہ مغلیہ سلطنت کی لاش کو نوچ نوچ کر کھا جانے ہی سے ان کی شکم سیری ہو سکتی ہے۔ اگر شاہ ولی اللہ اس موقع پر حالات کا صحیح اندازہ نہ کر لیتے اور مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلہ کے لئے مسلم رہنماؤں کو متحد نہ کر دیتے تو مغلیہ حکومت کا خاتمہ بہت جلد ہو جاتا۔

مرہٹہ سیاست دانوں کی بھی اگرچہ یہ خواہش ضرور تھی کہ ہند پاکستان میں ہندو پد پادشاہی کا پرچم لہرایا جائے مگر انہوں نے ایک مستحکم اور منضبط سلطنت کے قیام کے لئے جو رویہ اختیار کیا، وہ اس مقصد کے حصول کا صحیح راستہ نہ تھا۔ پانی پت کی تیسری جنگ مسلمانوں کی آخری شاندار فتح تھی لیکن اب ان کی حالت اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ وہ اس فتح سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ انحطاط کا سلسلہ جاری رہا اور برصغیر طوائف الملوکی کا شکار ہو گیا۔

یورپی اقوام کے جو نمائندے یہاں موجود تھے انہوں نے ان حالات کا بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کہ طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر سیاسی اقتدار

حاصل کیا جا سکتا تھا، کسی غیر معمولی قابلیت کی ضرورت نہ تھی' چنانچہ اٹھارویں صدی کے وسط میں انہوں نے یہاں کی سیاسی بساط پر اپنے مہروں کو حرکت دینا شروع کر دیا' ابتدا میں فرانسیسیوں کو کچھ کامیابی ہوئی لیکن بالآخر یہ واضح ہو گیا کہ برصغیر کی آزادی کو سب سے زیادہ خطرہ برطانوی استعمار سے ہے' ۱۷۵۷ء میں بنگال میں ان کی سیاسی چالیں بہت کامیاب ثابت ہوئیں' اور چشم زدن میں وہ ایک انتہائی وسیع اور زرخیز علاقے کے مالک بن گئے' یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ انہوں نے یہ کامیابی جن ذرائع سے حاصل کی وہ اخلاقی نقطہ نظر سے سخت معیوب تھے' کلائیو کے موثر ہتھیاروں میں سازش' فریب اور دھوکا دہی خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں' لیکن اگر ہم کلائیو اور اس کے ہم وطنوں کو ان اخلاق سوز جرائم کا مرتکب سمجھنے میں حق بجانب ہیں تو یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ میر جعفر جیسے خود غرض وطن فروشوں ہی کے ذریعہ وہ اپنی سازشوں کو عملی شکل دے سکتے تھے' بہر حال بنگال پر قبضہ کر لینے کے بعد برطانوی استعمار کے حوصلے بہت بلند ہو گئے' اگرچہ کمپنی اب بھی تجارتی کمپنی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ارباب حل و عقد نے اب تجارتی لبادہ اتار پھینکا تھا' اور وہ اپنے اصلی رنگ میں نظر آرہے تھے' کلائیو کے بعد وارن ہیسٹنگز کے دور حکومت میں کمپنی کی فوجیں بلا تردد' مختلف محاذوں پر لڑتی رہیں اس کا علاقہ اور سیاسی اقتدار برابر وسیع ہوتے رہے اور جلد ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کا شمار یہاں کے طاقتور حکمرانوں میں ہونے لگا۔

اسی زمانہ میں حیدر علی نے سلطنت خداداد میسور کی بنیاد ڈالی اور چند سال کے مختصر عرصہ میں اپنی ہمت اور شجاعت کا سکہ منوا لیا۔ میسور کی پہلی اور دوسری جنگ میں حیدر علی نے عظیم الشان اور یادگار فتوحات حاصل کیں لیکن ان فتوحات کے باوجود برصغیر کے سیاسی نقشے میں بنیادی تبدیلیاں واقع نہ ہو سکیں' اس کی فوجی طاقت یقیناً بہت زیادہ تھی ۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس کے نام سے غنیم کے دل سہم جاتے تھے' پھر بھی وہ برطانوی اقتدار کو ختم نہ کر سکا' اور اپنے بیٹے اور جانشین کے لئے ورثہ میں بہت سی مشکلات چھوڑ گیا' اس کے لئے زیادہ دشوار اور ساتھ ہی سب سے زیادہ اہم مسئلہ برطانوی استعمار کے اقتدار کو ختم کرنا تھا۔

ٹیپو سلطان نے سلطنت خداداد کی عنان حکومت جب اپنے ہاتھ میں لی تو اس وقت کمپنی کا اقتدار اور طاقت بہت وسیع ہو چکے تھے' شمال میں بنگال' بہار اور اڑیسہ کے

وسیع علاقوں پر براہ راست حکومت قائم کرنے کے علاوہ اس نے اودھ کی حکومت کو بھی اپنے مکمل اثر میں لے لیا تھا، نواب اودھ کہنے کو تو کمپنی کے "دوست" ہوتے تھے، لیکن ان کی وفاداری اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ بعض اوقات وہ خود کمپنی کے لئے باعث تشویش ہو جاتی تھی، نظام حیدرآباد کا بھی جذبہ وفا کیشی کچھ کم نہ تھا۔ روہیلکھنڈ کا نواب شجاع الدولہ اور وارن ہیسٹنگز نے پہلے ہی خاتمہ کر دیا تھا۔ اودھ کی حکومت اب جمنا کے کنارے تک آگئی تھی، بہ الفاظ دیگر برطانوی اقتدار کی حدود دہلی کی دیواروں کے سامنے تک پہنچ چکی تھیں۔ جنوب میں نظام کی وہی حیثیت تھی جو نواب وزیر اودھ کی شمال میں تھی۔ مرہٹہ ریاستیں زیادہ جاندار تھیں لیکن تدبر و اتحاد کا ان کے یہاں بھی فقدان تھا، وہ یہ نہ سمجھ سکی تھیں کہ برطانوی استعمار کی خطرناک ہوس ملک گیری کی کوئی حد نہیں۔ غرضکہ برصغیر کے حکمرانوں میں صرف ٹیپو ہی یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوا کہ اگر برطانوی اقتدار کے بڑھتے ہوئے طوفان کو اس وقت نہ روکا گیا تو سارا برصغیر اس کی زد میں آجائے گا۔ تاریخ نے ثابت کر دیا کہ اس کا خیال تھا۔

ٹیپو بہادر اور جانباز سپاہی ہونے کے علاوہ صحیح معنوں میں سیاسی مدبر بھی تھا۔ اس نے اپنی فوجوں کی تربیت اور ہتھیاروں کا استعمال ان ہی اصولوں پر کیا جن پر یورپی افواج تربیت دی جاتی تھیں، حقیقت یہ ہے کہ حیدر علی ہی کے زمانہ سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اب میسور کا سپاہی اُس احساس کمتری کا شکار نہیں تھا جس کا مظاہرہ ہم دوسری فوجوں کی شکستوں میں دیکھتے ہیں، ٹیپو نے بہت جلد یہ طے کر لیا کہ برطانوی اقتدار سے یہاں کے لوگوں کو نجات دلانے کی ہر امکانی کوشش کی جائے، اور اس راستے میں ہر قسم کے ایثار اور قربانی کے لئے تیار رہا جانا چاہیئے۔ اس کی حکمرانی کا اٹھارہ سالہ دور اسی فیصلہ کی تفسیر ہے۔

ٹیپو کی شخصیت اور اس کے کارنامے ہماری تاریخ کا ایک متنازع فیہ مسئلہ بن گئے ہیں، اس پر ہم کو تعجب نہ کرنا چاہیئے، سلطنت خداداد کے خاتمہ پر یہاں ٹیپو کے مخالفین کی حکومت قائم ہوئی، اس دور میں اس کی تاریخ کو مسخ کرنے کی ہر امکانی کوشش کی گئی، یہ پروپاگنڈہ کامیاب ہوا، چنانچہ انیسویں صدی کے مورخ بالخصوص ملدر پر مغربی مصنفین تعصب کا شکار ہوئے۔ یہ صحیح ہے کہ تفصیلات کے مطالعہ سے ان کو ٹیپو کی بعض خصوصیات اور اس کے کردار کی بلندی کا کچھ اندازہ ہوا، لیکن ان کے لئے یہ

ممکن نہ ہوا کہ وہ اس کو جنگ آزادی کے ایک جانباز سپاہی کی حیثیت سے دیکھ سکتے، وہ اس کو برطانوی استعمار کا نہیں بلکہ برطانوی قوم کا دشمن سمجھتے رہے۔ مورخین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ حقیقت پسندی کی تعریف کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ہر مسئلہ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کے عادی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اصول تاریخ کے صرف ان ابواب پر منطبق ہوتا ہے جن کا لکھنے والے سے بالواسطہ یا براہ راست کوئی تعلق نہ ہو۔ سلطنت میسور کی تاریخ مرتب کرنے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، یہی سبب ہے کہ ٹیپو کو ایک ظالم اور خونخوار سپاہی کے رنگ میں پیش کیا گیا، اور ان بیانات کو اتنی بار دہرایا گیا کہ اس کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے نہ آسکی۔ یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ ایک ایسے شخص کے متعلق جس کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ میں گذرا ہو، غلط فہمیاں نہایت آسانی سے پھیلائی جا سکتی ہیں۔ جنگ کے میدان میں اور بعض اوقات اس کے بعد بھی قتل و غارت سے ناظر کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، اگر صرف ان واقعات کو سامنے رکھ کر اس کی تصویر تیار کی جائے گی تو یقیناً وہ غلط اور گمراہ کن ہوگی۔ ایک سپاہی کی زندگی کا جائزہ لیتے وقت یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس نے لڑائی کن مقاصد کے تحت لڑی اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوئے۔ تہذیب انسانی کا دفاع اور امن کی ترقی، امن اور اخلاقی اقدار کا قیام، بنی نوع انسان کے ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے پنجہ استبداد سے نجات دلانا، یہ وہ اعلیٰ مقاصد ہیں جن کے حصول کی کوشش میں تلوار اٹھانا عبادت کا مرتبہ رکھتا ہے۔ ٹیپو کا مقصد یہی تھا کہ اہل ہند پاکستان کو آزادی دلائے۔

ٹیپو کے مقاصد کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ناقابل تردید شہادت مہیا کی جاسکتی ہے، ان اشارات کے علاوہ جو اس کی مراسلت اور بعض مورخوں کے بیانات میں موجود ہیں ہم کو اس کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہی اس تصور میں ملتی ہے کہ برطانوی اقتدار کا قلع قمع کیا جا سکے، فرانس، ترکی، ایران اور افغانستان کی حکومتوں سے اس نے اتحاد اور امداد کی جو اپیلیں کیں، ان کو بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے مقاصد کی صحیح تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اٹھارویں صدی کے ربع آخر میں کمپنی کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ بغیر سوچے سمجھے توسیع سلطنت کی خاطر نئی نئی جنگیں لڑنے کے لئے اقدامات کرتی۔ برطانیہ کو امریکہ کی جنگ آزادی میں زبردست شکست ہوئی تھی جس سے اس کا وقار بہت گر گیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد

فرانس میں انقلاب شروع ہو گیا اور اس کے اثر سے بھی برطانیہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ نپولین
کے برسر اقتدار آنے کے بعد معاملات اور بھی نازک ہو گئے۔ یوں تو مورخوں نے کارنوالس،
سرجان شور اور لارڈ ولزلی کی پالیسیوں میں فرق دکھایا ہے اور بڑی حد تک یہ حقیقت بھی ہے
کہ ان تینوں گورنر جنرلوں کے مزاج مختلف تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ گورنر جنرل کی افتاد طبع
کا اس زمانہ میں حکومت کے رویہ پر گہرا اثر ہوتا تھا لیکن اس دور کی تاریخ پر ہم نظر ڈالیں
تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ کمپنی کے ارباب اختیار کی توجہ اب تجارت کے مقابلے میں دائرہ
اقتدار پر کہیں زیادہ تھی۔ کارنوالس کو امن پسند گورنر جنرل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی
لیکن میسور کی تیسری جنگ اسی نے لڑی۔ اس جنگ کے اسباب کا تفصیلی مطالعہ کیجئے تو
آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کارنوالس جنگ کی تیاری میں مصروف تھا،
صرف بہانہ کی تلاش تھی۔ ان مورخین نے بھی جن کی تصانیف انگریزوں کی سرپرستی[۱]
میں لکھی گئی ہیں ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہیں کہ کارنوالس،
نظام اور مرہٹے ٹیپو کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ "نشان حیدری" ٹیپو سلطان کے
بیٹے کی خواہش پر لکھی گئی ہے اور ایک انگریز افسر کے نام اس کو معنون کیا گیا ہے لیکن اس کے
صفحات میں بھی ہم کو اس جنگ کے اسباب سے متعلق یہ الفاظ ملتے ہیں۔ ٹیپو کی پائین گھاٹ
کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے اس کا مولف لکھتا ہے:

> "ومقارن این واقعہ ابوالقاسم خان مخاطب بہ میر عالم وکیل نظام علی خاں
> کہ پیش ازیں بہ تجویز مشیر الملک دیوان ناظم حیدرآباد بہ بنگالہ رفتہ بہ گورنر جنرل
> موصوف ترغیب در استیصال دولت خداداد می نمود۔ دریں ولا کار
> بر وفق مراد خود یافتہ بعد سعی بلیغ در اتمام آن کرد۔ پس گورنر جنرل موصوف
> مکتوب ناظم حیدرآباد و سردار پونہ متضمن اتفاق یک دیگر و تسخیر و تقسیم
> تمامی ممالک بالاگھاٹ ترقیم ساختہ وتاکید تہیہ اسباب جنگ و ذخائر

---

۱ مثال کے طور پر محب الحسن خان کی کتاب ہسٹری آف ٹیپو سلطان کا دسواں باب
دیکھئے۔ اس میں متعلقہ دستاویزات کے حوالے اور چند اقتباسات بھی درج
کر دیئے گئے ہیں۔

و فراہم سازی سپاہ بنام سرداران مدراس ترسیل داشتہ در بندوبست کار خود بدل دو
ناظم حیدر آباد و مرہٹہ کہ از بہر اخذ ملک خداداد، وسیلہ می جستند بموجب نوشتہ گورنر جنرل
موصوف بہ ترتیب لشکر و آلات حرب و پیکار مستعد گردیدند و سرداران انگریز بہ اجتماع
آلات واسباب رزم و پرخاش پرداختند"[1]

پیشوا یا نواب وزیر اودھ کی طرح ٹیپو بھی آزادی وطن کا سودا کر کے اپنے تخت اور حکومت کو کچھ مدت کے لئے محفوظ کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

تیسری جنگ میسور کے بعد جس کے نتیجہ میں ٹیپو کو اپنی سلطنت کا ایک بڑا علاقہ اور اس کے ساتھ ایک کثیر رقم اتحادیوں (کمپنی، مرہٹے اور نظام) کو دینا پڑی تھی اس کو یقیناً یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ غنیم کی فوجیں اس سے کہیں زیادہ طاقتور اور اس کے وسائل کہیں زیادہ وسیع تھے، کیا ان حالات میں خود اس کے ذاتی مفاد کا تقاضا یہ نہ تھا کہ کمپنی سے معاملہ کرے؟ لیکن اس نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا، اس لئے کہ اس کے سامنے ذاتی مفاد نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مقصد تھا۔

تاریخ کے طلباء جانتے ہیں کہ ولزلی نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ برصغیر کی ریاستوں کو یا تو کمپنی کے زیر اثر لے آئے یا ختم کر کے ان کے علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرے۔ چنانچہ اس کا مشہور طریقہ کار جس کو سبسیڈیری الائینس کہا گیا ہے اسی مقصد کو عملی شکل دینے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے دیسی ریاست کا حکمران اپنی اور اپنے ہم وطنوں کی آزادی فروخت کر کے اپنے عیش و آرام کے لئے راستہ صاف کر لیتا تھا۔ کمپنی کی فوج کا ایک دستہ اس کی ریاست میں متعین کر دیا جاتا کہ اس کے خلاف جو بغاوتیں ہوں ان کو فرو کرنے میں اس کی مدد کرے، لیکن یہ بھی ظاہر تھا کہ اس فوج کی موجودگی میں ریاست کے حکمران کے لئے آزاد پالیسی پر عمل کرنا ناممکن تھا، شرائط معاہدہ میں یہ صاف طور پر کہہ دیا جاتا تھا کہ خارجی معاملات میں اس کو کمپنی کی ہدایات پر چلنا ہوگا، مختصراً یہ معاہدہ ریاست کی آزادی کا پروانہ موت ہوتا تھا، نظام اور نواب وزیر اودھ نے ان شرائط کو قبول کر لیا۔ ٹیپو ظاہر ہے اس قسم کا معاہدہ نہیں کر سکتا تھا۔ مرہٹوں نے اس وقت تو اس کو تسلیم نہیں

---

[1] کارنامہ حیدری، ص ۷۷۰ - ۷۷۱

کیا لیکن پیشوا نے کمپنی کے ساتھ شریک ہو کر ٹیپو کی مخالفت کی، ولزلی کی تدبیر کارگر ہوئی اور ٹیپو کو نہایت طاقتور دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس نے مختلف ممالک سے رابطہ قائم کر کے اپنی قوت میں اضافہ کی کوشش کی، مگر اس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ وہ سلاطین عثمانی کی طرف سے بہت کچھ امید رکھتا تھا لیکن اس زمانہ میں یورپی اقوام کے تعلقات کچھ اس قسم کے تھے کہ ترک، انگریزوں کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے، برخلاف اس کے وہ فرانس کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دینے کو تیار تھے، چنانچہ خلیفۃ المسلمین کی حکومت نے یہی نہیں کہ ٹیپو سے دفاعی معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہاں سے ایک ہدایت نامہ بھی اس کے نام آیا جس میں انگریزوں کی تعریف اور فرانسیسیوں کی مذمت کی گئی تھی، نپولین کے حملۂ مصر کی تفصیل بیان کرنے کے بعد اس خط میں ٹیپو سے کہا گیا تھا کہ وہ انگریزوں کی مخالفت بند کر دے، ولزلی نے یہ مکتوب ٹیپو کے پاس خود اپنے خط کے ساتھ بھیجا، ٹیپو اس پر تیار ہو گیا کہ ولزلی کے نمائندے سے تجدید عہد نامہ کے متعلق گفتگو کرے، حالانکہ پہلے وہ یہ کہہ چکا تھا کہ اگر گذشتہ صلحنامہ کی شرائط پر عمل کیا جائے تو مزید عہد نامہ کی ضرورت نہیں، خلیفۃ المسلمین کے خط کا بھی اس نے جواب دیا اور بتلایا کہ ان کے مخالفین سے کسی مسلمان کو دوستی نہیں کرنا چاہیئے، لیکن اس نے ولزلی کو یہ صاف الفاظ میں بتلا دیا کہ وہ صرف اسی عہد نامہ کو قبول کر سکتا ہے جو اس کے اقتدار اور آزادی پر کسی صورت سے اثر انداز نہ ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ ولزلی یہ تمام خط و کتابت ایک منصوبہ کے تحت کر رہا تھا، وہ چاہتا تھا کہ ٹیپو کو اس مراسلت میں الجھائے رکھے اور خود اس عرصہ میں اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر لے۔ چنانچہ یہی ہوا، ابھی ٹیپو کے یہ جوابات اس تک پہنچے بھی نہ تھے کہ اس نے اپنے سرداروں کو احکامات جاری کر دیئے کہ وہ اپنی فوجیں حرکت میں لائیں اور میسور پر حملہ کریں۔

ان واقعات کی تفصیل، ٹیپو کی آخری شکست اور شہادت کا ذکر ان مقالوں میں موجود ہے جو اس شمارہ میں شایع ہو رہے ہیں، ہم یہاں اس مسئلہ کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، ابتدا میں تو ٹیپو کی یہی خواہش تھی کہ برصغیر میں برطانوی استعمار کا سر کچل دیا جائے اور اس کے تسلط سے یہاں کے تمام باشندوں کو آزاد کرا لیا جائے۔ بیرونی طاقتوں کے علاوہ نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی اپیلوں کے یہی معنی تھے،

لیکن پندرہ سال کی مسلسل جد و جہد اور آخر میں شدید ناکامی کے بعد اس نے کوشش کی کہ کم از کم اس کی اپنی سلطنت بیرونی اقتدار کے دائرے سے باہر رہے۔ اس کے لئے وہ ہرگز تیار نہ تھا کہ اپنے ہمعصر حکمرانوں کی طرح وہ بھی برطانوی استعمار کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹیپو نے اپنے لئے نہایت مشکل اور پر خطر راستہ اختیار کیا، لیکن منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے یہی ایک راستہ تھا، اور اسی راستہ پر چل کر شہید ہونے والے جانباز دوامی شہرت حاصل کر سکتے ہیں۔

ٹیپو سلطان کی شہادت کو صرف ایک حکمران کی موت سمجھنا درست نہ ہوگا۔ یہ کہنا بھی کافی نہیں کہ اس کی موت ایک شیر کی موت تھی، بے شک کوئی سپاہی بھی اس طریقۂ شہادت پر فخر کر سکتا ہے جو ٹیپو نے اپنے لئے پسند کیا، ہم جانتے ہیں کہ آخری لمحہ میں بھی اس کے لئے یہ ممکن تھا کہ اپنی جان بچانے کی خاطر میدان جنگ سے چلا جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو یہ مشورہ دیا بھی گیا تھا، لیکن اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ غنیم کی کامیابی یقینی ہے اس نے مقابلہ جاری رکھا اور اپنی جان نثار کر دی۔ سلطنت میسور کے خاتمہ کے بعد کمپنی کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس کے اقتدار میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ اب یہ واضح ہو گیا تھا اور اس میں کسی کو شک نہیں تھا کہ کمپنی جلد یا بدیر مغلیہ سلطنت کی جگہ برصغیر میں بالا دستی حاصل کر لے گی، اس کے بعد مرہٹہ سرداروں اور سکھوں نے کمپنی سے لڑائیاں لڑیں۔ لیکن ان سرداروں میں وہ جذبہ موجود نہ تھا جس نے ٹیپو کو شہادت کے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے۔

ٹیپو نے جام شہادت پی کر اپنے ہم وطنوں کو ایک اہم اور تاریخی سبق دیا، وہ یہ تھا کہ مغربی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے لئے طویل جد و جہد کرنا پڑے گی اور اس جد و جہد میں ہر قسم کا ایثار حتیٰ کہ جان کی قربانی بھی دینا ہوگی۔ ٹیپو کی شہادت کے اٹھاون سال بعد برصغیر کے جانبازوں نے ایک زبردست انقلاب کی بنیاد رکھی، اور آزادی کی جنگ لڑی، اس میں لاتعداد محبان وطن شہید ہوئے اور آخر میں پھر بھی انقلابیوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن ٹیپو یا ۱۸۵۷ء کے جانبازوں کی قربانیاں، ان کی ناکامی کے باوجود تاریخ کے صفحات میں مستقل مقام حاصل کر چکی ہیں، اب ہم آزاد ہو چکے ہیں اور اپنے

مستقبل کو روشن بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم کو یہ ہرگز نہ بھولنا چاہیے کہ زندہ قومیں اپنے اُن جانبازوں کے کارنامے جو راہ آزادی میں شہید ہوتے ہیں بیش بہا خزانہ کی طرح محفوظ کرتی ہیں، ٹیپو سلطان یقیناً اس کا مستحق ہے کہ اس کی زندگی کے صحیح حالات اور اس کے شاندار کارناموں کی جملہ تفصیلات کو صحیح تاریخی پس منظر میں پیش کر کے اس کی شخصیت کی مکمل تصویر تیار کی جائے۔

بصائر کا یہ خصوصی نمبر شائع کرنے میں یہی جذبہ کار فرما ہے، ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ جو تصویر پیش کی جا رہی ہے وہ مکمل نہ ہو۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اس کوشش میں ضرور کامیاب ہو گئے ہیں کہ اس کے کارناموں کے بہت سے پہلو جن کی طرف یا تو قطعاً توجہ نہیں کی گئی تھی یا ان کا مطالعہ قطعیؔ طور پر نامکمل تھا اب سامنے آ گئے۔ ٹیپو سلطان کی حیات اور کارناموں سے متعلق تمام اہم مسائل کے لئے اس رسالے میں مواد موجود ہے۔

ٹیپو سلطان پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، خاص طور سے ان بیانات اور واقعات کا تجزیہ بہت ضروری ہے جن کی بنا پر اس کی مسخ شدہ تصویر تیار کی گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے محققین اس موضوع کو نظر انداز نہیں کریں گے، اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والے کو بصائر کے اس شمارہ سے مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد انوار الحسن

سلطان حیدر علی ایک ناقابل فراموش شخصیت

سپاہی سے سلطان ہونے تک

سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیاں بپھرے ہوئے دریا
تپتے ہوئے لق و دق صحرا، بارش اور آندھیوں
کے طوفان، ان کے عزم و استقلال کی راہیں
مسدود نہیں کر سکے اور وہ چٹان بنے کھڑے رہے

اکثر ملوک و سلاطین خواہ ان کا تعلق تاریخ کے کسی دور سے ہو عوام و خواص سے خاطر خواہ خراج عقیدت وصول نہیں کر سکے ہیں اس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ معاشرت اور معیشت کا جو معیار انہوں نے اپنے لئے متعین کیا تھا اس نے ان کے اور ان کی رعایا کے درمیان ایک ناقابل عبور خلیج حائل کر دی تھی لیسے فرمانروا جو تخت و تاج کی زینت بنے اور عوام کی ہمدردیاں بھی جن کے ساتھ رہیں خال خال نظر آتے ہیں۔ دراصل یہی وہ تاجدار ہیں جن کے نام تاریخ کے صفحات پر زریں حروف میں لکھے گئے ہیں اور یہی وہ ہستیاں ہیں جن کے سوانحی خاکے آج بھی ہمارے لئے سرمایۂ درس عبرت ہیں۔ میں انہی فرماں رواؤں میں سے ایک جلیل القدر فرمانروا سلطان حیدر علیؒ

والی سلطنت خداداد میسور سے اپنے قارئین کو متعارف کرانا چاہتا ہوں اور یہ اس لئے
کہ آج ہمیں سلطان حیدر علی ایسے صاحب کردار فرمانروا کی ضرورت کا شدت سے
احساس ہو رہا ہے یہ وہی سلطان ہے جس نے ایک دفعہ پورے عزم و وثوق سے یہ
کہا تھا کہ

"اگر مجھے اپنے جیسا ایک شخص بھی مل جائے تو میں دنیا کو فاروقی
فتوحات کا نقشہ دکھاؤں"

سلطان حیدر علی نے جو کچھ کہا وہ ان کی زندگی میں گذرے ہوئے واقعات کا عکس ہے۔
وہ راجہ میسور کے یہاں ملازم ہوئے تھے تو انیس سال سے کم عمر کے نوجوان تھے۔ تندراج
وزیر نے فوج کے ایک چھوٹے سے دستے پر انہیں متعین کر دیا تھا ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال ۔۔۔ کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

قدرت نے حیدر علی کو سرنگاپٹم میں اس لئے ایک معمولی عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا کہ وہ حیدر علی
نائک کی بجائے سلطان حیدر علی بنیں اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوں تو سلطنت
خداداد میسور کا رقبہ اسی ہزار مربع میل تک پھیلا ہوا ہو۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سلطان حیدر علی میں عمر فاروق جیسا جوش
حضرت خالد جرار جیسا حوصلہ، طارق جیسا عزم و اعتماد، صلاح الدین ایوبی جیسا ولولہ اور
محمد بن قاسم جیسا استقلال تھا سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیاں، بپھرتے ہوئے دریا تپتے ہوئے
لق و دق صحرا بارش اور آندھیوں کے طوفان ان کے عزم و استقلال کی راہیں مسدود
نہیں کر سکے سلطان فتح علی ٹیپو دراصل اپنے باپ سلطان حیدر علی کی زندگی کا ایک عکس
تھے اور باپ بیٹے میں اگر کچھ فرق تھا تو اتنا کہ غداروں ۔۔۔ نے جو نمک حرامی سلطان ٹیپو کے
ساتھ کی یقین کیجئے اگر یہی صورت حال انگریزوں کے ساتھ سلطان حیدر علی کو پیش آتی تو غداری
کی روح دبدبۂ حیدری کے ڈر سے پرواز کر جاتی اور ان کے دماغ میں نمک حرامی کا تصور
تک نہ آتا کیوں کہ حیدر علی کی گرفت ، ۔۔۔ امراء اور سپاہ پر اس قدر سخت تھی کہ وہ کسی وقت
بھی ڈھیلی نہ پڑتی تھی یہی وجہ ہے کہ انگریز کی متعین سیاست نے سلطان حیدر علی کو ریاست

میسور کا غاصب اور غدار کہا ہے لیکن ان انگریزوں کو یہ خیال نہ رہا کہ خود ہندوستان میں ان کا کردار کیا تھا۔

متعصب تاریخ نویسوں اور بالخصوص انگریز مورخوں نے تعصب اور عناد کے جذبات کے تحت جن فاتحین کے کارناموں کے خط و خال بھونڈے انداز میں پیش کئے ہیں انہی میں سے ایک سلطان حیدر علی ہیں، انگریزوں کو ان سے خاص طور پر اس لئے کینہ ہے کہ سلطان نے ہر موقعہ پر ان کے ایسے دانت کھٹے کئے ہیں کہ شاید کسی نے کئے ہوں، چنانچہ جب تک حیدر علی زندہ رہے انگریزوں کو کبھی بھی ابھرنے نہ دیا اور اگر سلطان انگریزوں کے ساتھ مدراس کی صلح نہ کرتے اور بے پرواہی سے کام نہ لیتے بلکہ مدراس پر قبضہ کر لیتے تو انگریزوں کی حکومت ہندوستان پر نہ ہوتی لیکن سلطان کو اپنی قوت پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ جب وہ چاہیں گے انگریزوں کی سرکوبی کریں گے بہرحال سلطان حیدر علی انگریزوں سے نبرد آزما رہے اور ان کی خواہش یہ رہی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو جنوبی ہند سے نکال کر پھینک دیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں سے برسرپیکار رہنے کے باعث سلطان حیدر علی انگریزوں میں ایک خاص بحث کے مرکز بن گئے اور اسی لئے ان کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص مقام حاصل ہوا چنانچہ ان کے متعلق انگریز، ہندو اور مسلمان مورخوں نے تاریخ میں اتنا کچھ لکھا ہے کہ ان کی شخصیت اور عظمت کا نقشہ صحیح طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے سلطان کے واقعات زندگی پر جو کچھ لکھا گیا وہ حسب ذیل کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ برٹش ملٹری بایوگرافی ۲۔ ہسٹاریکل سکیچ آف ساؤتھ انڈیا ۳۔ تاریخ حیدر علی ۴۔ تاریخ میسور از کرنل ولکس۔ ۵۔ تاریخ میسور مصنفہ موسیو واسٹ۔ ۶۔ تاریخ میسور از لوئیس ۷۔ ماڈرن میسور از مسٹر شاما راؤ ایم۔ اے سابق انسپکٹر جنرل محکمہ تعلیم میسور۔ ۸۔ سیاحت نامہ کیپٹن ٹسل از ایڈورڈ فورڈ۔ ۹۔ ایمپائر آف ایشیا۔

ان کے علاوہ فارسی اور اردو میں حسب ذیل کتابیں سلطان کے حالات سے متعلق ہیں۔

۱۔ کارنامہ حیدری فارسی زبان میں مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲۔ حملات حیدری

۳۔ جارج نامہ تصنیف ملا فیروز

۴۔ تاریخ حمید خانی از منشی حمید خاں

۵۔ فتوحات حیدری از لالہ کھیم نرائن دہلوی

۶۔ نشان حیدری از میر حسن علی کرمانی

۷۔ حیدر علی و ٹیپو سلطان از مولانا شہری مرحوم دہلوی

ان تمام کتابوں اور دیگر مسودوں کو پیش نظر رکھ کر ایک اور کتاب محمود خاں بنگلوری نے تاریخ سلطنت خداداد میسور کے نام سے لکھی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب دیگر تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیتی ہے یہ کتاب چھ سو صفحات تک پھیلی ہوتی ہے اس میں سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی ٹیپو شہید کی سیرت اور کردار کو تحقیقی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔

آباؤ اجداد

کرنل ولکس کا خیال ہے کہ حیدر علی کے آباؤ اجداد پنجاب کے رہنے والے تھے بعض نے ان کو افغانستانی نسل سے نسبت دی ہے نشان حیدری کے مصنف نے ان کو قریشی النسل عرب قرار دیا ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ شیخ ولی محمد مکہ سے بغداد پہنچا تھا اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی تک خشکی کا راستہ ایران اور پنجاب سے ہو کر گزرتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ پنجاب میں ان کا قیام رہا ہو بالآخر شیخ ولی محمد دہلی سے گلبرگہ پہنچے اور وہاں ان کے بیٹے محمد علی کی شادی شاہ بندہ نواز کے متولی کی لڑکی سے ہوئی یہاں ولی محمد کا انتقال ہو گیا اور محمد علی گلبرگہ سے بیجاپور پہنچے ان کے چار لڑکے تھے جن کے نام محمد الیاس، علی محمد، محمد امام اور فتح محمد تھے۔ آخری بیٹے شیخ فتح محمد کے تین لڑکے ہوئے یعنی شہباز، ولی محمد اور حیدر علی۔

حیدر علی کے والد فتح محمد نے اپنی بیوی مجیدہ بیگم کو ایام حمل میں حیدر علی درویش کی خدمت میں بھیجا اور بیٹے کی دعا چاہی انہوں نے کہا تمہارے ہاں بلند اقبال بیٹا ہوگا اس کا نام میرے نام پر رکھنا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیدائش

حیدر علی ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں بوڈی کوٹہ ضلع کولار میں پیدا ہوئے اس وقت ان کے والد فتح محمد، عابد خان صوبہ دار سرا کے ہاں

دو ہزار پیادہ اور پانچ سو سوار مع فیل اور نقارہ و علم کے منصب پر مامور تھے حیدر علی کی عمر جب پانچ سال کی تھی تو ان کے والد ایک جنگ میں مارے گئے اس یتیمی میں ان کے تائے کے بیٹے نے جو میسور کے ایک راجہ کے یہاں ملازم تھے انہیں میسور کے دارالخلافہ سرنگا پٹم بلا لیا چند سال تک حیدر علی نے حسب دستور زمانہ فنون سپہ گری کی تعلیم و تربیت حاصل کی، البتہ تعلیم سے بے بہرہ رہے جب حیدر علی اور شہباز جوان ہوئے تو ان کے عزیزان کو میسور کے وزیر نندراج کے پاس لے گئے۔ جس نے دونوں بھائیوں کو ملازم رکھ لیا — حیدر علی کم عمر تھے اس لئے ان کو ایک چھوٹے سے دستہ پر افسر مقرر کر کے سرنگا پٹم میں ہی مقرر کر دیا اس وقت کرشنا راجہ اوڈر ریاست کا حکمران تھا۔

کارکردگی اور شادی

حیدر علی کی خوش خلقی اور کارکردگی نے سب کے دل میں گھر کر لیا تھا چنانچہ انیس سال کی عمر میں نندراج وزیر نے ان کی شادی پیرزادہ شاہ میاں ساکن سرا کی لڑکی سے کر دی لیکن اس بیوی کو فالج کا مرض لاحق ہوا اور اس نے دوسری شادی کی اجازت دے دی چنانچہ حیدر علی نے ایک اور عورت سے جس کا نام فاطمہ بیگم تھا ۱۷۵۲ء میں شادی کی جس سے سلطان فتح علی ٹیپو شہید پیدا ہوئے۔

گورنر ڈنڈیگل ۱۷۵۲ء

نندراج وزیر کے خلاف ۱۷۵۲ء میں جب میسور کی ریاست کے علاقہ میں شورش ہوئی تو وزیر مذکور نے شورش دبانے کے لئے حیدر علی کو ۱۷۵۲ء میں ڈنڈیگل کا گورنر اور ترقی دے کر چار ہزار سپاہی اور ڈیڑھ ہزار گھسواروں کا افسر بنا دیا۔ حیدر علی کے حسن انتظام اور بہادری کے چرچے تمام ریاست میں پھیل گئے۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے لکھا ہے کہ

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت میسور میں حیدر علی سے بڑھ کر منتظم اور جری کوئی نہ تھا۔"

میسور کی فوجوں کے سپہ سالار ۱۷۵۷ء

۱۷۵۷ء میں راجہ میسور نے حیدر علی سے خوش ہو کر ان کو میسور کی فوجوں کا سپہ سالار بنا دیا اور ان کو "فتح حیدر بہادر" کے خطاب کے علاوہ مرہٹوں سے معاملات طے کرنے کے پورے اختیارات دیدیئے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مرہٹے ملک میں اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش میں تھے اور ۱۷۵۴ء میں بالاجی باجی راؤ پونا کے پیشوا نے مرہٹی فوجوں کو لے کر راجہ سے خراج وصول کرنے کے لئے چڑھائی کی۔ خزانہ چونکہ خالی تھا اس لئے راجہ میسور نے

ریاست کا بیشتر حصہ مرہٹوں کے پاس رہن رکھ دیا اور آخر کار ۱۷۵۸ء میں گوپال راؤ مرہٹہ نے راجہ سے ایک کروڑ روپے کا مطالبہ کیا۔ لیکن عدم ادائگی کی وجہ سے مرہٹی فوجوں نے ریاست میسور کے رہن شدہ علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ حیدر علی صلح اور معاملہ طے کرنے کی بجائے اپنی فوج لے کر گوپال راؤ کے مقابلہ میں نکلے اور مرہٹوں پر جن بیٹن کے مقام پر شب خون مارا مرہٹی فوج اپنا سارا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی اور گوپال راؤ بھی فرار پر مجبور ہو گیا۔ ادھر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے اقبال کا ستارہ ڈوب چکا تھا اور گوپال راؤ سرا میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ چنانچہ حیدر علی نے موقع پا کر ریاست میسور کے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کے قبضہ میں آچکے تھے اس فتح کے بعد حیدر علی سرنگاپٹم آ گئے۔

نندراج کی وزارت کا خاتمہ

اس اثنا میں نندراج کے خلاف راجہ کے محل میں سازش ہوتی معاملہ کچھ ایسا تھا کہ تبت اور نیپال کی طرح ریاست میسور کے راجہ وزیروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے راجہ نے نندراج کو وزارت سے علیحدہ کر کے آزادی حاصل کرنی چاہی اور یہ دیکھ کر کہ حیدر علی فوج پر حاوی ہو چکے ہیں رانی دیواجی منی نے حیدر علی کے پرائیویٹ سیکریٹری کھنڈے راؤ کے ذریعہ کہلایا کہ راج محل کی وزارت سے خلاصی دلانے کا انتظام کریں حیدر علی نے اپنے محسن وزیر کی مدد سے نہایت خلوص سے کہا کہ آپ وزارت سے علیحدہ ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نندراج وزارت سے علیحدہ ہو گیا اس طرح حیدر علی نے رانی اور وزیر دونوں سے خراج تحسین وصول کر لیا اور پوری ریاست کو اس تدبیر سے تباہی کے گڑھے سے نکال کر حسن کارکردگی اور وفاداری کا ثبوت دیا

کھنڈے راؤ کی وزارت

جب راجہ محل میں کوئی وزیر نہ رہا تو رانی نے حیدر علی سے اس کے سیکریٹری کھنڈے راؤ کو وزیر بنانے کی خواہش ظاہر کی اور حیدر علی نے اس بات کو منظور کر لیا۔

حیدر علی کے خلاف سازش

۱۷۵۹ء میں فرانسیسیوں نے حیدر علی سے مدد طلب کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ والاجاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈی چری پر حملہ کر دیا تھا اور فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے اس لئے حیدری فوجیں جب پانڈی چری پہنچی ہوئی تھیں تو میدان خالی پا کر راجہ رانی

اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو بھی نند راؤ کی طرح نکالنے کا منصوبہ سوچا اور اس مقصد کے لئے پونا کے مرہٹی دربار کو مدد کے لئے خفیہ چٹھی لکھی۔ اس خط کے پہنچتے ہی مادھو راؤ نے جو پونا کا حاکم تھا ایساجی پنڈت بینی کو میسور بھیجا اور یہ طے ہوا کہ سرنگاپٹم کو محاصرہ کرکے حیدر علی کو گرفتار کرلیا جائے وہ بے خبر تھے انہیں اس وقت اطلاع ملی جب ایساجی کی فوج سرنگاپٹم کے قریب پہنچ رہی تھی۔ ایسے نازک وقت میں حیدر علی پر جو گذری تم کم ہے۔ شام کا وقت ہوچکا تھا بیوی بچے بھی سرنگاپٹم میں تھے چاروں طرف سے راستہ بھی بند کر دیئے گئے تھے۔ جب رات نے دنیا کو اپنی تاریکی میں لے لیا۔ یہ لوگ اپنے محل سے نکلے اور عام راستوں سے ہٹ کر دریائے کاویری پر پہنچے رات اندھیری تھی اور دریا طغیانی پر تھا لیکن اس بہادر انسان نے دریا میں چھلانگ ماری اور تیر کر اس پار نکل گیا اور سیدھا بنگلور پہنچا وہاں اس کی وفادار فوج موجود تھی۔ راجہ کھنڈے راؤ نیز ایساجی نے یہ مشورہ کیا کہ بنگلور پہنچ کر حیدر علی کا محاصرہ کیا جائے لیکن وہ بھی غافل نہ تھے جب مرہٹی فوج وہاں پہنچی تو محل سے نکل کر حیدر علی نے وہ حملہ کیا کہ مرہٹی فوج کے چھکے چھڑا دئے اس جنگ پر زندگی اور موت کا فیصلہ تھا۔ دونوں جانب گھمسان کی لڑائی ہوئی آخر مرہٹی فوج ہزارہا زخمیوں اور مقتولین کو چھوڑ کر فرار ہو گئی۔

سرنگاپٹم پر چڑھائی ۱۷۶۱ء

حیدر علی کے اہل وعیال سرنگاپٹم میں تھے اس لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے مستقبل کو بچانے کے لئے سرنگاپٹم پر حملہ کرے بنگلور کی فوج ہمراہ لے کر نیز باندی چری کی فوج واپس بلا کر سرنگاپٹم روانہ ہوا اور شہر کا محاصرہ کر کے فوج کو محل پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا اور راجہ سے مطالبہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کو ان کے حوالہ کرے۔ راجہ اور رانی نے بہت کچھ عذر کئے۔ ان کی منت سماجت پر حیدر علی نے کھنڈے راؤ کو قتل نہ کرنے کا وعدہ کیا تب راجہ اور رانی نے اس کو حیدر علی کے سپرد کر دیا۔ حیدر علی نے اس کو لوہے کے ایک بڑے پنجرے میں بند رکھا اور ہمیشہ دودھ چاول کھلا کر پالتے رہے اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم نے ایک طوطا پال رکھا ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں — لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اس کے بعد حیدر علی نے وہ کیا جو ایک ... کو کرنا چاہئے کھنڈے راؤ کو قید کرنے کے بعد حیدر علی نے راجہ کے پاس چند تحفے بھیجے اور حاضر ہونے کی اجازت چاہی اجازت کے بعد

چند سرداروں کو لے کر محل میں گئے اور دروازوں پر پہرہ مقرر کیا اور راجہ سے کہا کہ وہ ریاست کا انتظام حیدر علی کے حوالہ کر دے حیدر علی نے محل پر قبضہ کر لیا اور ریاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔ اس طرح حیدر علی سلطنت خداداد میسور کے تاجدار بنے۔

گویا ۱۷۲۲ء میں ایک غریب الدیار باپ کے یہاں پیدا ہونے والا غریب الوطن بیٹا ۱۷۶۱ء میں انتالیس سال کی عمر میں سلطان اور سلطنت خداداد میسور کا تاجدار بنا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ریاست میسور کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لینا تھا کہ متعصب انگریزوں اور ہندوؤں نے سلطان پر غداری کے الزامات کی بوچھار کر دی حالانکہ سلطان حیدر علی بے قصور ہیں بے قصور ہی نہیں بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا انصاف کے دربار میں تحسین کے قابل ہے جس کا تجزیہ یہ ہے

۱۔ سلطان حیدر علی نے ملازم ہوتے ہی نہایت جفاکشی اور خلوص سے خدمات سرانجام دیں۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ان خدمات سے خوش ہو کر نند راج وزیر نے سلطان کو ڈنڈیگل کا گورنر اور عہدہ میں ترقی دے کر چار ہزار سپاہیوں اور ڈیڑھ ہزار سواروں کا افسر بنا دیا تھا۔

۲۔ جب صلابت جنگ کی فوجوں نے ریاست میسور کے خزانہ کو لوٹ کر خالی کر دیا تھا اس وقت تک ریاست کی حالت ابتر ہو چکی تھی حیدر علی ہی تھے جنہوں نے مستی منگل کے اطراف و جوانب سے ایک کروڑ سے زیادہ روپیہ حاصل کیا اور نند راج وزیر کی معرفت راجہ میسور کو دیا جس سے خوش ہو کر ۱۷۵۵ء میں راجہ نے حیدر علی کو میسور کا سپہ سالار بنا دیا تھا اور "فتح حیدر آباد" کے خطاب کے علاوہ مرہٹوں سے عہدہ برآ ہونے کے پورے اختیارات دے دیئے تھے۔

۳۔ خزانہ خالی ہو جانے اور مرہٹوں کی ریاست کے مکفولہ علاقہ پر قبضہ کر لینے کے بعد صرف حیدر علی ہی تھے جنہوں نے چن پٹن کے مقام پر مرہٹوں سے سخت مقابلہ کر کے ریاست کے علاقوں کو دوبارہ حاصل کیا۔

۴۔ اپنے راجہ کی خاطر حسن تدبیر اور خوش اسلوبی سے نند راج وزیر کو وزارت سے مستعفی ہونے پر آمادہ کر لیا اور اس طرح ریاست کو تباہی سے بچایا اور اپنی پوری وفاداری کا ثبوت دیا۔

ان حقائق کے پیش نظر کیا سلطان حیدر علی کو دنیا کا کوئی بھی منصف مزاج انسان بے وفا اور ریاست کا غدار کہہ سکتا ہے حیدر علی کے خلاف سازش خود راجہ، رانی اور کھنڈے راؤ نے کی۔ جس کی وزارت محض حیدر علی کی مہربانی سے معرض ظہور میں آئی تھی۔ اور اگر حیدر علی چاہتے تو نندراج کی وزارت کی علیحدگی کے مسئلہ کو ہی نہ اٹھنے دیتے۔ اور اگر کھنڈے راؤ کو جو وزارت سے پہلے ان کا پرائیویٹ سیکریٹری تھا وزیر بنانا چاہتے تو ریاست کی کوئی طاقت کھنڈے راؤ کو وزیر نہ بنا سکتی۔ دراصل اس کی وزارت کی تہہ میں تاریخ کے جاسوس نے رانی دیوی اور کھنڈے راؤ کے اندرونی تعلقات کا پتہ دیا ہے یہی وجہ نندراج کی وزارت سے علیحدگی کا باعث ہوئی

بہرحال کھنڈے راؤ کی سازش کے سبب جب حیدر علی کے سر سے پانی اتر گیا تو انہوں نے یہ منصفانہ اور بہادرانہ کام کیا۔ میرے نزدیک اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے خلاف بزدلی اور بےغیرتی کے الزامات غلط نہ ہوتے۔

۱۔ راجہ اور رانی نے اپنے جاں نثار، فداکار اور وفادار سپہ سالار کو اس کی خدمت کا صلہ دینے کے بجائے بغیر کسی غداری کے اس کی جان لینے کا ارادہ کیا۔

۲۔ کھنڈے راؤ وزیر جوان کی اجازت سے وزیر بنایا گیا اس نے حیدر علی کے ساتھ سخت غداری کی اور بے وفائی کا ثبوت دیا جو شرافت کی دنیا میں انتہائی گناہ تھا۔

۳۔ ایسے وفادار اور بہادر قابل فخر سپہ سالار کے خلاف راجہ نے محض اس لئے کہ وہ مسلمان ہے پونا کے مرہٹی دربار کو حیدر علی کے خلاف خط لکھا کہ اگر وہ آپ کی مدد سے علیحدہ نہ کئے گئے تو مسلمانوں کا ریاست پر قبضہ ہو جائے گا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کا تاریخ سے انکار بن نہیں پڑتا۔ اس لئے ہماری رائے میں غیر منصف مورخین کے اعتراضات حیدر علی کے خلاف نہیں جاتے بلکہ راجہ اور اس کے وزیر کے خلاف پیدا ہوتے ہیں۔ حیدر علی کے خلاف اعتراضات اٹھانا اس وقت درست ہو سکتے تھے جبکہ کھنڈے راؤ، رانی اور راجہ تینوں مل کر یہ سازش نہ کرتے کہ

۱۔ حیدر علی کے محل کا محاصرہ کر کے اس کو گرفتار کر لیا جائے

۲۔ اس کے نکلنے کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں

۳۔ اور جب وہ دریائے کاویری کو پار کر کے بنگلور پہنچ جاتا ہے تو وہاں پر فوج کشی کے

لئے مرہٹوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

۴۔ مرہٹوں کی فوج نے بنگلور پر حملہ کشی کی لیکن حیدر علی شیر بن کر محل سے نکلا اور تابڑ توڑ حملوں سے مرہٹوں کے دانت کھٹے کر کے ان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔

اگر یہ حالت نہ ہوتی اور پھر حیدر علی ریاست کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لاتا تو پھر وہ مورد الزام قرار دیا جا سکتا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک غیور اور بہادر مسلمان سرنگا پٹم میں محصور اور غیر محفوظ اپنے اہل و عیال کو یونہی کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتا۔ اس کا اولین فرض تھا کہ وہ بنگلور سے اپنی وفادار فوج کو لیکر چلے اور سرنگا پٹم کا محاصرہ کرے اور کھنڈے راؤ، مہاراجہ میسور اور رانی تینوں کو صفایا کرے اور اپنا اقتدار قائم کرے لیکن اس نے نہ صرف راجہ رانی کو کچھ نہ کہا بلکہ ان کی سفارش پر کھنڈے راؤ جیسے دشمن جان کو بھی قتل کرنے سے اجتناب کیا۔ اس لئے حیدر علی کو غدار اور غاصب کہنا انصاف اور حق پرستی کے قطعاً خلاف ہے۔

دوسری طرف قدرت کے اس فیصلے کو بھی دیکھنا ہے کہ اس نے کس طرح ایک سپاہی کو سلطنت کے مقام تک پہنچایا۔ یہی تو حقیقت ہے اس کلام پاک کی جس میں فرمایا گیا ہے

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ۔

(ملک دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے)

یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ ایک سپاہی کا جو بادشاہت تک پہنچا اور پھر بادشاہت سے لیکر وفات تک جو کارنامے اس سے ظہور میں آئے اس کو ہم کسی دوسری فرصت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں کاش! کہ حیدر علی جنگ پلاسی میں انگریز کو معاف نہ کرتے۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ہندوستان کی بساط سلطنت الٹنے کے لئے قدرت حیدر علی کو اٹھا لے گی اور انگریز کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ڈور دیدی گی۔

امتیاز محمد خاں

ٹیپو سلطان کے ایام شہزادگی

ٹیپو مردِ مجاہد تھا۔ فن سپہ گری اس کو ورثہ میں ملا تھا اور آخر وقت تک اسی فن میں منہمک رہا حتیٰ کہ اس کو موت بھی سپاہیانہ نصیب ہوئی۔

تخت نشینی کے بعد بھی اس کا یہ شغف کم نہیں ہوا۔ فوج کے نظام میں متعدد تبدیلیاں کیں جس کا حال ہم تک کتاب "فتح المجاہدین" کے ذریعہ پہونچا ہے جو اس کے حکم سے تصنیف کی گئی۔ ٹیپو کے والد حیدر علی بھی مردِ مجاہد تھے لیکن ان میں اس فن کے ساتھ ساتھ فن حکمرانی بھی بدرجہ اتم تھا۔ مردم شناسی جو فن حکمرانی کے لئے شرط اول ہے حیدر علی میں بلا کی تھی۔ ذرا سی دیر میں انسان کو پہچان لیتے تھے اور جو شخص جس کام کا اہل ہوتا تھا اس کو وہی عہدہ دیا جاتا تھا۔

برخلاف اس کے ٹیپو کی نظر میدان جنگ سے آگے نہیں جاتی تھی اور مردم شناسی سے بالکل محروم تھا۔ سپہ گری کے بعد جس چیز سے ٹیپو کو تعلق خاطر تھا وہ کتابی علم تھا۔ مصنف نشان حیدری لکھتا ہے : [1]

"اپنے باپ کے برعکس ان کو (ٹیپو کو) علم سے کامل واقفیت اور آگاہی تھی نہایت ہی اچھے انشا پرداز اور سخن شناس تھے۔"

---

[1] نشان حیدری ص ۴۲۰

سپاہی اور خصوصاً باعلم سپاہی میں جو کمزوریاں ہوتی ہیں وہ بھی ٹیپو میں پائی جاتی تھیں یعنی لحاظ و مروت جس کو ہم عصر مورخ "حق شناسی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ چنانچہ بقول مصنف "نشان حیدری"[1] ٹیپو میں حق شناسی کا مادہ بدرجہ اتم تھا اسی لحاظ و مروت کے ماتحت ٹیپو معزول شدہ افسران کو اپنے عہدوں پر بحال کر دیتا تھا۔

ٹیپو میں یہ کمزوریاں کس طرح پیدا ہوئیں ! اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ حیدر علی نے اپنے فرزند کو شروع ہی سے سپہ گری میں لگا کر حکمرانی کی تربیت سے محروم رکھا۔ جو سپاہیانہ تربیت ٹیپو کو حاصل ہوئی وہ کسی فوجی مدرسے کی دیواروں تک محدود نہ تھی بلکہ عین میدان کارزار میں ٹیپو نے اس فن کو سیکھا۔

پیدائش اور ابتدائی حالات

حیدر علی کی بیوی دائم المریض تھی۔ اس بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے بعد بوجہ علالت سلسلۂ تولید ختم ہو گیا۔ کچھ دن بعد حیدر علی نے اپنی اس بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کی۔ یہ دوسری بیوی ایک قلعدار کی بہن تھی لیکن اس خاتون سے بھی تین چار سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ حیدر علی نے ایک بزرگ مستان ولی ثانی کی خدمت میں رجوع کیا۔ از روئے اعتقاد ٹیپو کی پیدائش اسی بزرگ کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ چنانچہ جب یہ بچہ بروز ہفتہ ۱۰ر نومبر ۱۷۵۰ء پیدا ہوا تو اس کا نام انہیں بزرگ کے نام پر ٹیپو رکھا گیا۔ تاریخ اور مقام پیدائش میں مورخین کو اختلاف ہے۔ بعض ۱۷۵۱ء اور بعض ۱۷۵۲ء بتاتے ہیں۔ ٹیپو کے نام کے ساتھ فتح علی بھی لگایا گیا۔

---

[1] نشان حیدری ص ۱۲۹

درویش ٹیپو مستان نے بوقت دعا بشارت دی تھی کہ پیدا ہونے والا بچہ بادشاہ ہوگا اس لئے حیدر علی نے باوجود خود ناخواندہ ہونے کے اپنے اس بچے کے لئے تعلیم کا پورا پورا انتظام کیا۔ اس وقت باپ ریاست میسور کے ملازم تھے لیکن ٹیپو کی ولادت کے بعد حیدر علی کا ستارہ اقبال چمکنا شروع ہوا جب یہ بچہ پانچ سال کا ہوا تو باپ کو ڈنڈی گل کی گورنری ملی۔ دوسرے سال میسور کی فوج کی سپہ گری عطا ہوئی اور اب حیدر علی کی حیثیت اتنی ہوگئی کہ اس نے اپنے فرزند کے لئے علی حسین جیسے عالم اور شاعر کو اور نصیر الدین افسر ترک کو اتالیقی کے لئے مقرر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی تعلیم کا سلسلہ ۱۵ سال کی عمر تک جاری رہا۔

۱۷۵۷ء وہ سال ہے جب انگریزوں نے پلاسی کے معرکے کے بعد اپنی سلطنت کی بنیاد بنگال میں ڈالی۔ اسی سال حیدر علی نے مرہٹوں کے خلاف نمایاں کامیابی حاصل کرکے اور ریاست میسور کے راجہ کو گدی سے اتار کر اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اس وقت ٹیپو کی عمر چھ سال تھی۔

شاہزادہ ٹیپو میدان جنگ میں

تاریخ میں ٹیپو سلطان کا نام سب سے پہلے ۱۷۶۷ء میں آتا ہے۔ یہ وہ سال ہے جب حیدر علی نے اپنے فرزند کو رسالہ فوج کا افسر اعلیٰ مقرر کرکے اس کو مدراس پر چڑھائی کا حکم دیا یہاں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور بقول چارلس اسٹوارٹ "ٹیپو سلطان نے مدراس کے قرب وجوار میں بڑی تباہی پیدا کی"[1] مدراس کی اس مہم کی بدولت ٹیپو نے اپنے سپاہیوں کے دل مسخر کرلئے

---

[1] ٹیپو سلطان (محمود بنگلوری) ص ۲۱ - ۲۲

لیکن تاریخ "نشان حیدری" کے مطابق یہ ٹیپو کا پہلا معرکہ نہ تھا۔ اس کے مطابق ٹیپو نے سب سے پہلے قوم پالی گار کے خلاف تلوار اٹھائی تھی۔ حیدر علی خود اس معرکہ میں تھا اور ٹیپو میدان جنگ سے کچھ فاصلے پر ایک اور مہم پر تعینات تھا۔ جس وقت اس کو معلوم ہوا کہ پالیگاروں کے سرغنہ نے اپنی عورتوں اور ساتھیوں کو ایک گھنے جنگل میں چھپا رکھا ہے اسی وقت اس نے اس طرف یلغار کر دی اور محافظین کو شکست دے کر مال غنیمت مع عورتوں کے باپ کے سامنے پیش کر دیا اس معرکے کے وقت ٹیپو کی عمر اٹھارہ سال بتائی جاتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پالیگار کا معرکہ ۱۷۵۸ء کے لگ بھگ کا ہے اور اس حساب سے مدراس والی مندرجہ بالا مہم نو سال بعد پیش آئی۔

مرہٹوں کی چیرہ دستیاں

اس وقت جنوبی ہند میں مرہٹوں نے کافی شورش برپا کر رکھی تھی۔ نظام کے علاقوں کو تاراج کر کے اب انہوں نے میسور کی طرف رخ کر دیا تھا۔ ان حملوں کا مرہٹہ سرغنہ نرمک ماما نامی تھا۔ ان غارت گروں نے جو تباہی مچائی تھی اس کے متعلق مصنف نشان حیدری لکھتا ہے:

"جس خطہ زمین پر ان منحوس وحشیوں کا سایہ ذرا دیر کے لئے بھی پڑ جاتا تھا وہ سالہا سال کے لئے ویران ہو کر رہ جاتا تھا۔"

حیدر علی نے نرمک ماما کے ٹڈی دل لٹیروں کے خلاف مہم شروع کی۔ اس میں ٹیپو بھی شریک تھا۔ ایک موقع پر حیدر علی کی فوج منتشر ہو گئی اور اس کے مصاحب خاص یٰسین خان نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر خود کو نرمک ماما کے سامنے یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ میں حیدر علی ہوں اور وہ گرفتار ہو گیا۔ حالت نازک تھی اور اسی حالت میں ٹیپو لاپتہ ہو گیا۔ باپ کو یقین ہو گیا کہ اس کا فرزند یا تو

مارا گیا یا مرہٹوں کے ہاتھ پڑ گیا۔ چنانچہ حیدر علی نے قلعہ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور بڑی مایوسی سے ٹیپو کا انتظار کرنے لگا کہ یکایک یہ برخوردار مرہٹوں کے لباس میں معہ اپنی جماعت آتے ہوئے نظر آئے۔ حیدر علی نے اس خوشی میں بہت خیرات کی۔[1]

مرہٹوں نے بالآخر واپسی کی ٹھانی لیکن راستے میں حسب دستور غارتگری شروع کی۔ اس غارت گری کو روکنے کے لئے حیدر علی نے ٹیپو کو تعینات کیا اور وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ جب لشکر حیدری نے مرہٹوں کا تعاقب کیا تو وہ بھاگے۔ راستے میں ٹیپو نے ان پر حملہ کر دیا اور ان سے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا۔[2]

مرہٹوں کی پسپائی کے بعد حیدر علی خود ان کا تعاقب کرنا چاہتا تھا لیکن افسروں کے مشورے سے یہ کام ٹیپو کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ چھ سات ہزار فوج لیکر ٹیپو بارہ محل کے علاقے میں پہونچا۔ وہاں مرہٹہ سپاہی غارت گری کے بعد گھاس اور لکڑی وغیرہ کی فراہمی میں لگے ہوئے تھے ٹیپو نے اپنے سپاہیوں کو مرہٹہ لباس پہنا کر ان کے ساتھ لگا دیا اور وہ بھی لکڑی گھاس جمع کرنے لگے۔ جس وقت مرہٹوں نے تمام رسد گھوڑوں اونٹوں اور ہاتھیوں پر لادلی تو ٹیپو نے حملہ کر دیا۔ مرہٹے اپنے جانور چھوڑ کر بھاگ نکلے۔[3]

ٹیپو سیاسی مہم پر

انگریز اور غیر مسلمان مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت جنوبی ہند کا یہ حال تھا کہ اگر نظام اور حیدر علی متحد ہو جاتے تو صرف مرہٹہ ہی نہیں بلکہ

---

[1] نشان حیدری ص ۱۲۲ - ۱۲۳

[2] " " " ص ۱۲۸ - ۱۲۹

[3] " " " " ۱۲۸۔

انگریزوں کا بھی جنوبی ہند میں خاتمہ ہو جاتا لیکن انگریزوں کی سیاست اور نظام کی حماقت سے یہ اتحاد قایم نہ ہوسکا

حیدر علی اور بعد کو ٹیپو کی بھی یہی کوشش رہی کہ یہ رشتۂ اتحاد قائم ہو جائے۔ شروع میں نظام نے کچھ رجحان ظاہر کیا۔ نظام کی نظر میں حیدر علی محض ایک خودساختہ رئیس تھا اور نظام کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس احساس برتری کا ثبوت یہ ہے کہ جب نظام نے نواب ارکاٹ اور انگریزوں کے اتحاد کو روکنے کے لئے قدم اٹھایا اور نظام کی فوجیں اس ارادے سے آگے بڑھیں تو نظام خود ہمراہ تھے اور انہوں نے چن پٹن کے میدان میں خیمے لگائے۔ اس کے بعد بقول مصنف نشان حیدری نظام نے "نواب بہادر حیدر علی خان کو ملاقات کے لئے طلب کیا"[۱] اس طلب کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ نظام کی نظر میں حیدر علی کی کیا حیثیت تھی۔ حیدر علی خود تو نہیں گیا بلکہ ٹیپو کو اس ملاقات کے لئے بڑے تزک اور احتشام کے ساتھ معہ چند امرار کے بھیجا اور نذرانے کے لئے ہاتھی گھوڑے بھی بھیجے۔ نظام نے بڑے تپاک سے ٹیپو کا خیر مقدم کیا اور نصیب الدولہ کا خطاب بھی ٹیپو کو دیا۔

ٹیپو کی انگریزوں سے پہلی مڈبھیڑ

اس گفت وشنید سے نظام اور حیدر علی میں اتحاد قائم ہوا اور دونوں کی متحدہ فوجیں انگریزوں کے خلاف آگے بڑھیں۔ حیدر علی خود موجود تھا اور باپ بیٹے دونوں شریک جنگ ہوئے۔ لیکن نظام کی غیر منظم فوج کی بدولت چنگم گھاٹ اور ترنامل کے معرکوں میں انگریز کامیاب رہے۔ نظام معہ فوج کے پسپا

---

[۱] نشان حیدری ص ۱۴۸

بھیجے مگر ٹیپو باپ کے حکم سے اپنی فوج کے ساتھ ہی رہے۔

ٹیپو کا دوسرا مقابلہ انگریزوں سے انبو۔گڑھ کے معرکے میں ہوا۔ نظام کی فوج تو رم دبا کر بھاگ گئی لیکن ٹیپو نے انگریزوں کے چنداول دستے پر حملہ کر دیا کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اور چند انگریزی افسران بھی گرفتار ہوئے لیکن اسی رات کو انگریزوں نے نظام کے افسر اعلیٰ رکن الدولہ کو ملا کر شب خون مارا اور ٹیپو کی ساری محنت اکارت کر دی۔

اب یہاں سے نظام اور اس کے مشیروں کی غداری کی داستان شروع ہوتی ہے جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ پلٹ دیا۔ رکن الدولہ نے نظام کے پاس پہونچکر اس کو انگریزوں سے ملنے کی ترغیب دی اور ساتھ ہی نواب ارکاٹ سے جو انگریزوں کا ساتھی تھا اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ نظام نے فوراً

نواب ارکاٹ سے جو انگریزوں کا ساتھی تھا اتحاد قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ نظام نے فوراً

نواب ارکاٹ کے چند علاقے جو قانوناً نظام کے تھے انگریزوں کے سپرد کر دیئے اور بغیر حیدر علی کو بتائے نظام حیدر آباد واپس چلا گیا۔ لیکن حیدر علی نے ہمت نہ ہاری اور ارکاٹ کا محاصرہ کیا جس میں ٹیپو بھی شریک تھا۔

ٹیپو کی شادی

۱۷۷۴ء میں حیدر علی کو اپنی اولاد کی شادی کا خیال آیا اور ٹیپو کے لئے دلہن کی تلاش ہوئی۔ حیدر علی نے اپنے ایک مرحوم خادم امام صاحب بخشی نامی کی لڑکی کو پسند کیا۔ لیکن ٹیپو کی ماں اور اس کی تائی نے سخت مخالفت کی اور انہوں نے اپنے خاندان کی لڑکی یعنی لالہ میاں کی صاحبزادی کا انتخاب کیا اور ایسا اصرار کیا کہ حیدر علی نے تنگ آکر حکم دیدیا کہ ٹیپو کا عقد ان دونوں لڑکیوں سے بیک وقت کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ٹیپو دو دلہنوں کو بیاہ کر گھر لایا۔

شادی کے بعد ایک عرصے تک ٹیپو کا نام تاریخ میں، نہیں آتا آٹھ سال کے بعد یعنی ۱۷۸۰ء میں ٹیپو کا نام پھر نمودار ہوتا ہے۔ ان آٹھ سالوں میں ٹیپو نے کیا کیا اس کا حال معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ فوج کے نظم ونسق میں دن گذارے ہوں۔ ۱۷۸۰ء وہ سال ہے حیدر علی کی انگریزوں سے دوسری جنگ ہوئی بقول چارلس اسٹوارٹ حیدر علی نے ٹیپو کو اٹھارہ ہزار سوار چار ہزار پیادے اور بارہ توپیں دے کر شمالی سرکار کے علاقوں کی فتح کے لئے مامور کیا۔

انگریزوں سے دوسری مڈبھیڑ

اس مرتبہ حیدر علی نے ارکاٹ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دھوبی گھاٹ کی لڑائی میں کامیابی ہوئی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد ٹیپو کو ارنی اور ترپی کے قلعوں کی فتح پر مامور کیا۔ ارنی کے قلعدار نے بغیر لڑائی کے قلعہ کی کنجی ٹیپو کو پیش کر دی اسی طرح ترپی کے قلعہ دار نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ ان فتوحات کے بعد ٹیپو اپنے والد کے پاس واپس آئے۔

ارکاٹ کی مہم دراصل انگریزوں کے خلاف تھی۔ اس لئے اب انگریز بھی میدان میں آئے اور انگریزی فوج کرنل بیلی کے تحت مقابلے پر آئی۔ بیلی کی راستہ بندی کے لئے ٹیپو تعینات کئے گئے۔ اس کے پاس چار توپیں اور تھوڑی سی فوج تھی۔ ٹیپو نے کرنل بیلی کی فوج پر گولہ باری کر کے روک دیا۔ جب انگریزوں کو کرنل بیلی کی بے بسی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بڑی کمک بھیجی۔ حیدر علی کو اس کی خبر پہونچ گئی اس نے فوراً اپنے مشہور جنرل محمد علی کو تعینات کیا۔

اور خود بھی پہونچ گیا گھمسان کی لڑائی ہوئی اور انگریزوں کو شکست ہوئی کرنل بیلی ٹیپو کے ہاتھوں قید ہوا اور دو ہزار انگریز سپاہی بھی قید میں آئے۔ اس فتح کے بعد شہر ارکاٹ کا محاصرہ کیا گیا اور فتح کے بعد ٹیپو چنگل پیٹ اور ویلور

کے محاصرے پر تعینات کیا گیا۔

اس جنگ ارکاٹ کے سلسلہ میں ۱۷۸۲ء میں ٹیپو کا مقابلہ کرنل Braith

کی فوج سے دریائے کاسرن کے کنارے ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز مل کو

بنگال سے کمک پہونچ گئی تھی جو جنرل کوٹ Coote کی کمان میں تھی باوجود اس کمک کے کرنل

بریتھ ویٹ Braithwaite مع اپنی فوج کے ٹیپو کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ لیکن اب

انگریزوں کے پاس بحری راستہ سے بمبئی سے بھی فوج پہونچ گئی تھی اور اب محاذ جنگ

بہت وسیع ہو گیا تھا مالا بار میں بھی فوج اتر گئی ٹیپو کو اب اس مالا بار کے محاذ پر تعینات

کیا گیا۔ ٹیپو نے ساحل پر پہونچکر انگریزی فوج کو روکنا چاہا لیکن اسی دن بمبئی والی انگریزی

فوج بھی پہونچ گئی۔ دو انگریزی جنگی جہاز بھی آپہونچے لیکن اس کے باوجود ٹیپو نے حملہ کی تیاری

شروع کی۔ لیکن قبل اس کے کہ حملہ شروع ہو ٹیپو کو اپنے باپ کی وفات کی خبر پہونچی۔

تمام انتظامات درہم برہم ہو گئے اور ٹیپو کو فوراً سرنگا پٹم عنان حکومت سنبھالنے کے

لئے واپس جانا پڑا۔

ایام شہزادگی پر ایک نظر

اس مختصر روئداد شہزادگی سے دو باتیں نمایاں ہیں۔ اول یہ کہ ٹیپو

نے اوائل عمری ہی سے سپہ گری شروع کر دی تھی جہاں کہیں بھی تاریخ میں ان ایام

کا ذکر آتا ہے وہاں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کسی نہ کسی فوج کی کمان کر رہا

ہے۔

دوسری بات صریحاً یہ نظر آتی ہے کہ حیدر علی نے اپنے لخت جگر کو سپہ گری

میں تو ماہر بنا دیا لیکن رموز حکومت پر کوئی توجہ نہ دی۔ کہیں اس بات کا ذکر نہیں

کہ ٹیپو کو کسی غیر فوجی یا انتظامی معاملات پر تعینات کیا گیا ہو۔

اس میں شبہ نہیں کہ اپنی جوانمردی کی وجہ سے وہ سپاہیوں کی آنکھ کا تارہ بن گیا۔

لیکن فن سپہ گری سے مردم شناسی کا مادہ حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ٹیپو نے

گدی سنبھالنے کے بعد جو اصلاحات کیں وہ بیشتر اسی فن سپہ گری سے متعلق ہیں سپاہی سادہ لوح ہوتا ہے اور غیر فوجی معاملات خصوصاً سیاست میں اس کو درک حاصل نہیں ہوتا۔ زمانۂ الخطاط کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جہاں سب روبہ الخطاط ہوتے ہیں وہاں چند افراد بلا کے ذہین اور عیار بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ میر صادق انہیں چند عیار افراد میں سے تھا جس کو ٹیپو ایام شہزادگی سے لے کر آخر دم تک نہ پہچان سکا۔

باپ بیٹے میں فرق

حیدر علی جہاں شمشیر زنی میں ماہر تھا وہاں بلا کا مردم شناس بھی تھا۔ اس نے محمد علی جیسے بہادر اور جاں نثار کو پہچان کر اعلیٰ مراتب دیئے مگر ساتھ ہی حیدر علی ہر چیز کی حد بھی جانتا تھا۔ جب محمد علی کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا تو اسے معزول کیا تاکہ سلطنت میں وہ مطلق العنان نہ ہو جائے۔ اس کے بعد اس کو بحال کیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کے مقابلے میں کسی کا زور نہیں۔

حیدر علی کی حقیقت بینی کی صلاحیت کچھ تو خداداد تھی اور کچھ حالات نے پیدا کی اس نے سپاہی سے ترقی کی تھی۔ برخلاف اس کے ٹیپو کی پرورش تقریباً شہزادوں کی طرح ناز و نعم میں ہوئی۔ اس لئے اس میں وہ حقیقت بینی پیدا نہ ہونے پائی۔ جو نیچے سے بڑھنے والے آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل دنیا اور اس کی عیاری سے ٹیپو کبھی دوچار نہ ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس منصوبے سب ہوائی اور خیالی ہوتے تھے۔

احساس زیاں

اقبال نے اپنے ایک مشہور شعر میں کہا ہے!

ع

واسۓ ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہندوستان کے مسلمانوں میں دورِ انحطاط میں یہ احساسِ زیاں بالکل مفقود ہوچکا تھا ہم نے اس دورِ انحطاط کی پیداوار نثر و نظم اور تواریخ میں اس "احساسِ زیاں" کی کافی تلاش کی۔ لیکن اس زمانے کی کسی تصنیف میں یہ تصور مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ اس زمانہ کی اردو شاعری میں اظہار تاسف کافی نظر آتا ہے لیکن وہ اظہار ذاتی مصائب کا ہے۔ ہمارے شاعر میر دلی کی بربادی کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ؎

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
اس کو فلک نے لوٹ کے برباد کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

لیکن یہ رونا محض ذاتی مصائب اور انحطاط کا ہے قوم اور ملت کا نہیں مسدس حالی جیسی تصنیف ابھی ہند کی مسلمانوں کے ذہنوں سے کافی دور تھی۔ اس زمانہ کی سیاست بھی اسی ذاتی منفعت پر مبنی تھی۔ نظام حیدرآباد نے ایک موقع پر حیدر علی سے انگریزوں کے خلاف اتحاد کی گفت و شنید کی۔ لیکن اس تحریک میں دراصل مرہٹوں کا ہاتھ تھا۔ نظام نے حیدر علی کو پیغام بھیجا کہ[1]

"خونخوار انگریز ہمارے ملک پر مسلط ہونے جا رہے ہیں انہوں نے بنگالہ پر پوری طرح قبضہ جما لیا ہے اور دکن میں کرناٹک کے علاقہ کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے۔

اب اس بات کا اندیشہ ہے کہ انگریزوں کے قدم اگر جم گئے تو اس ملک میں نت نئے فتنے پیدا ہوتے رہیں گے۔"

اسی ضمن میں نظام کہتے ہیں۔

"ہم سب پر لازم بلکہ فرض ہے کہ اس نو وارد قوم کو یہاں سے نکال کر کسی مداخلت کے بغیر فرائض حکمرانی انجام دیتے رہیں اور جب بھی کسی پر کوئی آفت آئے تو ایک دوسرے

کی اعانت سے اس کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اس قرار داد کے مطابق ہم دونوں (یعنی نظام اور مرہٹے) انگریزوں کے فتنہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کمربستہ ہو گئے ہیں۔[1]

حیدر علی کی حقیقت بیں نظر نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ مرہٹوں کی چال ہے۔ چنانچہ اس نے جواب میں نظام کو کہلا بھیجا[2]

"تمہاری یہ دوستی اور مصالحت کی باتیں صرف زبانی جمع خرچ ہیں۔ صدق دلی کا نتیجہ نہیں۔ خدا اس شخص کو پناہ میں رکھے جو ان آبلہ فریب باتوں پر تکیہ کر کے ملک گیری کی ہوس میں پڑ جائے اور انجام پر نظر نہ رکھے۔"

"وہ قوم انگریز جن سے اب تم نفرت کرنے لگے ہو اور اس کے استیصال کا عزم کر رہے ہو اپنے اندر کامل اتحاد اور اتفاق رکھتی ہے اور ایک دل اور ایک زبان ہے۔"

احساس زیاں کا حامل ٹیپو

ہندی مسلمانوں کے اس پر آشوب دور میں جب احساس ملی بالکل مفقود ہو چکا تھا۔ ہمیں صرف ٹیپو ہی نظر آتا ہے جس میں یہ احساس زیاں نمایاں طور پر ظاہر ہے۔ "نشان حیدری" (اردو ترجمہ) میں ٹیپو کے مراسلات کے دو اقتباس ملتے ہیں۔

۱۔ نظام حیدر آباد کو ٹیپو لکھتا ہے۔[3]

[1] نشان حیدری ص ۲۲۵ - ۲۲۲
[2] ؍؍ ؍؍ ص ۲۱

"میں (یعنی ٹیپو) مسلمانوں کو تقویت دینا اور اپنا جان و مال خدا
کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں ایسی حالت میں
تمام مسلمانوں کو میرا ساتھ دینا چاہیئے نہ یہ کہ وہ میرے خلاف بت
پرستوں کا ساتھ دیں"۔

۲۔ ٹیپو نے ۲ر اگست ۱۷۸۶ء کو محمد بیگ خاں ہمدانی کے نام خط میں لکھا ہے۔

"ہمارے دین پاک کی مدد کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان متحد
ہو جائیں اور کافروں کی سرکوبی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھیں
تاکہ دین محمدی روز بروز ترقی کرے"۔

اسی خط میں یہ جملے بھی ہیں:

"مسلمانوں پر جو برا وقت آیا ہے اس کا بڑا سبب سلطنت
ہندوستان (دہلی) کی کمزوری ہے اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائیں
تو ان کی شان و شوکت پھر آسکتی ہے اور اس وقت ان کافروں
کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ لہٰذا امیرانِ اسلام کو ایسی کارروائی
نہ کرنی چاہیئے کہ روز فردا پیغمبر صلی اللہ وآلہ وسلم کے سامنے
شرمسار ہونا پڑے"۔

ان مراسلات کے علاوہ ٹیپو سلطان کی وہ مساعی بھی قابل ذکر جو اس نے عالمگیر
اتحاد اسلامی کے لئے کیں اور اس سلسلہ میں افغانستان، ایران اور ترکی کے سلطان کے
نام نامہ و پیام بھیجے۔ لیکن چونکہ یہ امور ٹیپو کی تخت نشینی کے بعد کے ہیں اس لئے ہم
ان کو چھوڑتے ہیں کیونکہ اس مضمون کا موضوع ٹیپو کے عہد شہزادگی تک محدود ہے۔

انصار زاہد

ٹیپو اور ایسٹ انڈیا کمپنی

سلطنتِ مغلیہ کے بکھرتے ہوئے شیرازہ کے ساتھ ساتھ برصغیر ہند و پاک میں مختلف مقامی صوبائی حکمرانوں کا ظہور ہوا جن میں سب سے نمایاں حیثیت حیدر علی نے حاصل کی۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے دور میں سلطنت میسور ایک منظم، خوشحال، مستحکم اور ترقی یافتہ حکومت تھی اس کی ابھرتی ہوئی طاقت سے گرد و نواح کے والیانِ ریاست و غیر ملکی سامراجی ایجنٹ سب ہی پریشان تھے۔ جب ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کے انتقال پر ٹیپو سلطان میسور کا حاکم ہوا اس وقت تک برصغیر کا سیاسی مستقبل واضح و متعین نہیں ہوا تھا۔ مغل حکومت کے احیاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پانی پت کی تیسری جنگ نے مرہٹہ اقتدار کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔ پھر بھی مرہٹے اس دور کی سب سے نمایاں فوجی طاقت تھے اور حصولِ زر کے لئے وقتاً فوقتاً ہونے والی مرہٹہ مہموں نے عوام و خواص کے ذہنوں کو اتنا متاثر کیا تھا کہ وہ اس مرہٹہ گردی کے سامنے انگریز کمپنی کی ابھرتی ہوئی طاقت پر کبھی غور نہیں کر سکے۔ حالانکہ کمپنی مذکور کے اربابِ اقتدار عہدِ عالمگیر سے ہی ملک گیری کے خواب دیکھ رہے تھے۔[1]

[1] سر جوشا چائلڈ کی بغاوت ۱۶۸۶ء

برصغیر میں سیاسی اقتدار کے لئے مقامی والیان ریاست میں ایک زبردست جدوجہد جاری تھی۔ اس جدوجہد میں ان حکمرانوں نے اپنے ذرائع کو بھی استعمال کیا اور بیرونی امداد بھی حاصل کی۔ اس طرح یورپی تجارتی کمپنیوں کو ملک کی سیاست میں مداخلت کرنے کا موقعہ مل گیا۔ دکن میں یہ کشمکش میسور، نظام، مرہٹہ، انگریز اور فرانسیسیوں میں ہو رہی تھی۔ کرناٹک کی جنگوں سے فرانسیسیوں کی ملک گیری کا جذبہ سرد ہو گیا تاہم وہ انگریزوں کے لئے بہت عرصہ تک دردِ سر بنے رہے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ مقامی حکمران فرانسیسی سربراہی میں انگریزوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کریں اور انہیں دکن سے نکال باہر کریں[1]۔ انگریز کمپنی کی کوشش تھی کہ مقامی حکمران آپس میں لڑکر اتنے کمزور ہو جائیں کہ کمپنی کی تجارت و حیثیت کو کوئی خطرہ نہیں رہے[2]، یہ ریاستیں اس طرح یا تو ختم ہو جائیں یا کمپنی بہادر کی سرپرستی میں آجائیں۔ یہ صحیح ہے کہ کمپنی یا برطانوی حکومت کے پاس اس سلسلہ میں کوئی واضح و مرتب تجویز نہیں تھی لیکن ان کی خواہش اور ان کی پالیسیوں کا عام رجحان یہی تھا۔

دکن کی ان چاروں طاقتوں میں (میسور، نظام، مرہٹہ و انگریز کمپنی) جب میسور کی ترقی سے یہ خدشہ ہونے لگا کہ اگر اسے نہیں روکا گیا تو دکن میں ایک زبردست فوجی طاقت قائم ہو جائیگی تو باقی تینوں فریق اس کے خلاف ہو گئے۔ مرہٹہ ابھی تک اپنے کو برصغیر کی سب سے بڑی طاقت سمجھتے تھے میسور کی آزاد پسند پالیسی انہیں گوارا نہیں تھی۔ نظام کو اپنی سلطنت و مقبوضات کے تحفظ کا زبردست خوف تھا۔ انگریز یہ سمجھتے تھے کہ جب تک دکن پر ان کا مکمل اقتدار قائم نہیں ہوگا اور فرانسیسی اثر ختم نہیں ہوگا وہ شمالی ہند میں مرہٹوں و دیگر والیان ریاست سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ دکن میں حیدر علی اور اس کے بعد ٹیپو سلطان ان کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنے ہوئے تھے کیوں کہ

---

[1] اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ج ۱ اول ۔ ص ۵۰۴

[2] ٹیپو سلطان، محب الحسن ص ۱۴۶، نوٹ ۱۸

جنگہائے کرناٹک کے نتیجہ میں دربارِ نظام وارکاٹ میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ مرہٹہ سرداروں میں اتنا نفاق پیدا ہوچکا تھا کہ اب ان سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ مرہٹہ سلطنت کو زبردست طاقت بنادیں گے بلکہ امید یہی تھی کہ ان کا یہ باہمی نفاق انہیں مزید کمزور بنادے گا۔ لہٰذا انہیں اصلی خطرہ حیدر علی سے تھا جو بیجا نہیں تھا کیوں کہ حیدر علی واحد ہندوستانی حکمران تھا جس نے انہیں صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ان کی یہ موہوم امیدیں کہ حیدر علی کے انتقال پر میسور میں خانہ جنگی شروع ہوجائے گی اس لئے حیدر علی کی موت سے پیدا ہونے والی پریشانیوں سے حتی الامکان فائدہ اٹھایا جا سکے گا، پوری نہیں ہوئیں [1]

تاریخ عالم کے دورِ جدید میں یورپی سیاست بین الاقوامی سیاست بن گئی تھی لہٰذا برصغیر ہند کی سیاست پر عموماً اور دکن کی سیاست پر خصوصاً اس کا زبردست اثر رہا ہے۔ تجارتی وسامراجی رقابتیں ہر جگہ اپنا رنگ دکھارہی تھیں، کچھ عرصہ قبل انگریز شمالی امریکہ کی نو آبادیات کو ہاتھ سے کھو چکے تھے جن کے کھونے میں فرانس کا زبردست ہاتھ تھا۔ ٹیپو سلطان کی تخت نشینی تک انقلابِ فرانس اور نپولین کے عروج نے توازنِ طاقت انگریزوں کے خلاف کر دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ زارِ روس بھی اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی فکر میں تھا اور چاہتا تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ پر قابض ہوجائے اسطرح بحرِ روم تک اس کی دسترس ہوجائے۔ نپولین نے یہ سمجھ لیا تھا کہ انگلینڈ کی طاقت اس کی بحری فوج اور نو آبادیات پر منحصر ہے۔ چونکہ انگریزی بحری طاقت کو ختم کرنا مشکل نظر آرہا تھا اس نے انگلینڈ کی خوشحالی اور اقتدار کی جڑ کاٹنے کے لئے براہِ مصر وعراق برصغیر ہند وپاک پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ مصر میں اس کی زبردست کامیابی نے برصغیر کے انگریز اربابِ اقتدار کو بدحواس کر دیا اور انہوں نے

---

[1] محب الحسن ص ۲۹ پالیٹیکل پروسیڈنگس، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، جون ۱۳، ۱۷۸۲ء

پیش بندی کے طور پر نپولین کے برصغیر پہنچنے سے پہلے اپنی طاقت کو مضبوط ترین بنانے کی کوشش شروع کر دیں اور اپنے مخالف والیان ریاست کو ختم کر دینے کی فکر کرنے لگے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر ایسا نہیں کیا تو وہ فرانسیسی افسران و افواج جو برصغیر میں مختلف مقامی حکمران کی افواج میں ملازم تھے انہیں پریشان کر دیں گے اور اس وقت وہ بیرونی حملہ کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ والیٔ کابل زمان شاہ کے ارادے بھی شمالی ہند کے لئے خطرناک ہو رہے تھے۔ ایسی صورت حال میں انگریز افسران کے دماغ میں ایک زبردست انتشار ہراس اور خوف پیدا ہو گیا تھا اور اس لئے وہ ہر اس حکمران سے انتہائی نفرت کرتے تھے جو ان کے اقتدار و سیاسی مستقبل کے لئے خطرناک ثابت ہو رہا ہو، ان کی یہ نفرت ٹیپو سلطان کے بارے میں انتہائی شدید تھی۔[۱]

ٹیپو سلطان کے سلسلہ میں انگریز کمپنی کی پالیسی یکساں و جامد نہیں رہی، ابتدا میں کوشش یہ تھی کہ ٹیپو کی طاقت کو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ وہ کمپنی کے لئے خطرناک نہیں رہے۔ بعد میں یہی پالیسی اس کے مکمل استیصال میں متبدل ہو گئی۔[۲] وہ یہ سمجھتے تھے کہ ٹیپو کسی بھی طرح ان کا ماتحت رہنا قبول نہیں کرے گا اور جب تک وہ آزاد و مستحکم رہے گا فرانسیسی اس کی امداد کرتے رہیں گے۔ لہٰذا برصغیر سے اور دکن سے فرانسیسی اثر و رسوخ کو ختم کرنے کے لئے ٹیپو کو ختم کرنا لازمی تھا تاکہ دیگر والیان ریاست کو نصیحت بھی ہو جائے۔ فرانسیسی اثر کا سب سے بڑا مرکز بھی ختم کرنے کے لئے ٹیپو کو ختم کرنا لازمی تھا کیونکہ ایک مقامی حکمران کا اس طرح برابری سے مقابلہ کرنے سے کمپنی کی وقعت و ہیبت پر زبردست اثر پڑ رہا تھا اور یہ ضروری تھا کہ کمپنی کا یہ دبدبہ ہمیشہ کے لئے قائم کر دیا جائے۔ دوسری جنگ میسور کے صلحنامہ سے انگریز ابھی لئے خوش نہیں تھے۔ دوسری جنگ میسور سے انہیں یہ بھی

---

[۱] محب الحسن، ص ۸۰۔ اس کے علاوہ انگریز اس سے ہراساں بھی تھے۔ گلیگ، برٹش ایمپائر ان انڈیا جلد سوم ص ۱۵۴

[۲] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد پنجم ص ۳۳۹

اندازہ ہو گیا تھا کہ مقامی طاقتوں کا وفاق میسور کی سربراہی میں ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگا لہٰذا آئندہ ان کی پالیسی کا یہ جز لاینفک رہا کہ میسور کو دیگر مقامی ریاستوں سے کسی بھی قیمت پر اتحاد نہ قائم کرنے دیا جائے۔ میسور کی طاقت کو اس لئے بھی ختم کرنا تھا کہ شمالی ہند میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے مرہٹوں کو زیر کرنا ضروری تھا اور یہ جب ہی ممکن تھا جبکہ مرہٹہ طاقت کے قلب پر جنوب سے دباؤ پڑے۔ مرہٹوں کے دفاع کے لئے آزاد میسور کا قائم رہنا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ انگریز فوج و افسران میں ایک گروہ ایسا تھا جو میسور کے ہاتھوں ہارنے سے بڑا مشتعل تھا۔ یہ گروہ جذبۂ انتقام سے اندھا ہو رہا تھا اور چاہتا تھا کہ پھر جنگ چھڑے اور میسور سے اس اہانت کا بدلہ لیا جائے اور ساتھ ساتھ لوٹ اور مال غنیمت سے حریص قلوب کو تسکین حاصل ہو۔ چونکہ وہ جنگ کے لئے تیار تھے لہٰذا ہر اس افواہ اور خبر پر یقین کرنے کو تیار تھے جو ٹیپو کو مورد الزام ٹھیرائے اور انہیں جنگ شروع کرنے کا جواز حاصل ہو جائے۔ ان کی اس شدید نفرت میں ٹیپو سلطان کی بدقسمتی کو صرف یہ دخل تھا کہ اٹھارویں صدی میں وہ صرف واحد ہندوستانی حکمران تھا جس نے برصغیر کی آزادی کا سب سے بڑا دشمن کمپنی کی طاقت کو سمجھا۔ اس خطرہ کو دور کرنے اور روکنے کے لئے حتی الامکان کوشش کی، اپنی پوری زندگی اس مسلسل کوشش میں گذار دی، یہی جذبہ اس کی زندگی کا نصب العین بن گیا اور اس نے انجام سے بے خوف مکمل ناکامی سے متاثر ہوئے بغیر اپنے فرض کو پورا کرنے میں زندگی قربان کر دی۔[2]

اس عظیم جد و جہد کو سمجھنے کے لئے تفصیلات کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ الزامات جو تعصب و بے جا خود ستائی نے لگائے ہیں دور ہو جائیں اور حق و سچائی عیاں ہو جائے۔

---

[1] اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، جلد اول، ص ۴۴۳ - کرمانی، ص ۴۰۴، صلحنامہ سرنگاپٹم پر جنرل میڈس اتنا ناراض ہوا کہ اس نے خودکشی کرنی چاہی۔

[2] ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ج اول ص ۴۲۷

میسور و انگریز کمپنی کی یہ کشمکش حیدر علی کے عہد سے جاری تھی اور ٹیپو سلطان کی شہادت تک قائم رہی[۱]۔ دوسری جنگ میسور ٹیپو کو میراث پدری میں ملی اور اس نے تن تنہا اس کو نبا ہنے کی پوری کوشش کی حالانکہ سب حلیف ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ آخر ش انگریز کمپنی کو صلح کے لئے گفت و شنید کرنی پڑی۔ لیکن جنگ بندی کے معاہدے کے باوجود انگریز افسر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ جنرل فلارٹن (Fullarton) نے حکومت مدراس کی سازش سے پالاگھاٹ اور کوئمبٹور پر قبضہ کر لیا۔ گورنر مدراس میکارٹنی Macartney نے ٹیپو کی شکایات پر فلرٹن کو تہدیدی خطوط لکھے لیکن ساتھ ساتھ اسے یہی خفیہ ہدایات بھیجتا رہا کہ اپنی کارروائیوں کو جاری رکھے۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہم جتنے زیادہ علاقے پر قابض ہو جائیں گے اتنا ہی دباؤ صلح کے وقت ٹیپو پر ڈال سکینگے لیکن یہ اندازہ غلط ثابت ہوا اور آثار ایسے پیدا ہو گئے کہ شاید جنگ دوبارہ شروع ہو جائے مجبوراً انگریزی افواج کو یہ نئے علاقے خالی کرنے پڑے مگر چلتے چلتے انہیں تباہ و برباد کر دیا[۲]۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے ٹیپو کی مراعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منگلور کے محصور دستہ کو معاہدے کی شرائط سے زیادہ رسد مہیا کرنی چاہیئے تاکہ قلعہ کی دفاعی

---

[۱] کرمانی، نشان حیدری، ترجمہ محمود احمد فاروقی، لاہور ۱۵۹، ۱۶۰ ۔ محمد علی امیدوار نوابی کرناٹک نے انگریزوں اور میسور کی مدد سے چندا صاحب و فرانسیسیوں کو شکست دیکر تخت حاصل کیا بعد ازاں سے میسور سے کئے ہوئے وعدے پورے نہیں کئے۔ بلکہ انگریزوں کی ہمت افزائی پر نظام سے بھی سرکشی شروع کر دی۔ نظام نے میسور کی مدد سے ارکاٹ پر چڑھائی کرنی چاہی۔ محمد علی میسور کی جنگی تیاریوں سے اندیشناک ہوا کہ شاید حیدر علی وعدہ خلافی کا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے انگریزوں و نظام سے گٹھ جوڑ کیا اور ہمیشہ میسور کی تباہی کے لئے کوشاں رہا لیکن نظام نے حیدر علی سے معاملہ کیا اور اس طرح انگریزوں سے جنگ مول لی۔ م ۱۸۱ صلح کے بعد اس نے چندا صاحب وغیرہ کے خاندان کے افراد کو اپنے پاس بلاکر رکھا۔ ۲۰۲ حیدرآباد رہٹوں نے حیدرآباد کو انگریزوں سے الجھانے کے لئے ایک اتحاد قائم کرنا چاہا۔ قول و قرار کے بعد حیدر علی نے محمد علی والیٔ میسور کے سابقہ عہدنامہ کے مطابق ترچناپلی کا مطالبہ کیا۔ اس طرح میسور و انگریزوں میں جھگڑا ہو گیا۔

حیثیت مضبوط ہو جائے۔ جب میسوریوں نے اعتراض کیا تو جنرل میکلوڈ نے طاقت کے مظاہر سے کام لینا چاہا۔ ان دونوں واقعات سے ٹیپو کا رویہ سخت ہو گیا لیکن فرانسیسی ایجنٹ پلوبرٹن ڈی مولار صلح کے لئے بیحد کوشاں تھا اور اسی کی کوششوں سے یہ ناگوار تنفیات بھی طے ہو گئیں۔[۱] اس پر بھی انگریزی جنگ پرست فرقہ اپنی معاندانہ حرکتوں سے باز نہیں آیا اور اب انہوں نے کنانور کی بی بی پر حملہ کر دیا کیوں کہ اس نے کالی مرچ کی تجارت پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن بمبئی سرکار نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کنانور ٹیپو کا حلیف ہے لہٰذا اس کارروائی سے صلح کی بات چیت پر اثر ہو گا اسے فسخ کر دیا۔ مندرجہ بالا واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی سپہ سالاروں، افواج و افسران کا ایک بڑا طبقہ اس صلح کے لئے راضی نہیں تھا اور جنگ کو ہر قیمت پر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ ان کی بدقسمتی سے کمپنی کی مالی حالت مزید جنگ وجدل کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہیں تھی۔

صلحنامہ منگلور ٹیپو سلطان کی مدبرانہ صلاحیتوں و ڈپلومیٹک ہوشیاری کا بین ثبوت ہے۔ مرہٹے صلحنامہ سالبی کر چکے تھے اور اس بات کے لئے کوشاں تھے کہ ٹیپو بھی اس صلحنامہ کو تسلیم کر لے اور اس طرح بالواسطہ مرہٹوں کی سرپرستی کو بھی تسلیم کر لے۔ یا دوسری صورت میں نانا فرنویس کو انگریزوں سے بات چیت میں ثالث بنا لے۔ لیکن ٹیپو سلطان میسور کو اور اپنی آزاد قانونی حیثیت کو آزاد تسلیم کرانا چاہتا تھا وہ صلحنامہ سالبی میں شریک ہی نہیں تھا اور یہ صلحنامہ اس کی یا حیدر علی کی رضامندی کے بغیر کیا گیا تھا لہٰذا ٹیپو سلطان پر اس کی پابندی کا سوال اٹھتا ہی نہیں تھا۔ وہ یہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ جس جنگ کو اس نے تن تنہا انجام تک پہنچایا ہو اس میں ایسے لوگ جو راستہ میں دھوکہ دے گئے ہوں ثالث بن کر فائدہ اٹھائیں۔ اسی وجہ سے اس نے فرانسیسیوں کو بھی اس بات چیت میں شریک نہیں کیا۔[۲] گورنر جنرل ہیٹنگز جو کچھ عرصہ قبل ہی ۲۰ لاکھ اسٹرلنگ مدراس بھیج چکا تھا اس صلح

---

[۱] محب الحسن، ص ص ۴۳-۴۴

[۲] " " " ۵۸

کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن کورٹ آف ڈائرکیٹرز اب مزید نقصان برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ فرانسیسی بحری بیڑہ نے بنگال و مدراس کے درمیان آمد و رفت معطل کر رکھی تھی کرناٹک کا زرخیز علاقہ تباہ ہو گیا تھا[1] فوج کی تنخواہ چھ ماہ سے ادا نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا جب پونا کے انگریز ایجنٹ نے یہ یقین دلایا کہ کمپنی ٹیپو سلطان کے باہمی صلحنامے سے مرہٹوں کو کوئی شکایت نہیں ہوگی کیوں کہ وہ خود ٹیپو سے بہت سے معاملات چکانے کے انتظار میں ہیں انہیں صلح کی بات چیت میں شامل کرنے سے غیر ضروری پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی تو مجبوراً گورنر جنرل کو یہ صلح کرنی پڑی۔ ابتدا میں کمپنی کا اصرار تھا کہ ٹیپو صلحنامہ سالبی کو تسلیم کر لے۔ اسیرانِ جنگ کو رہا کر دے اور کرناٹک خالی کر دے وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے حلیف چھوٹے موٹے راجاؤں کو بحال کر دیا جائے اور ٹیپو دو انگریز رجمنٹیں رکھنے پر تیار ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ ٹیپو ان سب مطالبات کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ صلحنامہ سالبی پر اسے یوں بھی اعتراض تھا کہ اس کی ایک دفعہ کی رو سے پیشوا اور ٹیپو کے جھگڑوں میں کمپنی کو مداخلت کا حق دیا گیا تھا اور ٹیپو کمپنی کو ایسے مواقع دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کے اپنے مطالبات یہ تھے کہ غدار ایاز کو واپس کیا جائے[2]۔ اننت پور سے لوٹے ہوئے ۵۵،۰۰۰ ہزار پگوڈا لوٹائے جائیں اور دونوں فریق ایک باہمی دفاعی معاہدہ کریں جس کی رو سے دونوں ایک دوسرے کے دشمنوں کو اعلانیہ یا خفیہ امداد نہیں دیں گے۔ لیکن کمپنی اس دفعہ کو مرہٹوں کی ناراضگی کا سبب سمجھتی تھی کیوں کہ سالبی کے صلحنامے کی رو سے وہ مرہٹوں سے وعدہ کر چکے تھے کہ ٹیپو کے خلاف ان کی امداد کریں گے۔ اس کے علاوہ باہمی مقبوضات کے انخلاء پر بھی کافی حجت ہوئی آخر کار صلح ہو گئی جس کی رو سے یہ طے پایا کہ ٹیپو امبر اور ستگڑھ میں فوج رکھ سکتا ہے جب تک کہ انگریز ڈنڈی گل اور کنانور خالی نہیں کر دیتے اور اسیرانِ جنگ کے رہا ہوتے ہی دونوں کے مقبوضات خالی کر دیئے جائیں گے[3]۔

---

[1] محب الحسن۔ ص ۵۸

[2] کرمانی ص ۲۰۲۔ ایاز نے ٹیپو کی جانشینی پر اسے حاکم نہیں مانا اور نگر کا قلعہ انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔

[3] محب الحسن ص ۵۸

صلحنامہ منگلور منظور کرانے ہیں اور اس سے قبل طویل مذاکرات کے دوران ٹیپو سلطان نے زبردست ڈپلومیٹک صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا سابق کا مطالبہ ختم کر دیا تجارتی مراعات کے مطالبہ کو حتی الامکان کم کر دیا۔ کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے۔ کمپنی نے بھی داخلی مشکلات کے باوجود اچھی شرائط حاصل کرلیں۔ اسیران جنگ کی بحالی، مقبوضہ علاقہ جات کی واپسی اور حیدر علی کے عہد کی تجارتی مراعات۔ بقول ڈوڈ ویل (Dodwell) کمپنی کو تقریباً وہی شرائط حاصل ہوئے جو مرہٹوں سے مل سکتے تھے[1] لیکن گورنر جنرل ہیٹنگز اور اس کی جنگ پرست پارٹی اسے بے عزتی کا صلحنامہ سمجھتے تھے اور اسے عارضی گردانتے تھے خاص طور سے وہ افسران جن کا جذبۂ انتقام تشنہ رہ گیا تھا اس کے سخت خلاف تھے[2] ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں امن قائم رہنا ناممکن تھا۔ انگریز افسران پر جب جنگ کا راستہ بند ہو گیا تو سازش اور چالبازی کا سہارا لینے لگے۔ مختلف عہدیداروں سے مل کر ۲۴ جولائی ۱۷۹۲ء کے دن جبکہ سپاہ تنخواہ وصول کرنے میں لگی تھی انگریز اسیران جنگ کی مدد سے سرنگاپٹم میں بغاوت کرانے کا منصوبہ بنایا گیا جو بر وقت اطلاع مل جانے پر ناکام بنا دیا گیا۔ نومبر ۱۷۹۲ء میں غدار محمد علی نے ٹیپو کے اغوا کی اسکیم بنائی[3] ان مسلسل فتنہ انگیزیوں کی بنا پر ٹیپو کس طرح کمپنی پر اعتماد کر سکتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ مرہٹہ و میسور جنگ میں کمپنی نے غیر جانبدار پالیسی اختیار کی لیکن یہ پالیسی ٹیپو سے ہمدردی یا انصاف کے جذبات پر مبنی نہیں تھی بلکہ ڈر یہ تھا کہ اگر مرہٹوں کی مدد کی تو معاہدۂ درہا ئلیز ۱۷۸۳ء کی خلاف ورزی ہوگی اور فرانسیسیوں کو ٹیپو کی مدد کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ دوسرے یہ کہ انگریز مرہٹوں کو طاقتور بنانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کی دلی خواہش تھی کہ مقامی والیان ریاست آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں۔

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد ۵ ص ۲۸۸

[2] " " " " "

[3] محب الحسن ص ۸۰ نیز مزید انٹروڈکشن ص ۲۷

دکن میں مقیم فرانسیسی افسروں کے رویہ سے اکتاکر اور انگریزوں پر بین الاقوامی دباؤ ڈلوانے کی خاطر ٹیپو نے مختلف ممالک افغانستان، ایران، ترکی اور فرانس کو سفارتیں بھیجیں۔ وہ پہلا ہندوستانی حکمران تھا جس نے کمپنی کے خلاف بیرونی امداد کے لئے اس طرح کوشش کی۔ پہلی یورپی سفارت قسطنطنیہ سے آگے نہ بڑھ سکی ۱۷۸۶ء[1] اس سفارت کا مقصد یہ تھا کہ (ا) عثمانی خلیفہ سے اپنی حکومت کے لئے سند حاصل کرنا کیونکہ کمپنی و مرہٹہ اثرات نے شاہ عالم سے ایسی سند نہیں ملنے دی تھی لہٰذا اپنی حکومت کی قانونی حیثیت تسلیم کرانے کے لئے اسے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ انگریز مورخین کا یہ الزام غلط ہے کہ ٹیپو نے مغل شہنشاہ کا قانونی اقتدار تسلیم نہیں کیا[2] کیونکہ جب ٹیپو نے یہ دیکھا کہ شاہ عالم مرہٹوں کے کھنے میں ہے اور اس کے ایجنٹ کو خلعت تک نہیں دیا گیا تب اس نے مجبور ہو کر یہ راستہ اختیار کیا۔ قسطنطنیہ کی سفارت کا دوسرا مقصد سلطنتِ عثمانیہ سے انگریزوں کے خلاف فوجی امداد حاصل کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ٹیپو سلطان نے باہمی تجارتی مراعات کا سوال بھی کیا اور یہ بھی درخواست کی کہ مختلف فنون و پیشہ جات کے ماہرین میسور بھیجے جائیں۔ سلطان ترکی نے ٹیپو کو سندِ حکومت بھیجدی اس میں اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن فوجی امداد کا سوال بیکار تھا کیونکہ اس وقت جبکہ فرانس روس کا حلیف ہو گیا تھا سلطنتِ عثمانیہ اپنے تحفظ کے لئے انگریزوں کی امداد کی محتاج تھی۔ فرانس کی سفارت ایسے زمانہ میں پیرس پہنچی جبکہ لوئی شانزدہم کی بادشاہت انقلابِ فرانس کی لپیٹ میں آنے والی تھی لہٰذا خوش آئند وعدوں کے علاوہ وہاں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔

اس دوران میں انگریز افسران اپنی جارحانہ و معاندانہ کارروائیوں سے باز نہیں آئے تیلیچری کے فیکٹروں نے ٹیپو کی مسلسل اعتراضات کے باوجود ٹیپو کے باغی

---

[1] کرمانی ص ۲۶۶
[2] محب الحسن، ص ۸۶۔۱۷
[3] شوارٹز کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ص ۲۶۷

راجاؤں کو اپنے یہاں پناہ دی[1]، لہٰذا ٹیپو نے ناراض ہوکر دہلی پہاڑ کی منتقلی روک دی۔ اور مصالحہ جات کی آمد و رفت پر پابندی عائد کردی۔ میسور و مرہٹہ جنگ میں کمپنی نے جو غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیا تھا مرہٹہ اس بات سے ناراض ہوگئے اور پونا میں فرانسیسی اثر بڑھنے لگا، انگریز اس رجحان کو روکنے کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار رہتے تھے لہٰذا وہ مرہٹوں اور نظام کو پانچ پانچ بٹالین کمپنی کی افواج دینے پر راضی ہوگئے۔ ان بٹالین کو جارحانہ مقاصد کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا تھا[2]، لیکن حکومت برطانیہ لڑائی میں جب ہی حصہ لینا چاہتی تھی جبکہ فرانسیسی بھی اس میں حصہ لیں لہٰذا بورڈ آف ڈائریکٹرز کی ہدایات پر کارنوالس نے اس معاہدہ کو کالعدم قرار دیا کیونکہ ڈر تھا کہ فرانسیسیوں کو مداخلت کرنے کا قانونی جواز مل جائے گا[3]۔

لارڈ کارنوالس جب گورنر جنرل ہوکر برصغیر ہند و پاک میں آیا تو بین الاقوامی سیاست کے تجربہ کی روشنی میں اس نے انگلینڈ و فرانس کی رقابت میں برصغیر کی اہمیت کا احساس کیا[4]۔ اس کا اندازہ تھا کہ اگر برصغیر میں برطانوی اقتدار قائم کرنا ہے تو جلد یا بدیر ٹیپو سے ضرور لڑنا ہوگا[5]۔ اس وقت یہ ضرورت اور شدید ہوگئی تھی کیوں کہ دکن میں توازنِ طاقت ٹیپو کے موافق ہوگیا تھا، اور کمپنی کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے اس رجحان کو روکنا ضروری تھا۔ کارنوالس کو یہ بھی خیال تھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ برطانوی مقبوضات کو وسعت دینے کے سلسلے میں دوسرا قدم اٹھایا جائے۔ میسور و مالابار کا زرخیز علاقہ

---

[1] لوگن، مالابار، جلد ۲ ص ۴۵۲ نیز دیکھو شورٹر کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ص ۴۶۷

[2] محب الحسن ص کھارے، جلد ۷، ص ۲۰۴

[3] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ج ۵، ص ۳۲۴

[4] ” ” ” نیز ولکس، ہسٹاریکل اسکیچیز، خط بنام مالیت تاریخ ۶ ۱۷۸۸ء فرانس سے لڑائی میں ٹیپو سے لڑنا ناگزیر تھی۔

[5] محب الحسن ص ۱۴۸

اسے کھٹک رہا تھا اور وہ انہیں امریکی نوآبادیات کا نعم البدل ثابت کرنا چاہتا تھا۔ شمالی امریکہ میں اٹھائی ہوئی خفت کو دور کرنے کا ذاتی اعتبار سے بھی اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ یہ تہیہ کر کے کارنوالس نے تیاریاں شروع کر دیں، پہلا کام کمپنی کی مالی و فوجی حالت کو سنبھالنا تھا جو دسمبر ۱۷۸۷ء تک مکمل ہو گیا[۱]۔ دوسری ضروری قدم ٹیپو کو مقامی حکمرانوں سے الگ کرنا تھا۔ یعنی نظام و مرہٹوں سے دائمی اتحاد قائم کرنا تھا۔

گورنر جنرل کے ذہن پر یہ خیال طاری تھا کہ ٹیپو کرناٹک پر حملہ کرنے والا ہے۔ حالانکہ ٹیپو نہ تو فوجی حیثیت سے تیار تھا اور نہ اسے فرانسیسیوں سے امداد کی توقع تھی۔ ٹراونکور کے راجہ اور کرناٹک کے نواب نے جو افواہیں پھیلائی تھیں شروع میں خود کارنوالس کو ان پر یقین نہیں تھا اور اسی لئے اس نے نظام سے گنتور کے علاقے کا مطالبہ کیا[۲]۔ لیکن اب کارنوالس خود ٹیپو سے لڑنے پر تیار تھا۔ ٹیپو سلطان نے اسے اعلانِ جنگ کا کوئی جواز نہیں دیا لہٰذا معاہدہ ورسائلز کے تحت کارنوالس اپنے حلیفوں سے کوئی جارحانہ معاہدہ نہیں کر سکتا تھا لیکن دفاعی معاہدہ کے لئے کوئی قید نہیں تھی۔ نانا فرنویس و مرہٹے کمپنی کی سابقہ غیر جانبداری سے ناراض تھے کارنوالس چاہتا تھا کہ اگر وہ انگریزوں کے ساتھ نہ آئیں تو غیر جانبدار ہی رہیں۔ اس نے جو شرائط انہیں پیش کی تھیں ان سے کمپنی کی خود غرض پالیسی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مرہٹوں سے کہا گیا کہ اگر ٹیپو نے کمپنی یا کمپنی کے کسی حلیف پر حملہ کیا تو مرہٹہ بھی میسور پر چڑھائی کر دیں جس کی امداد کے لئے کمپنی کی فوج و توپ خانہ موجود ہوگا۔ لیکن اگر ٹیپو نے تنہا مرہٹوں پر حملہ کیا تو کمپنی غیر جانبدار رہے گی۔ مرہٹہ اس وقت تک نہ تو اتنے کمزور ہوئے تھے کہ دباؤ میں آ کر ان شرائط کو قبول کر لیتے اور نہ اتنے ناسمجھ تھے کہ خواہ مخواہ ایسے معاہدہ میں شامل ہوں جس سے صرف کمپنی کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہو۔ نظام نے گنتور کا علاقہ معاہدہ ۱۷۶۸ء کے مطابق کمپنی کے سپرد کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اس معاہدہ مذکورہ کی باقی شرائط بھی پوری کی جائیں۔ اس طرح نظام کی یہ خواہش کافی

---

[۱] محب الحسن ص ۳۰ نیز رزے میسور ریلنگ آف برٹش انڈیا م کارنوالس کا خط بنام مالیٹ ... [illegible]

[۲] ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۵۲، ۱۵۱

* غیر جانبداری کی دقیق

کے کمپنی کو زیادہ سے زیادہ سلطان ٹیپو کے خلاف نظام اور اس کے حلیفوں کے ساتھ باندھ لیا جائے ـــــ ان میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ نظام کو میسور سے اس کے پرانے مقبوضات واپس دلانے میں مدد کی جائے گی۔ کارنوالس براہ راست اس طرح کا جارحانہ معاہدہ پورا نہیں کر سکتا تھا اور نہ اسے نافذ کر سکتا تھا لیکن اس وقت جب کہ مرہٹوں کا رویہ مشکوک تھا نظام کو راضی رکھنا از حد ضروری تھا لہٰذا اس نے ایک خط میں معاہدہ ۱۷۶۸ء کی دفعہ ۶ کی اس طرح تشریح کی کہ دفعہ کی رو سے گورنر جنرل کمپنی کے مفادات کی خاطر نظام کو جو فوجی امداد دے سکتا تھا وہ امداد ارکاٹ کے نواب، ٹراونکور اور تنجور کے راجاؤں اور مرہٹوں کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دوسرے الفاظ میں یہ امداد ٹیپو کے خلاف ہو سکتی تھی۔ یہ تشریح چونکہ معاہدہ کی دفعہ کے متعلق اور سرکاری خط کے ذریعہ کی گئی تھی لہٰذا اس کی قانونی حیثیت بھی معاہدہ کے برابر تھی[1] اس طرح کارنوالس نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۷۸۴ء معاہدہ ورسائیلز اور حیدر علی و ٹیپو سلطان سے مختلف اوقات میں کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی کی صرف اس لئے کہ وہ میسور کے خلاف تھا۔ حالانکہ ان علاقوں پر کمپنی میسور کا اقتدار تسلیم کر چکی تھی۔ لیکن اپنی طاقت کے زعم میں ہر حملہ آور معاہدات و صلحناموں کو "ردی کاغذ کا ٹکڑا" سمجھتا آیا ہے۔ کمپنی و نظام کے اس جارحانہ اتحاد پر منصف مزاج مورخ خاموش نہیں رہ سکے[2]۔ کارنوالس کی ان تیاریوں کے پیش نظر ٹیپو نے مرہٹوں سے جلد صلح کر لی اور ان کی شرائط مان کر انہیں خوش کرنا چاہا۔

ساحل مالا بار پر سلطنت میسور کی توسیع و استحکام کے لئے ٹراونکور پر اختیار ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا جب کرنٹ اور ماہے مشکلات سے مجبور ہو کر حیدر علی سے جو موقع کے انتظار میں تھا یہ درخواست کی تو اسے فوراً منظور کر لی لیکن فوراً ہی بعد کرنٹ اور ماہے کو اس

---

[1] محب الحسن ص ۱۵۲، ۱۵۱

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۵، ص ۳۲۴
[3] موکس جلد ا ص ۳ اور انسٹر ہسٹری آف انڈیا ص ۸۲ اقتباس مرجان سلیم

امداد کی ضرورت نہیں رہی اور اس نے اطلاع بھیجی کہ اب اس امداد کی ضرورت نہیں ہے۔ حیدر علی نے اخراجات کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ مرتندا کے انتقال کے بعد یہی مطالبہ اس کے لڑکے رام ورما سے بھی کیا گیا اور حیدر علی نے یہ بھی کوشش کی کہ وہ میسور کا باجگذار ہو جائے جبکہ وہ محمد علی کا باجگذار تھا۔[1] راجہ نے خائف ہو کر کمپنی سے گفت و شنید کی اور حیدر علی کی توجہ ہٹانے کے لئے میسور کے خراجگذار راجاؤں کو بغاوت پر اکسایا۔ انگریزوں سے تعلقات بڑھانے کی کوششوں میں اس نے ۱۷۷۸ء میں انہیں ماہی پر حملہ کرنے کے لئے راستہ بھی دیدیا تھا۔ چونکہ دوسری جنگ میسور میں وہ کمپنی کے ساتھ شامل تھا لہٰذا صلحنامہ منگلور کا اطلاق اس پر بھی ہوتا تھا لیکن اس نے انگریزوں سے تعلقات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے میسور کے خراجگذار راجاؤں کو ورغلانا بند نہیں کیا جب ٹیپو نے اسے متنبہ کیا تو اس نے کمپنی کی دو بٹالین اپنی حفاظت کے لئے بلوالیں تاکہ ٹیپو کمپنی سے الجھنے کے خوف سے ٹراونکور پر حملہ نہ کر سکے۔ لہٰذا اس طرف سے مطمئن ہو کر اب رام ورما نے کولت ناڈ پر اپنا استحقاق جتانا شروع کر دیا اور گورنر مدراس کو ورغلایا کہ مقامی راجاؤں کو میسور سے اپنی ریاستیں واپس لینے میں مدد کرے۔[2] اس کے علاوہ اس نے کوچین کے علاقے پر بھی اپنی دفاعی لائینیں قائم کر رکھی تھیں حالانکہ کوچین سلطنت میسور کا خراجگذار تھا۔ ان سب فتنہ انگیزیوں کے علاوہ اس نے ٹیپو کی ضد پر ولندیزیوں سے ائیکوٹ اور گرنگانور کے قلعے خرید لئے یہ قلعے کارومنڈل و مالابار کے ساحلوں کو ملانے والے درہ کو کنٹرول کرتے تھے لہٰذا میسور کے لئے ان کا قبضہ ضروری تھا جبکہ ٹراونکور کو ان سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ حکومتِ مدراس اور خود کارنوالس نے اس سودے کی مخالفت کی لیکن مقامی انگریز ایجنٹ نے اس کی کوئی خاص مخالفت نہیں کی ۱۷۸۹ء میں ٹیپو سلطان

---

[1] فرانس ڈے، دی لینڈ آف پرمالس، ص ۱۴۹، کرانی، ص ۲۷۶ ملبو لیا لیکار سے خراج کا مطالبہ کیا اور فوج بھیج دی

[2] محب الحسن ص ۱۵۳

[3] " " نیز ملٹری کنٹری کارسپونڈینس، مدراس ریکارڈ، جلد ۲۸ نمبر ۵۹

نے رام ورما پر اثر ڈالنے کے لئے ایک چھوٹی سی فوج لے کر ٹراونکور کی دفاعی لائنوں کے پاس پڑاؤ ڈالا اور مطالبہ کیا کہ باغی پناہ گزیں راجاؤں کو واپس کر دے، کوچین کے علاقے پر تعمیر شدہ دفاعی لائینوں کو دور کر دے، ایکوٹ و گنگانور کے قلعے ولندیزیوں کو واپس لوٹا دے۔ باغیوں کے متعلق رام ورما نے کہا کہ وہ اس کی اطلاع بغیر آگئے ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ دفاعی لائینوں کے متعلق بھی اس نے غلط بیانی سے کام لیا اور دعویٰ کیا کہ یہ لائینیں عرصۂ دراز سے قائم ہیں۔ دونوں قلعہ جات کے بارے میں اس نے ٹیپو کا مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ دونوں ریاستوں میں کشیدگی کے سبب سرحدی جھگڑا ہونا ناگزیر تھا۔ ابتدا میں گورنر جنرل اور جنرل میڈوز انہیں صرف سرحدی تنازعات خیال کر رہے تھے۔ لیکن راجہ ٹراونکور اور محمد علی مسلسل افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ان افواہوں کے پیش نظر گورنر مدراس نے تحمل سے کام لینا چاہا۔ یہ بردباری بھی مخالفین ٹیپو کو ناگوار گذری اور گورنر مدراس پر رشوت ستانی کا شبہ ظاہر کیا گیا[۱] اس کی اس میانہ روی و اعتدال کو دیکھتے ہوئے ٹیپو نے اسے اس قضیہ میں ثالث بھی بنانا چاہا[۲]۔ اس سے پہلے بھی ٹیپو نے اکثر کمپنی کے افسران کو لکھا تھا کہ میسور و ٹراونکور کا جھگڑا بہت پرانا ہے۔ لیکن اس وقت ان لوگوں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی ۱۷۹۰ء میں کمپنی نے کمشنر مقرر کرنے کی تجویز پیش کی۔ ٹیپو ان کمشنروں کی اپنے کیمپ میں ملنا چاہتا تھا لیکن کارنوالس اور گورنر مدراس کمپنی کے لئے اسے بے عزتی کے برابر سمجھتے تھے حالانکہ کمپنی اکثر اپنے ایجنٹ مقامی ریاستوں میں بھیجتی رہتی تھی اور سرحدی تنازعہ کا تصفیہ کرنے کے لئے سرحد کا معائنہ ضروری تھا اور وہیں ٹیپو کا کیمپ بھی تھا۔ کمشنروں کی تجویز ٹیپو کو دو ماہ دیر سے ملی اور اس وقت تک ۲۹ر دسمبر ۱۷۸۹ء کا پہلا سرحدی تنازع ہو چکا تھا جسے بعد میں اعلان جنگ کا سبب بنایا گیا۔ اتمام حجت کے لئے ہی ٹیپو کو مزید وقت دینا چاہیئے تھا۔ یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ وہ ۲۹ر دسمبر کے واقعہ کے بعد یہ تجاویز قبول نہیں کرتا[۳] جبکہ وہ دو ماہ تک پُرامن رہ سکتا تھا تو

---

[۱] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج۔ ۵۔ ص ۳۲۵

[۲] محب الحسن ص ۱۶۴

[۳] " " " ۱۶۸

گفت وشنید و مصالحت کی صورت میں کیا اور زیادہ عرصہ پُرامن نہیں رہ سکتا تھا لیکن کارنوالس نے جو لڑائی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ ٹیپو کو مزید گفت وشنید کا موقعہ ہی نہیں دیا اور جواب بھیجا کہ اگر وہ صلح چاہتا ہے تو تاوان ادا کرے۔ صاف مطلب یہ تھا کہ ٹیپو انکار کر دے گا اور پھر جنگ شروع ہو جائے گی اور ٹیپو بے یار و مددگار ہوگا۔ لہٰذا ٹنگ آمد بجنگ آمد ٹیپو کو حملہ کرنا پڑا کیونکہ جب لڑنا ہی ٹھہرا تو جارحانہ جنگ کا فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔[1]

کارنوالس نے جو رانی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا متفرق چھوٹے چھوٹے راجگان سے اور رانی لکشمی امانی سے معاہدے کئے۔[2] رانی لکشمی سے معاہدہ اس بات کا ثبوت تھا کہ کارنوالس ٹیپو کے خاندان کو ختم کر کے پرانے والئی میسور کے خاندان کو بحال کرنا چاہتا ہے اور وہ اس امر کے لئے بجد کوشاں بھی تھا کیوں کہ جب ٹیپو نے تیسری جنگ میسور کے درمیان مصالحت کے لئے سلسلہ جنبانی کیا اور کارنوالس کو مرہٹوں کے اصرار پر بادل ناخواستہ راضی ہونا پڑا تو ٹیپو کی ذرا سی ضد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اس بات چیت کو ختم کر دیا۔[3] اور اس طرح جنگ طول پکڑ گئی اور بعد میں وہ ٹیپو سے سخت ترین شرائط منوا سکا جو اس ابتدائی دور میں ناممکن ہوتا۔ مرہٹے ٹیپو کا مکمل خاتمہ نہیں چاہتے تھے کیوں کہ اس طرح نظام یا کمپنی کی طاقت بہت زیادہ ہو جاتی۔ ان کے دباؤ سے مجبور ہو کر کارنوالس کو صلح کرنی پڑی۔ پھر بھی تمام شرائط طے ہو جانے پر بھی اس نے ایک آخری شوشہ یہ چھوڑا کہ کورگ کا مطالبہ بھی شامل کیا جائے۔ ٹیپو اس نئے مطالبے کے لئے راضی نہیں تھا، صلح کی بات چیت رک گئی۔ کارنوالس نے ٹیپو کے دونوں لڑکوں کو جو صلحنامے

---

[1] محب الحسن ص ۱۴۹

[2] ڈاکٹر کالینیکرم اڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا۔ ص ۶۸۷ (یہ واقعات صرف ٹیپو کی مشتعل ولانے کیلئے کافی تھے۔)

[3] کرمانی ص ۳۸۲

[4] ٹیپو نے اپنا ایجنٹ بات چیت کیلئے بھیجا تھا۔ کارنوالس نے یہ کہا کہ وہ ایک کم رتبہ آدمی سے بات نہیں کر سکتا۔

کی شرائط کے مطابق بطور یرغمال بھیجے گئے تھے اور صلحنامے کے منظور نہ ہونے کی صورت میں انصاف و اخلاق کا تقاضہ کے مطابق انہیں سرنگاپٹم واپس بھیجدینا چاہیئے تھا واپس نہیں بھیجا بلکہ کرناٹک کی طرف روانہ کر دیا، لڑکوں کے خیال سے ٹیپو کو صلحنامہ تسلیم کرنا پڑا۔[۱] کوشش کی گئی تھی کہ نصف سلطنت اور ساڑھے تین کروڑ تاوان جنگ لے کر میسور کی طاقت کمزور کر دی جائے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ راجہ ٹراونکور جس کی خاطر یہ جنگ لڑی گئی کہیں بھی سامنے نہیں آیا اور نہ اسے کچھ ملا۔ اس ہی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کارنوالس کو راجہ ٹراونکور کی حمایت منظور نہیں تھی بلکہ فقط کمپنی کا مفاد مدنظر تھا۔ تیسری جنگ میسور میں کمپنی کو جو علاقے فتح کئے تھے وہ فی الحال کافی تھے کیوں کہ کمپنی کی مزید کامیابی مرہٹوں و نظام کو خائف کر دیتی اور کارنوالس جانتا تھا کہ اس وقت وہ ان سب حکمرانوں سے بیک وقت جنگ نہیں کر سکتا۔[۲] اس کا خیال تھا کہ صلحنامہ سرنگاپٹم ایک ایسا صلحنامہ ہے جس سے ٹیپو کی طاقت عملی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات زیادہ سودمند ہے برنسبت اس کے کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا جائے اور اس شکل میں اپنے ساتھیوں سے بھی معاملہ کرنا آسان ہوا ہے۔[۳] اور اس کی طاقت بھی زیادہ نہ بڑھ سکے گی انگلینڈ میں بھی صلحنامہ سرنگاپٹم کو پرانی اور صحیح پالیسی کی مثال سمجھا گیا۔ وہ پالیسی یہ تھی کہ اپنے تحفظ کی ضروریات کے مطابق ہی مقبوضات حاصل کرنے تھے۔ لیکن تحفظ کی ضرورت ایک بہت مبہم و غیر واضح بات تھی جس کی آڑ میں پورے برصغیر پر قبضہ کیا جا سکتا تھا، لیکن فی الحال کمپنی سیر ہو چکی تھی اس لئے نظام و میسور کے کرنول سے متعلق باہمی تنازعے میں کارنوالس غیر جانبدار رہا۔ نظام نے ہر ممکن کوشش کی کہ انگریز اس کی حمایت کریں حتیٰ کہ ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی دھمکی بھی دی لیکن کارنوالس

---

[۱] محب الحسن۔ کرمانی ص ۲۰۴۔ نمک حراموں و غداریوں سے مجبور ہو کر صلح کی۔

[۲] کارنوالس بنام سیکرٹریز : ص ۱۵۹۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ۵: ص ۳۳۷

[۳] انیول رجسٹر۔ ۱۷۹۲ء

جانتا تھا کہ کسی بھی معاہدے سے پہلے نظام کو ٹیپو کے مفتوحہ علاقے واپس کرنے ہوں گے اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پھر بھی اس نے کرنول کو ٹیپو کے براہ راست قبضہ سے بچائے رکھا۔ کمپنی کا یہ منصفانہ رویہ وہیں تک تھا جہاں تک ان کے مفاد کو اس سے فائدہ پہنچتا تھا کیوں کہ اس جھگڑے سے نظام و ٹیپو میں کسی قسم کا اتحاد قائم ہونا ناممکن ہوگیا۔ خود کمپنی نے وئینڈ کا علاقہ میسور کو واپس نہیں دیا بلکہ امیرا اور سولیا کے علاقے کورگ کو دیدیئے گئے۔[1]

سر جان شور کے عہد میں کمپنی اس قابل نہیں رہی تھی کہ دوبارہ کسی بڑی مہم کا آغاز کرسکے۔ یہ افواہ عام تھی کہ ٹیپو فرانس کی مدد سے حملہ کرنے والا ہے۔ سر جان شور اور ڈیوک آف ولنگٹن اسے غلط سمجھتے تھے۔ لیکن عام انگریز ٹیپو سے بہت خائف تھا۔[2] جیسے جیسے یورپ میں حالات حکومت برطانیہ کے خلاف ہوتے گئے باقی دنیا میں برطانوی پالیسیاں جارحانہ ہوتی گئیں اسی لئے برصغیر کے لئے رچرڈ ویلزلی کو مقرر کیا گیا۔ ویلزلی ہندوستان آنے سے پہلے ہی یہ تہیہ کرچکا تھا کہ ملک گیری کی پالیسی پر عمل کرے گا۔[3] تمام برصغیر بدامنی و طوائف الملوکی کا شکار تھا۔ لیکن میسور اتنی تباہ کن جنگوں کے باوجود دوبارہ خوشحال ہوگیا تھا۔ ٹیپو میں اب بھی یہ دم خم تھا کہ نظام و مرہٹوں سے ٹکر لے سکے۔[4] اگر یہی پالیسیاں دیگر والیان ملک اختیار کرلیتے تو کمپنی کے لئے مستقل پریشانی ہوجاتی لہٰذا ایسا موقع پیدا ہونے سے پہلے ہی میسور کو ختم کردینا چاہیئے۔ کمپنی کے اقتدار اعلیٰ کی اسکیم میں میسور کا استیصال ضروری تھا بقول ویلزلی پوری صورت حال کا انحصار ٹیپو کی طاقت پر تھا۔[5] اس نے سوچ لیا

---

[1] محب الحسن ص ۲۸۶

[2] ،، ،، ص ۲۸۹

[3] فلبر۔ دی پرائیویٹ ریکارڈ آف این انڈین گورنر۔ جنرل شپ ص ۱۷، محب الحسن ص ۲۹۱

[4] مارٹن۔ ویلزلی ڈسپیچز، ص ۶۶۹

[5] ڈسپیچز ج ۱، ص ۲۵۔ مزید دی ویلزلی پیپرس ج اول۔ کیمبرج ہسٹری۔ ج ۵۔ ص ۳۲۳۔

تھا کہ فرانسیسی اثر کو برصغیر سے بالکل ختم کر دے گا اور اس سلسلے میں بھی ٹیپو کا نام سرفہرست آتا تھا۔[1]

ٹیپو سلطان کے خلاف جارحانہ کارروائی کے لئے ماریشس سے فرانسیسی گورنر سے مراسلت کو شاخسانہ بنایا گیا۔ سفارت پیرس کی آڑ لی گئی کہتے تھے کہ ٹیپو اپنے کو سٹوین (شہری) کہنے لگا ہے۔ ماریشس میں ایک اعلان کے ذریعہ فرانسیسی فوج بھرتی کی گئی ہے۔ ایک آزاد و خود مختار حکومت سے اس بات پر جواب طلب کرنا غلط تھا۔ لیکن جب انگریز ٹیپو کے دشمنوں سے معاہدے کر سکتے تھے تو ٹیپو کو بھی یہی حق حاصل تھا۔ (ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ج اول ص ۱۶۹) کمپنی خود اسے ایک حکمران مان چکی تھی، نیز گزشتہ صلحناموں میں ایسی کوئی شرط نہیں تھی جو ٹیپو کو اس قسم کی خط و کتابت سے روکتی۔ ماریشس کے واقعات کو بلا صحت کئے و تحقیق کے تسلیم کر لیا گیا کیوں کہ ویلزلی ذہنی اعتبار سے ان اطلاعات پر یقین کرنے کے لئے تیار تھا۔ خود ویلزلی کو پہلے یہ اطلاع ایسے راوی سے ملی جو معتبر نہیں تھا اور جس کا نام اس نے نہیں بتایا۔ جنوبی افریقہ سے کیپ کالونی کے گورنر نے بھی اعلانِ ماریشس کی تصدیق کی لیکن یہ اعلان کوئی دفاعی یا جنگی یا جارحانہ معاہدہ نہیں تھا جس کا الزام ٹیپو پر لگایا جا رہا تھا۔ سرحدی کمانڈروں نے ویلزلی کو یقین دلایا کہ میسور میں کوئی دفاعی یا جنگی کارروائیاں نہیں ہو رہی ہیں لہٰذا ویلزلی کا یہ الزام بھی غلط تھا کہ ٹیپو فوجی تیاریاں کر رہا ہے۔ فرانسیسی افواج مرہٹے و نظام بھی بھرتی کر رہے تھے پیشوا ان کی نقل ہی تو کی تھی۔ ٹیپو کی خاموشی پر خود مزد جو اس کا پرانا دشمن تھا متعجب تھا۔[2] ماریشس کے اعلان کی حقیقت صرف یہ تھی کہ سندھیا و نظام وغیرہ نے جب فرانسیسی فوجی بھرتی کئے تو ٹیپو نے بھی ماریشس جانے والے دو سوداگروں کے ذریعہ کچھ فرانسیسی بھرتی کرنی چاہیئے اور وہاں کے گورنر مالارٹک نے میسور و فرانس کے قدیم تعلقات کی بنا پر ازراہِ ہمدردی ایک اعلانِ عام شائع

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ج ۵، ص ۳۲۸ تا ۳۲۷ کرمانی ص ۴۲۱

[2] تھلنگ، برٹش امپائر ان انڈیا ۱۳۵ ص ۱۵۴

کیا۔ اس میں کوئی بات خفیہ نہیں تھی۔ پھر بھی جو لوگ بھرتی ہوئے وہ معمولی و ناکارہ تھے۔ ان کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ انگریز یہ سب جانتے تھے اور تسلیم کرتے تھے۔[۱] خود ویلزلی نے شروع میں اس اعلان کو جعلی سمجھا اس پر بھی اس نے کارومنڈل کی افواج کی تیاری کا حکم دیدیا تھا۔ جنوبی افریقہ سے میکارٹنی کا خط ملتے ہی اس نے حملہ کی تیاری شروع کر دی۔ انصاف پسندی کا تقاضہ تھا کہ پہلے سلطان سے جواب طلب کیا جائے اور اس کے لئے اسے وقت دیا جائے آرتھر ویلزلی اسی طریقۂ کار کی موافقت میں تھا۔ لیکن گورنر جنرل ٹیپو پر اچانک حملہ کرنا چاہتا۔ اس لئے ماریشس کے اعلان کی پہلی اطلاعات ملنے کے بعد وہ سات ماہ تک اس موضوع پر خاموش رہا بلکہ ٹیپو کو غافل کرنے کے لئے وَحد لے واپس کر دیا۔ نومبر ۱۷۹۰ء میں پہلی بار اس نے ٹیپو پر فرانسیسیوں سے ساز باز کا الزام لگایا اور غلط فہمیاں دور کرنے کے لئے ایک افسر بھیجنا چاہا۔ ٹیپو نے جواب دیا کہ وہ فرانسیسی جن کے ذریعہ اس پر ماریشس سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا گیا تھا صرف ایک جہاز سے متعلق تھے کچھ رہ گئے باقی واپس چلے گئے اور آپس میں امن قائم رکھنے کے لئے سابقہ معاہدات کافی تھے۔ خاص افسر کا تعین یا باہمی امدادی معاہدہ کسی بھی شکل میں اور کسی بھی قیمت پر اسے منظور نہیں تھا۔ لیکن ویلزلی ان جوابات کا انتظار کئے بغیر مدراس جا پہنچا اور وہاں یہ جواب پاکر پہلی بار ٹیپو پر فرانسیسی فوجی بھرتی کرنے اور ماریشس کے اعلان کا الزام لگایا اور اس کا جواب چوبیس گھنٹہ میں طلب کیا۔ ویلزلی کے رویہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی دفاعی معاہدہ کی شرائط محض اتمام حجت کے طور پر پیش کی گئی تھیں اور اس کی جلدبازی ثابت کرتی ہے کہ وہ پہلے ہی سے حملہ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اس نے سیکریٹ ڈپارٹمنٹ میں ایک منٹ تیار کیا تھا جس میں ٹیپو اور فرانس کی مجموعی کوششوں کو ناکام بنانے کی تجاویز تحریر تھیں[۲]

---

[۱] مارٹن۔ ویلزلی ڈسپیچز، ص ۱۶۴، محب الحسن ص ۲۹۹

[۲] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، ج ۵ ص ۳۳۹۔ کرمانی ص ۴۲۱، ۴۲۰۔ ۱۷۹۸ء، ۹۹ء میں سلطان نے کابل وخلیفۂ روم کے پاس سفارتیں روانہ کیں۔ موسیٰ بندر سے کچھ فرانسیسی موسیو پیپرو کی سرکردگی میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۱۲ اگست ۱۷۹۸ء) لہٰذا ان خطرات کے پیش نظر اگر ٹیپو نے بھی دفاعی تیاریاں شروع کردیا تو کوئی جرم نہیں کیا، ۲۴ گھنٹہ کے الٹیمیٹم کے بعد ویلزلی نے ایک ہفتہ بعد ترکی کے سلطان سلیم سوئم کا خط ٹیپو کے نام بھیجا جس میں ٹیپو کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ انگریزوں سے جنگ نہ کرے۔ اس وقت ٹیپو نے ایک افسر کا بھیجا جانا بھی قبول کیا اور سلطان سلیم کے خط سے موافقت کا اظہار کیا[1] لیکن ان جوابات کے پہنچنے سے پہلے ہی ویلزلی نے جنرل ہیرس کو حملہ کرنے کا حکم دیدیا تھا اور اسے ہدایت کردی کہ جب تک ٹیپو اپنے دارالحکومت کی سلامتی کے خوف سے بات چیت شروع نہ کردے اس وقت تک جنرل ہیرس اس سے کوئی بات نہ کرے[2]۔ اور ٹیپو کو یہ جواب دیا کہ بات چیت صرف ہیرس سے ہوگی۔ ویلزلی نے ہیرس کو دو مسودے بنا کر دیئے تھے۔ دوسرا مسودہ پہلے سے سخت تھا اور ہدایت کی تھی کہ پہلا مسودہ گولہ باری سے قبل بھیجنا اور دوسرا گولہ باری شروع ہو جانے کے بعد ہیرس نے صرف ایک مسودہ بھیجا اور اس کی شرائط انتہائی سخت تھیں۔ یعنی مزید نصف حصہ سلطنت کا، دو کروڑ روپیہ تاوان جنگ، چار لڑکے اور چار جنرل بطور یرغمال اور اس کی منظوری کا جواب چوبیس گھنٹہ میں دینا تھا۔ ٹیپو نے دوسرے روز دو آدمی بھیجنے چاہے لیکن ہیرس نے بحث کرنے سے انکار کردیا کیوں کہ ویلزلی کی ہدایات تھیں کہ ٹیپو کی طاقت کو مکمل طور پر تباہ کردیا جائے[3] ویلزلی میسور کی تباہی بطور نمونہ دیگر والیانِ ریاست کو دکھانا چاہتا تھا تاکہ خائف ہو کر وہ اس کی امدادِ باہمی کے معاہدوں کو تسلیم کرلیں۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) پٹن آئے ..... مدراس کے انگریز ان فرانسیسیوں کی ٹیپن میں آمد ..... سفارتوں کی روانگی سے تشویش میں پڑ گئے ..... ۲۲۱۳ یہ تمام فوجیں جب ..... جمع ہوگئیں تو لارڈ ولنگٹن نے سلطان کو دو تین خط لکھے کہ ان نووارد فرانسیسیوں کو پٹن میں انگریز نمائندوں کے حوالہ کردیا جائے اور ساحل سمندر کے قلعہ یعنی کوڑیال بندر اور منگلور وغیرہ کی ستاجری۔ انگریز سرداروں کے نام کردی جائے۔ اطمینان بخش جواب نہ ملنے پر حملہ کردیا۔

[1] اوون۔ ویلزلی ڈسپیچز۔ ص ۷۵۔ محب الحسن ص ۳۰۱ – [2] محب الحسن ص ۳۰۱

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ویلزلی معاہدۂ سرنگاپٹم کا توازن دوبارہ قائم کرنا چاہتا تھا[1] وہ توازن ختم ہی کب ہوا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ویلزلی کا پہلے خیال صرف یہ تھا کہ میسور و فرانسیسی اتحاد کو باطل قرار دیا جائے[2] کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ ہندوستان آنے سے قبل ہی ملک گیری کی ہوس اور ٹیپو کی استیصال کا ارادہ کرکے آیا تھا۔ ہاں ڈوڈویل کا یہ کہنا صحیح ہے کہ مقبوضات کی ترقی ہوئی ضرورتوں کے پیش نظر یہ استیصال میسور میں، ظاہر ہوا کیونکہ یہ کمپنی اور اس کے افسران کی ذاتی نفرت اور سوچی سمجھی تجویز کا نتیجہ تھا ان کا یہ کہنا بھی غلط تھا کہ فرانسیسی حملہ کے پیش نظر ہمیں ایسا کرنا پڑا لیکن جنگ نیل کے بعد فرانسیسی مہم اس قابل نہیں رہی تھی کہ عراق یا ایران یا بحر پر چڑھائی کر سکے۔ اور ایسی حالت میں خطرہ مرہٹوں و نظام سے بھی یکساں تھا کیونکہ وہ بھی فرانسیسی افسران کو نوکر رکھے ہوئے تھے اور ان سے امداد کے خواہاں رہتے تھے۔ زمان شاہ نے لاہور پر حملہ ضرور کیا لیکن اول تو لاہور پر حملہ انگریزی مقبوضات پر حملہ نہیں تھا اور دوسرے جلد ہی زمان شاہ کو ایران کی سرحدی تنازعات طے کرنے کے لئے واپس لوٹنا پڑا لہذا ان سب دلائل پر غور کرنے کے بعد ہم صرف اسی پر نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ٹیپو پر حملہ کرنے کا کوئی جواز کمپنی کے پاس نہیں تھا اور حملہ آور کو کسی جواز کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ٹیپو نے کمپنی نظام و مرہٹوں کے خلاف جو بھی کوشش کی وہ اسے کرنی تھی۔ اور وہ اس کوشش میں ختم ہوگیا یہی اس کی بڑائی ہے۔

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۵ ص ۳۲۴ ایڈمز نے میدز میکنگ آف برٹش انڈیا ص ۲۱۰ اس توازن کا مقصد اپنے حلیفوں کی طاقت بڑھانا تھا۔

[2] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۵ ص ۳۳۹

ڈاکٹر محمود حسین پی ایچ ڈی
ترجمہ: نصیب اختر ایم اے

ٹیپو سلطان
انگریزوں کے خلاف جدوجہد

اٹھارویں صدی میں ٹیپو سلطان ہی وہ واحد ہندوستانی حکمران تھا جس نے اس خطرہ کو شدت سے محسوس کر لیا تھا جو ہندوستان کی آزادی کو انگریزوں کی جانب سے لاحق تھا۔ اس نے اس خطرہ کو دور کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ انگریزی حکومت کے قیام کے خلاف مسلسل جدوجہد اس کی زندگی تھی اور یہی اس کی زندگی کا اعلیٰ نصب العین تھا۔ وہ ناکام رہا۔ مگر اس سے اس کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلہ پر جو فوجیں آئیں وہ اس سے بہت زیادہ طاقتور ثابت ہوئیں اور وہ ناکام ہو گیا تاہم اس نے اپنے فریضہ کی ادائیگی بے باکانہ اور مردانہ وار کی۔

عرصہ سے ٹیپو سلطان مورخین کے ہاتھوں اعتراضات کا ہدف بنا رہا ہے۔ تاریخ میں شاید ہی کسی حکمران کے کردار کو اس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا ہو۔ انگریز مورخین نے اپنے مفادات کے خلاف اسے ایک بہت بڑا دشمن متصور کیا اور اس طرح انہوں نے تاریخ کو مسخ کرنے میں خود کو حق بجانب سمجھا۔ انہوں نے کوئی ایسی برائی نہیں چھوڑی جو

جو اس کے سر نہ منڈھ دی ہو۔ ہمعصر مسلمان وقائع نویسوں نے اسے ایک مجاہد اسلام کی
صورت میں پیش کرنے کی ایسی کوششیں کیں جن سے واضح طور پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ
اس میں رواداری کا فقدان تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسلام کی سیاسی طاقت کی بقا
کے لئے شمشیر بکف ہوا مگر اس کے نظریات و کردار میں مذہبی تعصب کا شائبہ تک نہ تھا۔
تاہم انگریزوں کی مخالفت میں وہ متشدد تھا۔

ٹیپو سلطان حیدر علی کی دوسری بیوی فاطمہ کے بطن سے ۲۰ ذالحجہ ۱۱۶۳ھ بروز
ہفتہ (۱۲ نومبر ۱۷۵۰ء) کو منگلور کے قریب دیوان حالی میں پیدا ہوا۔ اس کا نام ارکاٹ
کے ایک بزرگ ٹیپو مستان کے نام پر رکھا گیا۔ ٹیپو کی پیدائش سے چند ماہ قبل حیدر علی
اپنی شریک حیات کے ہمراہ ان کے مقبرہ پر نذر عقیدت پیش کرنے گیا تھا اور ان دونوں
نے ان بزرگ سے فرزند جیسی نعمت سے مالا مال ہونے کی دعا کرائی تھی۔ سلطان کوئی
ایسا لقب نہ تھا جو اس نے بعد کو اختیار کر لیا ہو بلکہ اس کے نام کا ایک حصہ تھا اس کا نام
فتح علی بھی رکھا گیا اور دادا فتح محمد کے نام پر اسے ابوالفتح کی کنیت بھی ملی۔

حیدر علی نے بچپن میں کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن یہ واضح ہے کہ وہ اپنے
بیٹے کو بہترین قسم کی تعلیم دینے کا بہت زیادہ متمنی تھا۔ اس نے ٹیپو سلطان کے لئے لائق اساتذہ
کا انتظام کیا اور اس نے بھی ان سے کامل استفادہ کیا تحصیل علم میں فارسی بھی شامل تھی
جو اس وقت تک تمام برصغیر میں درباری زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن ہمعصر مورخین نے
فارسی میں اس کی عالمانہ اور ادبی حیثیت کے متعلق مبالغہ سے کام لیا ہے
فارسی میں اس کی
قابلیت محدود تھی اور اگرچہ وہ اپنا اظہار خیال فارسی زبان میں کر سکتا تھا تاہم

۱؎ کرمانی مصنف "نشان حیدری" (مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۹۱)
اور مصنف "کارنامہ حیدری" دونوں نے ہفتہ کا دن تحریر کیا ہے اور بالا
سنہ ہجری دی ہے۔ لیکن موخر الذکر نے سنہ ہجری کو سنہ عیسوی میں تبدیل کرتے وقت غلطی کی ہے۔

اسے زبان پر عبور حاصل نہیں تھا۔ چونکہ اس نے ۱۵ سال کی عمر میں اپنی فوجی زندگی کا آغاز کیا تھا اس لئے اس کی نصابی تعلیم مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ وہ کنڑی کے علاوہ فارسی اور اردو بھی روانی سے بول سکتا تھا۔ اس نے عربی اور علوم اسلامی کا بھی درس لیا تھا لیکن فنون حرب میں اس نے نہایت مناسب تربیت حاصل کی تھی۔ سواری، نشانہ بازی تیغ زنی اور جنگی تدابیر سکھانے کے لئے ٹیپو سلطان کو غازی خان کے سپرد کیا گیا تھا۔ شہزادہ اپنے باپ کے ساتھ افواج کے معائنے اور قواعد پریڈ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا اور یہ سب کچھ ایسی ہستی کی تربیت میں مفید تھا جس کی تمام زندگی اپنی مملکت کے دشمنوں سے جنگ کے لئے وقف تھی اور جس کے لئے ایک شہید کی موت مرنا مقدر ہو چکا تھا۔

ٹیپو ابتدا ہی میں جب وہ عنفوان شباب کی منازل طے کر رہا تھا باپ کے ساتھ جنگوں میں اپنی ہمت و شجاعت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ بنا بر ایں اپنے بیٹے کے کارناموں پر فخر کرتے ہوئے حیدر علی نے ۲۰۰ سواروں کی کمان اس کے سپرد کر دی اور بہت جلد اس کے ماتحت سواروں کی تعداد ۵۰۰ تک پہنچ گئی علاوہ ازیں بہت سی جاگیریں بھی عطا کیں۔

باپ کی حیات میں ٹیپو سلطان کی سپاہیانہ زندگی کا ایک سرسری جائزہ لینا یہاں بے محل نہ ہوگا۔

۱۹ جون ۱۷۶۷ء کو پہلی مرتبہ فوج کی کمان اس کے سپرد کی گئی۔ تاہم وہ اپنے اتالیق غازی خان کی نگرانی میں تھا۔ اسے مدرد اس کی جانب پیش قدمی کا حکم ملا جب وہ اس حکم کی بجا آوری میں آگے بڑھ رہا تھا تو حیدر علی کی جانب سے جو جنوبی ارکاٹ میں کرنل جوزف اسمتھ سے شکست کھا چکا تھا اس کو اس طرف بڑھنے کی ہدایت کی گئی۔ میجر فٹز جیرالڈ اور کرنل ٹاڈ نے اسے درمیان میں روکنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ٹیپو سلطان نہایت تیزی سے ان کی تدابیر کو ناکام بناتا ہوا اپنے باپ سے جا ملا۔

ٹیپو سلطان اس وقت بھی باپ کے دوش بدوش تھا جب اس نے ترا پتور

اور وینامیادی کے قلعوں پر فوج کشی کی تھی اور انہیں فتح کیا تھا۔ کرنل اسمتھ کے امبر پر حملہ کے دوران اس نے کامیابی سے پسپا ہوتے ہوئے ایک بار پھر اپنی جنگی مہارت کا اظہار کیا تھا۔

لطف علی بیگ کو جو ساحل مالا بار پر انگریزوں سے مصروف پیکار تھا اسلحہ اور فوج کی کمی کا احساس ہوا اس نے حیدر علی سے امدادی فوجیں بھیجنے کی درخواست کی۔ اس نے ٹیپو سلطان کو غازی خاں کی معیت میں لطف علی کو فوری امداد۔ کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بڑی کامیابی کے ساتھ شہر منگلور جو میجر گارڈن اور کیپٹن واٹسن کے قبضہ میں تھا انگریزوں سے چھین لیا۔ اس وقت حیدر علی بھی ایک بڑی فوج لے کر موقع پر پہنچ گیا۔ انگریزوں نے قلعہ خالی کر دیا اور بڑی ابتری کے ساتھ مدراس کی طرف پسپا ہوئے۔ ٹیپو سلطان نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساحل مالا بار سے انگریزوں کو نکال دیا۔ یہ بھی ٹیپو سلطان ہی کی غیر معمولی اور گرانقدر عسکری قابلیت کا نتیجہ تھا کہ حیدر علی نے خاص مدراس کے دروازوں پر انگریزوں سے اپنی شرائط صلح منوالیں۔

نومبر ۱۷۶۹ء میں جب مرہٹوں نے میسور پر حملہ کیا تو حیدر علی نے ان سے جم کر مقابلہ کرنا نہیں چاہا بلکہ اپنے بیٹے کو صرف اس لئے روانہ کر دیا کہ وہ دشمن کی افواج کو پریشان کر کے سرحدوں سے ہٹ جانے پر مجبور کر دے۔ ٹیپو سلطان نے بیدنور سے باہر رہ کر پونا سے روانہ ہونے والے ہراول دستوں کو راہ میں روکنا شروع کر دیا۔ اسکے بعد اسے حکم ملا کہ مرہٹوں کی پیش قدمی کو روکے۔ سرنگا پٹم کی طرف کامیابی کے ساتھ پسپا ہونے میں غفلت برتنے کی وجہ سے حیدر علی کو شدید نقصانات اٹھانا پڑے۔ حیدر علی اس ناکامی پر برافروختہ ہو گیا اور اس کا تمام غصہ اپنے بیٹے پر اترا۔ لیکن اس ناکام پسپائی کے الزام میں ٹیپو سلطان کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔

مرہٹے اس فتح سے مزید فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے وہ ٹیپو سلطان اور حیدر علی سے حاصل کردہ مال غنیمت کی تقسیم میں بھی اس درجہ مصروف ہوئے کہ ٹیپو سلطان کو سرنگا پٹم

کے حفاظتی استحکامات درست کرنے کا موقع مل گیا اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ جب مرہٹے قلعے کے سامنے نمودار ہوئے تو ٹیپو سلطان نے اپنی محصور فوج نے کر اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ مرہٹوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ ۲۳ دن کے بعد مرہٹہ سردار ترمبک راؤ کو سرنگاپٹم سے ہٹنا پڑا اور وہ تنجور کی طرف واپس ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس کا تعاقب کیا اور ان کے دوسرے شہروں کو لوٹنے کے ارادوں کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ ٹیپو سلطان کی طاقت اس قدر وسیع ذرائع رکھنے والے دشمن کے مقابلہ پر بہت ہی ناکافی تھی اس لئے حیدر علی کو جولائی ۱۷۷۲ء میں مرہٹوں سے صلح کرنی پڑی۔

جب مادھو راؤ پیشوا کا انتقال ہو گیا اور مرہٹہ وفاق میں انتشار و خلفشار پیدا ہوا تو حیدر علی کو جلد ہی اپنے بہترین علاقے کی بازیابی کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ سیرا، مدگری گورم کنڈا اور ۱۷۷۵ء میں چار یادگار مرہٹوں سے چھین لینے میں ٹیپو سلطان نے باپ کا ہاتھ بٹایا۔ سلطان نے بلاری کو جو صلابت جنگ کے ماتحت ایک جاگیر تھی ۱۷۷۵ء میں فتح کر لیا۔ اس نے ہبلی پر بھی قبضہ کر لیا لیکن دھاڑواڑ کے قلعہ کی تسخیر میں ناکام رہا۔ اس طرح ۱۷۷۸ء تا ۱۷۷۸ء حیدر علی نہ صرف تنگ بھدرا تک تمام علاقوں کو جنہیں مرہٹوں نے گزشتہ جنگوں میں حیدر علی سے چھین لیا تھا واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ بلکہ ان کی حکومت کے اس علاقے پر بھی جو تنگ بھدرا سے کرشنا تک پھیلا ہوا تھا قبضہ کر لیا۔ ٹیپو سلطان نے ان تمام مہمات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

جولائی ۱۷۸۰ء میں حیدر علی ۸۰،۰۰۰ سپاہ لے کر برف کے طوفان کی طرح ارکاٹ کے میدانوں میں داخل ہوا اور اس حد تک آگے بڑھتا چلا گیا کہ باشندگان مدراس اپنی دیواروں پر سے حملہ آور فوج کے نشانات دیکھ سکتے تھے۔ یہ انگریزوں اور میسور کے درمیان دوسری جنگ کا آغاز تھا۔ انگریزوں کے لئے صورت حال کافی نازک تھی تاہم کرنل بیلی کی سرکردگی میں ایک انگریزی فوج سر ہیکٹر منرو کی مدد کے لئے کانجیورم روانہ کی گئی۔ حیدر علی نے یہ سنتے ہی ٹیپو سلطان کو روانہ کیا تاکہ وہ بیلی کی فوج کو راستے ہی میں روکے اور خاص فوج سے ملنے نہ دے۔ ٹیپو سلطان نے بیلی کو بڑی ہوشیاری سے

زغہ میں لے لیا اور اس کے دستہ کو جس نے بڑی بہادری سے مزاحمت کی تھی اس سے علیحدہ کردیا۔ بیلی، اس کے ۵۰ افسران اور ۱۵۰ سپاہی گرفتار کرلئے گئے۔ سرتھامس منرو اس تباہی کے متعلق جس سے بیلی دوچار ہوا تھا، لکھتا ہے کہ "وہ ضرب کاری تھی جو شاید ہی کبھی انگریزوں کو برداشت کرنا پڑی ہو"[1]

اگر اس وقت حیدر علی، منرو پر حملہ کرکے اس کامیابی سے فائدہ اٹھا لیتا تو جنوبی ہند کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ سر آئر کوٹ کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگر اس وقت حیدر علی کامیابی کے ساتھ بڑھتا ہوا مدراس کے دروازہ پر دستک دیدیتا تو وہ ایک نہایت اہم قلعے کا مالک ہوتا"

لیکن حیدر علی نے اس زریں موقعہ کو ہاتھ سے کھو دیا۔ دل شکستہ منرو پر حملہ کرنے کے بجائے اُس نے ارکاٹ کی طرف پیش قدمی کی جس کا محاصرہ منرو کی آمد کی وجہ سے ناتمام رہ گیا تھا۔ حیدر علی نے ایک مختصر سی فوج ٹیپو سلطان کی سرکردگی میں ان انگریز فوجی دستوں پر چھاپہ مارنے کے لئے بھیجدی جو چنگل پٹ اور وہاں سے مدراس کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ ٹیپو سلطان کو اس مہم میں نمایاں کامیابی نصیب ہوئی۔

اس کے بعد حیدر علی نے اپنے بیٹے کو ارکاٹ طلب کرلیا۔ یہ شہر بھی متعدد حملوں کے بعد فتح کرلیا گیا بعد ازاں ٹیپو سلطان نے اور بہت سے شہروں پر قبضہ کیا اور انگریزوں کے قبضے سے اہم قلعوں کو چھین لیا۔ بلاشبہ نوجوان شہزادے کے لئے یہ امر باعث صد افتخار تھا۔ ٹیپو سلطان کے ان کارناموں سے خوش ہوکر اس کے باپ نے اس پر تحفے تحائف کی بارش کردی۔

---

[1] ٹیپو سلطان کی جنگی چالوں کو اس وجہ سے تحریر کیا گیا ہے تاکہ ملتے جلتے حالات میں ان کا اتباع کیا جاسکے۔

(ملاحظہ کیجئے فارسی متن "فتح المجاہدین" مرتبہ محمود حسین۔ صفحہ)

ٹیپو سلطان کے ایک دوسرے شجاعانہ کارنامے کا ظہور اس وقت ہوا جب اس نے ۱۸ار فروری ۱۷۸۲ء کو کرنل بریتھ ویٹ کو شکست دی۔ انگریزی فوج کو بھاری نقصانات اٹھانا پڑے برتھ ویٹ امان کا طالب ہوا اور جو زندہ بچے انہیں قیدی بنایا گیا حیدر علی اس سے انتہائی مسرور ہوا اور خود ٹیپو سلطان بھی پہلی اور اس کے بعد دوسری جنگِ میسور میں برتھ ویٹ کو شکست فاش دینے پر بجا طور پر فخر کر سکتا تھا[1] برتھ ویٹ کی شکست نے انگریزوں کے ارادوں کو متزلزل کر دیا۔

اس کے بعد ہم حالات کو حیدر علی کے لئے انتہائی سازگار پاتے ہیں اسی زمانے میں ایک عظیم فرانسیسی امیر البحر ڈی سفیرن دو ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ حیدر علی اس وقت انگریزوں سے کڈلور چھین چکا تھا اور کوٹ بھی حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حملہ سے ارنی چھوڑ کر مدراس کی طرف ہٹ جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس دوران میں جب اس نے سنا کہ ساحل مالا بار انگریزی افواج کی زد میں ہے تو ٹیپو سلطان کو ایک فرانسیسی جنرل لالی اور اس کے دستے کے ساتھ روانہ کیا۔ ٹیپو سلطان نے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات کو کامیابی سے ٹھیک کیا۔ انگریز کرنل ہیمبر اسٹون جو حکومت بمبئی کی جانب سے ساحل مالا بار پر حملے کے لئے بھیجا گیا تھا ٹیپو سلطان اور اس کی کثیر فوج کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی اس علاقہ کو چھوڑ چکا تھا۔ ٹیپو سلطان نے پونانی ندی تک انگریزی فوج کا تعاقب کیا لیکن انگریز اس تیزی سے پیچھے ہٹے کہ ٹیپو سلطان ان کو نہ پا سکا۔ ٹیپو سلطان نے پونانی کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جس وقت وہ قلعے کو مسمار کرنے کا ارادہ کر رہا تھا اسے باپ کے انتقال کی خبر ملی اور اس طرح اسے اس مہم کو نامکمل چھوڑنا پڑا۔ وہ چیتور کے قریب نارسنگ رائن پت واپس لوٹ گیا۔

ٹیپو سلطان کی آمد تک حیدر علی کی موت کی خبر کو حفظ ماتقدم کے طور پر صیغۂ راز میں رکھا گیا[2] مہا مرزا خاں نے جو حیدر علی کے دربار میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا

---

[1] فتح المجاہدین، صفحہ ۲۲۷

[2] نشان حیدری ۲۴۹

ٹیپو سلطان تک اس اندوہناک خبر کو پہنچایا[1] ۲ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو ٹیپو سلطان چتوڑ کی طرف تیزی سے روانہ ہوا۔ اپنی غیر موجودگی میں ارشد بیگ کو مالا بار کا انتظام سنبھالنے کے لئے مقرر کیا اور خود ۲۶ر دسمبر ۱۷۸۲ء کو فوج کی خاص قیامگاہ میں پہنچ گیا[2] اس نے اپنے استقبال میں تزک واحتشام کے مظاہرے سے انکار کر دیا اور غروب آفتاب کے وقت نہایت سادگی کے ساتھ قیامگاہ میں داخل ہوا۔ یہاں اہم عہدیداران اور اس کے برادر خورد کریم صاحب نے اس کا استقبال کیا۔ اس طرح ۳۲ سال کی عمر میں وہ اس وسیع سلطنت کا حکمران ہوا جس کے شمال میں کرشنا ندی، جنوب میں ریاست ٹراونکور اور تنی ویلی کے اضلاع، مشرق میں مشرقی گھاٹ اور مغرب میں بحیرہ عرب تھا۔ دو شورش پسند گروہوں کے علاوہ جنہوں نے حیدر علی کی موت کے بعد کے نازک مرحلہ میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی تھی تمام فوج ٹیپو سلطان سے وفاداری پر قائم رہی۔ باپ کی حیات ہی میں وہ جنگی اور انتظامی امور کا کافی تجربہ حاصل کر چکا تھا۔ باپ کے ساتھ متعدد مہمات میں نمایاں حصہ لے چکا تھا اور میدان جنگ میں اپنی امتیازی شان کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ وہ جنگی تدابیر میں تیز و تند نقل وحرکت کو ترجیح دیتا تھا اور اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ متحیر کن جنگی طریقوں کو بھی بہت زیادہ اہم سمجھتا تھا[3]

تخت نشینی کے وقت ٹیپو سلطان کو جنوبی ہند کے کن سیاسی حالات کا سامنا کرنا پڑا؟ وارن ہسٹنگز کی رہنمائی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک عرصہ تک جنوبی ہند کے معاملات میں بہت زیادہ مداخلت کرتی رہی تھی جس کے نتیجہ میں انگریزوں اور میسور کے درمیان دوسری جنگ کا آغاز ہوا تھا۔ وارن ہسٹنگز کی تمام حکمت عملی اس بات پر صرف ہوتی رہی تھی کہ میسور سے اس کے حلیفوں کو توڑ کر اسے یکا وتنہا کر دیا جائے۔ ۱۷۸۱ء کے اوائل ہی میں وہ برار کے راجہ کو توڑ لینے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسی سال

---

[1] نشان حیدری صفحہ ۲۵

[2] کرمانی نے ۲۰ محرم ۱۱۹۷ھ لکھا ہے (نشان حیدری ص ۲۳۹)

[3] ٹیپو سلطان کی جنگی تدابیر اور اس کے فوجی نظام کے لئے "فتح المجاہدین" مرتبہ محمد حسین ملاحظہ کیجئے۔

ماہ اکتوبر میں مرہٹہ سردار نے انگریزوں اور اپنے دوسرے شرکار جنگ میں مصالحت کی گفت و شنید شروع کر دی تھی جس کے نتیجہ میں مئی ۱۷۸۲ء کو معاہدہ سالبائی مرتب ہوا جس نے انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان جنگ کا بہر طور خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ نظام سے اسکے تعلقات منقطع کرانے میں بھی کامیاب ہوگیا۔ اس طرح اس نے حیدر علی کے تمام مددگاروں کو ایک ایک کر کے توڑ لیا اور اسے بے یار و مددگار کر کے چھوڑا۔

ٹیپو سلطان کی تخت نشینی کے وقت صرف فرانسیسی ہی اس کے باقی ماندہ حلیف تھے اس وقت تک فرانسیسی محض بحری مورچہ سنبھالے ہوئے تھے اور چونکہ ان کے پاس کوئی بھی ایسا فوجی صدر کیمپ نہ تھا جو ان سے مناسب فاصلہ پر ہو اس لئے فرانسیسی فوج کی امداد محض کبھی کبھار کی تھی۔ ایسی صورت میں ٹیپو سلطان کو یک و تنہا دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ ۵ر فروری ۱۷۸۳ء کو اسٹوارٹ نے ایک کثیر فوج لے کر واندی واش کی طرف پیش قدمی کی۔ اس نقل و حرکت کی خبر سنتے ہی ٹیپو سلطان فرانسیسی دستے کاسگنی کی سرکردگی میں لے کر فوراً روانہ ہوا۔ اور واندی واش کے قریب خیمہ زن ہوا۔ چند جھڑپوں کے بعد اسٹوارٹ نے ٹیپو سلطان کی فوج کے نظم و ضبط اور فرانسیسی فوج کی مرعوب کن سنگین دیکھ کر واپسی کا ارادہ کر لیا[۱]۔ ٹیپو سلطان نے اسٹوارٹ کا تعاقب نہیں کیا کیوں کہ اس وقت ساحل مالا بار پر جہاں انگریزی فوجیں جنرل میتھیو کی سرکردگی میں آگے بڑھ رہی تھیں ٹیپو سلطان کی اشد ضرورت تھی۔

انگریزوں کی ایک دوسری کوشش یہ تھی کہ ٹیپو سلطان کی توجہ کرناٹک سے دوسری جانب منتقل کر دی جائے۔ مدراس اور بمبئی کی دونوں حکومتیں اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ایک محاذ پر جنگ کرنا بیکار ہے۔ اس لئے وہ اپنے حریف کی افواج کو دو محاذوں پر تقسیم کر دینا چاہتی تھیں۔ اس کے بموجب حکومت بمبئی نے ٹیپو سلطان کے مالا باری مقبوضات پر اور حکومت مدراس نے جنوبی سمت سے میسور پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس طرح انگریز ٹیپو سلطان کی طاقت کو منقسم کر دینا چاہتے

---

[۱] نشان حیدری ص ۲۶۰ - ۲۶۱

تھے۔

پہل حکومت بمبئی نے کی۔ جب اسے ہمبراسٹون کی پونانی کے مقام پر ناکامی کا علم ہوا اس نے اس کی مدد کے لئے بریگیڈیر میتھیو کو روانہ کیا۔ اس وقت ٹیپو سلطان اپنے باپ کی موت کی خبر سن کر چتور واپس جا چکا تھا۔ میتھیو حکومت بمبئی کی ہدایت کے بموجب ہمبراسٹون کی مدد کے بجائے بیدنور کی طرف بڑھا۔ یہ اقدام نہایت دانشمندانہ تھا کیوں کہ بیدنور ایک زرخیز ضلع تھا اور یہاں سے انگریزوں کی بہت سی ضروریات پوری ہو سکتی تھیں۔ مزید یہ کہ ساحل کے قریب تھا جہاں سے انگریزوں کی امدادی افواج بغیر کسی رکاوٹ کے مدد کے لئے پہنچ سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ کسی امکانی پسپائی کے لئے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔

کنڈاپور کے مقام پر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے میتھیو کی پیش قدمی کی کافی مزاحمت کی لیکن میتھیو اس مقام پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یہاں سے آگے بڑھنے میں اسے کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا حالانکہ حفاظتی استحکامات کافی مضبوط تھے اور کافی توپخانے موجود تھے۔ صوبے کے گورنر ایاز کی غدارانہ روش نے جس کے ثبوت کے لئے قوی شہادت موجود ہے اس اہم قلعے اور بیدنور کے شہر کو اس یقین دہانی پر حوالے کر دیا کہ انگریزوں کے ماتحت اس کی گورنری باقی رکھی جائے گی میتھیو اس بات پر آمادہ ہو گیا تھا اور ایاز ۲۸ جنوری ۱۷۸۳ء کو بیدنور اس کے حوالے کر چکا تھا بڑے بڑے خزانے جو نہ صرف بیدنور بلکہ دوسرے شہروں میں بھی تھے انگریزوں کے ہاتھ آگئے ان سب کو انگریز افسران نے اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا اور کمپنی کے سپرد نہیں کیا[۱]۔

---

[۱] کیمبل اور ہیسٹنگز کے درمیان "خفیہ معاملات
ہندوستان کی قدیم دستاویزات مورخہ ۱۲ مئی ۱۷۸۳ء۔
محب الحسن خان نے تاریخ ٹیپو سلطان میں ۲۶ مئی ۱۷۸۳ء" پڑھا ہے۔ (ص ۳۲۳)

ٹیپو سلطان نے اس حملہ کی خبر سن کر لطف علی بیگ کو بیدنور کی حفاظت کے لئے بھیجا تھا مگر یہ اقدام بہت تاخیر سے کیا گیا۔ جب لطف علی بیگ بیدنور کے قریب پہنچا تو اس کے حوالہ کر دیئے جانے کی اطلاع موصول ہوئی اس کے بعد اس نے اننت پور پر قبضہ کرنے کی سخت جدوجہد کی مگر فوج کی کمی کی وجہ سے ناکام رہا۔ وہ امدادی فوجوں کا انتظار کر رہا تھا کہ ٹیپو سلطان کی جانب سے یہ حکم موصول ہوا کہ وہ منگلور کی حفاظت کے لئے جائے لیکن قبل اس کے کہ وہاں پہنچے اسے یہ خبر موصول ہوئی کہ ۹ر مارچ ۱۷۸۳ء کو وہ قلعہ بھی تباہی و تاراجی کی نذر ہو گیا۔ انگریزی فوج نے نوجوانوں اور بوڑھوں، عورتوں اور بچوں سب پر بلاتخصیص بے انتہا ستم ڈھائے۔

مل کے قول کے بموجب "یہ احکامات صادر کئے گئے کہ ہر اس آدمی کو قتل کر دیا جائے جو فوج کی حراست میں ہو اور چند افسروں کو جنہوں نے ان احکامات پر سختی سے عملدرآمد نہیں کرایا تنبیہہ و سرزنش کی گئی۔"[۱]

ٹیپو سلطان کو ان وحشیانہ مظالم کی خبر سے سخت تکلیف پہنچی۔ وہ اپریل کے مہینے میں ۱۲۰۰۰ سپاہ لے کر روانہ ہوا اور بیدنور کی سرحدوں پر جا پہنچا۔ اس نے حیدر گڑھ اور کاول درگاہ پر بہ آسانی قبضہ کر لیا اس کے بعد اس نے فوج کا کچھ حصہ گھاٹ کے راستوں پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا تاکہ ساحل اور انگریزی فوج کے درمیان رابطہ قائم نہ رہ سکے۔ اس نے ایک دوسری فوج اننت پور کی امداد کے لئے بھیجی اور باقی فوج لے کر بیدنور کے محاصرہ کے لئے چل پڑا۔ میتھیوز شہر کے سامنے مقابلہ پر آیا لیکن شکست کھا گیا اور قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ ٹیپو سلطان کی افواج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اس کے چاروں طرف تیرہ توپ خانے نصب کرکے شدید گولہ باری شروع کر دی جس کی وجہ سے قلعہ کے اندر کی عمارتوں کو سخت نقصان پہنچا۔ اس وقت ایک دوسری فوج جو گھاٹ کے تمام راستوں کو مسدود کر دینے کے لئے بھیجی گئی تھی بیدنور کو منگلور سے علیحدہ کر دینے میں کامیاب ہو گئی۔ ان اقدامات سے محصور فوج کی حالت بدتر ہوتی چلی گئی رسد اور گولہ بارود کی کمی کا شدید احساس ہونے لگا ادھر عفونت خیز بخار نے موت کا بازار

حملے کے لئے اکسا کر ٹیپو سلطان کی طاقت کو اس طرف صرف کرانا چاہا لیکن ٹیپو سلطان کے ایک جنرل قمر الدین خان نے اسے شکست دیدی۔ انگریزوں نے اس سلسلے میں ایک اور کوشش یہ کی کہ منٹگمری کو سید محمد کی امداد کے لئے بھیجا مگر اسے بھی قمر الدین خان نے ناکام بنا دیا۔

جب شمال مشرقی جانب فتنہ پردازی کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔ تو انگریزوں نے جنوبی سمت سے ٹیپو سلطان کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں بھی ناکام رہے۔ دراصل فلرٹن کے ماتحت جو انگریزی فوج روانہ کی گئی تھی وہ اس قدر کمزور تھی کہ خود فلرٹن کو ٹیپو سلطان کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔ انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس دباؤ کو جو بیدنور کے صوبے میں ان پر پڑ رہا تھا کسی طرح ختم کر دیں مگر وہ اپنے مقصود کو نہ پا سکے کیوں کہ کامبیتور کے علاقہ میں متعین ٹیپو سلطان کی فوجیں انگریزوں کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کی طاقت رکھتی تھیں۔

فلرٹن نے اپنی کمزوری کا احساس کرنے کے بعد ٹراونکور اور کالی کٹ کے راجاؤں اور مالا بار کے سرداروں میں سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا اور جب وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا تو حکومت مدراس کی ہدایت پر دھراپورن چلا گیا تاکہ سرحد پر متعین رہے اور جونہی جنگ بندی کی خلاف ورزی کا موقعہ ہاتھ آئے تو حملہ کر دے۔

لیکن جب فلرٹن نے خود کو کافی مضبوط کر لیا تو التوائے جنگ کی شرائط کا ذرہ برابر لحاظ کئے بغیر وہ خود پال گھاٹ کی طرف بڑھا۔ پال گھاٹ زرخیز علاقہ تھا اس لئے فلرٹن نے خاص طور سے اسے منتخب کیا تاکہ فاقہ کش انگریزی فوج کے لئے رسد کے ذخائر حاصل ہو سکیں۔

روشن خاں نے جو اس علاقے کی افواج کا کماندار تھا اس نقض عہد پر احتجاج کیا مگر فلرٹن نے اس کے احتجاج کو بالکل نظرانداز کر دیا اور پیش بندی جاری رکھی۔ وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے قلعے فتح کرتا ہوا پال گھاٹ پہنچ گیا گو روشن خاں نے حکومت مدراس کی جانب سے فلرٹن کے نام تمام جارحانہ کارروائیوں کو روک دینے کے لئے خطوط بھی حاصل

ان شرائط خود سپردگی کی پابندی بھی کرتا تو بھی وہ اپنے گذشتہ انسانیت سوز مظالم کی بنا پر قید کر لیا جاتا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر ٹیپو سلطان منگلور پہنچا۔ اس سے پیشتر اس نے اپنی فوج کا ایک حصہ حسین علی خان کی سرکردگی میں روانہ کر دیا تھا لیکن منگلور سے بارہ میل ادھر ہی کیمبل نے ناگہاں اسے آ دبوچا اور اسے دو سو سپاہیوں کی جانیں ضائع کرنے کے بعد پسپا ہونا پڑا۔ ٹیپو سلطان ۲۰ رمئی ۱۷۸۳ء کو منگلور کے سامنے پہنچا اور پہلی ہی جھڑپ میں انگریزی فوج کو شکست دی اور واپسی کا راستہ بھی مسدود کر دیا۔ انگریزوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا تاہم وہ بڑی مشکل سے قلعہ بند ہو سکے۔ اس پر ٹیپو سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

ٹیپو سلطان کے توپ خانے نے بہت سی جانوں اور مکانوں کو تباہ کر دیا اور چند دنوں کی گولہ باری کے بعد وہ قلعہ کی دیوار میں شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گیا لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی فوج اندر داخل نہ ہو سکی۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے محاصرین کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تاہم سلطان کی فوج کے قدم آگے بڑھ رہے تھے عین اس وقت انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مابین تنازعات کے خاتمہ کی خبر پہنچی اور کوسگنی کو یہ حکم موصول ہوا کہ وہ جنگ سے دست کش ہو جائے۔ (۲۲ رجون ۱۷۸۳ء) اس واقعہ نے ایک طرف ٹیپو سلطان کی تجاویز کو ناقابل عمل بنا دیا اور دوسری طرف انگریزوں کی ڈوبتی ہوئی نبضیں تیز ہو گئیں۔ لیکن ان نامساعد حالات کے باوجود اس نے محاصرہ جاری رکھا کچھ دنوں بعد انگریزوں نے التوائے جنگ کی گفت و شنید شروع کر دی۔ ۲ راگست ۱۷۸۳ء کو انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان جنگ بندی کے معاہدہ پر دستخط ہو گئے اس کے بموجب یہ طے پایا کہ التوائے جنگ کے وقت تک جو صورت حال تھی وہی صلحنامہ کے مرتب ہونے تک برقرار رکھی جائے گی۔

حکومت مدراس نے ایک قسمت آزما زمانہ ساز سید محمد کو میسور پر

گرم کر دیا۔ قلعہ کی تمام عمارتیں گرنے لگیں اور فوج سائے سے محروم ہوکر موسم کے شدائد برداشت کرتے کرتے انتہائی قابل رحم حالت کو پہنچ گئی۔

میتھیوز نے قلعہ کو حوالہ کر دینے کے لئے ٹیپو سلطان کے سامنے اپنی شرائط پیش کیں ایک کے علاوہ باقی تمام شرائط کو ماننے کے لئے تیار ہوگیا اور وہ یہ تھی کہ انگریزی فوج بمبئی کی جانب بحری راستہ اختیار کرنے سے قبل اپنے اسلحہ قلعہ کے پشتہ پر جمع کر دے گی، لیکن اس نے اس میں یہ ترمیم کی کہ پہلے فوج باہر نکل کر آئے اور ہتھیار قلعہ کے پشتہ پر جمع کرنے کے بجائے سلطان کی فوج کے سامنے رکھے۔ انگریزوں نے اس شرط کو اپنے لئے باعث ذلت سمجھا اور مسترد کر دیا۔ انگریزوں نے پھر ایک ناکام کوشش کی اور سلطان کے بڑے توپ خانے پر دھاوا کیا مگر ناکام رہے اور دوبارہ قلعہ میں پناہ گزین ہوئے۔ آخر کار میتھیوز نے سلطان کی ترمیم شدہ شرائط منظور کر لیں۔

انگریزی فوج نے قلعہ سے روانہ ہونے سے قبل خلاف شرائط حکومت کے خزانے میں خورد برد کی۔ اس اطلاع کے بموجب ٹیپو سلطان نے انگریزی فوج کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ ہر ایک سپاہی کے تھیلے میں طلائی پتیوں کا استر لگا ہوا ملا۔ سلطان کے افسران نے چالیس ہزار پگوڈا سونا برآمد کیا۔

انگریزوں نے نہ صرف یہی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ عوام کے ذخائر کو لوٹا، سرکاری دستاویزات کو جلایا اور میسور کے تمام جنگی قیدیوں کو آزاد نہیں کیا۔ ان وجوہ کی بنا پر ٹیپو سلطان نے انہیں گرفتار کر لیا اور چتل درگ بھیجدیا۔

یہ الزام کہ ٹیپو سلطان انگریزی جنرل کو پھانسنے کے لئے محض ایک بہانہ تلاش کر رہا تھا، قطعی بے بنیاد ہے۔ یہ مفروضہ کسی ٹھوس حقیقت پر مبنی نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ٹیپو سلطان نے میتھیوز کو اس کے کئے کی سزا دینے کے لئے جس کا ادنور اور اننت پور کے حفاظتی دستوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک اور غدار ایاز سے ساز باز اس کے ذہن میں اب تک تازہ تھا اس موقع سے فائدہ اٹھایا لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کے ذہن میں پہلے سے اس قسم کا کوئی خیال موجود تھا اور نہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اگر میتھیوز

کر لئے تھے لیکن فلرٹن نے ان خطوط کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ فلرٹن کا یہ رویہ
دراصل میسور کے ساتھ مدراس کے گورنر کی دورخی پالیسی کا نتیجہ تھا۔ میکارٹنے
نے دو متضاد قسم کے احکامات جاری کئے۔ ایک قسم کے احکامات ٹیپو سلطان کے
افسران کے ذریعے اس امر کے بھیجے کہ فلرٹن کو معاندانہ سرگرمیوں سے احتراز کرنا چاہئے
اور دوسری قسم کے احکامات جو براہ راست بھیجے گئے اس میں جارحانہ کارروائی سے
نہ صرف چشم پوشی بلکہ اس کی ہمت افزائی کی گئی تھی[1]

میکارٹنے کا مقصد یہ تھا کہ ٹیپو سلطان سے سودے بازی میں کمپنی کا پلہ بھاری
رہے۔ لیکن آخر میں یہ محسوس کر کے کہ فلرٹن کے اقدامات صلح کی گفت و شنید میں رکاوٹ
بن رہے ہیں یہ حکم صادر کیا گیا کہ انگریزی افواج اپنی ان حدود میں رہیں جو انہیں ۲۶
جولائی ۱۷۸۲ء کو حاصل ہوئی تھیں۔ ان احکامات کو بجالانے کے دوران وہ ان
شہروں کو بھی جن کو وہ خالی کرتے تھے تاراج کرتے گئے اور اس طرح وہ ایک
لاکھ پگوڈا، غلے کے بڑے بڑے ذخائر، بندوقیں اور جنگی سامان وغیرہ اپنے ساتھ
لے گئے۔

کیمبل ان شدائد و مصائب سے دل برداشتہ ہو چکا تھا جن کو وہ آٹھ ماہ سے
زیادہ عرصہ تک برداشت کرتا رہا تھا۔ اس کی سپاہ کی حالت افسوسناک حد تک
خراب ہو چکی تھی خارش خوفناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ اسپتال فوج کے دو تہائی
حصے سے بھرے ہوئے تھے اور باقی فوج میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے ہتھیار
سنبھال سکیں[2]

---

[1] میکارٹنی سے فلرٹن تک "متفرق فوجی معاملات"
صفحہ ۲۸۳ مورخہ دسمبر ۱۷۸۳ء۔

[2] مدراسی دستاویزات، فوجی مشورے، ۲۰ فروری ۱۷۸۴ء جلد ۹۷-۱-
صفحہ ۵۲۳

آخر کار کیمبل نے اطاعت قبول کر لینے کا فیصلہ کیا اور ۲۹ جنوری ۱۷۸۴ء کو قلعہ ٹیپو سلطان کو ان شرائط کے تحت حوالہ کر دیا جو بقول کیمبل "سپاہ کے انتہائی مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے طے کر سکتا تھا اور نواب نے ان شرائط کو نہایت احترام و پابندی سے پورا کیا۔"[1]

اس دوران میں انگریزوں نے کنانور پر جو اس سے بھی زیادہ اہم قلعہ تھا اور جو ساحل مالابار پر چھوٹی سی موپلہ قوم کی ایک آبادی تھی قبضہ کر لیا۔ میکلوڈ نے بی بی اور ان کے خاندان کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کیا۔ یہ اس معاہدہ کے قطعی خلاف تھا جو انگریز ٹیپو سلطان سے کر چکے تھے میکلوڈ کا حد سے متجاوز ناروا سلوک حکومت مدراس کی ایما سے ہوا تھا لیکن حکومت بمبئی نے اس بنیاد پر کہ میکلوڈ کمپنی کی منظوری کے بغیر خود کوئی کارروائی کرنے کا مجاز نہیں اس معاہدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کو کالعدم قرار دیدیا۔ تاہم معاہدہ منگلور کے بعد کنانور بی بی کو واپس کر دیا تھا۔

جب انگریز جارحانہ کارروائیوں کے ذریعے اپنے حصول مقصد میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ٹیپو سلطان سے مصالحت کر لینے کا ارادہ کیا۔ ٹیپو سلطان فرانس اور انگلینڈ کے درمیان تنازعات کے خاتمہ کے بعد باوجودیکہ فرانسیسی جنگ سے دست کش ہو گئے تھے منگلور میں مورچہ سنبھالے ہوا تھا۔ دوسری طرف جنوب میں مدراس کے شہری اور فوجی ارباب اختیار میں کشیدگی کی بنا پر کمپنی کی طاقت کمزور ہو رہی تھی۔ اور وہ اب اس قابل نہیں رہی تھی کہ زیادہ عرصہ تک جنگ کا بار برداشت کر سکے۔ کچھ اور وجوہ بھی تھیں جن کی بنا پر مدراس کا گورنر میکارٹنی ٹیپو سلطان سے ایک علیحدہ معاہدہ کرنے پر رضامند ہو گیا۔ مزید یہ کہ کورٹ آف ڈائرکٹرز صلح کی فوری ضرورت کے سلسلے میں ہدایات بھیج چکے تھے۔ علاوہ ازیں بنگال کی مالی حالت کی خرابی اور شمالی ہند میں قحط کی امکانی کیفیت کی وجہ سے حکومت بنگال صوبے

---

[1] خفیہ رپورٹ جس کو محب الحسن نے تاریخ ٹیپو سلطان میں نقل کیا ہے۔ ص ۶۱

سے غلہ کی برآمد پر پابندی عائد کرنے پر مجبور تھی۔ گورنر جنرل اور اس کی کونسل ایسی
حالت میں جنگ چھیڑنے کے تصور کو زیادہ عرصہ تک تقویت نہیں پہنچا سکتی تھی
آخری وجہ یہ بھی کہ سندھیا کے یہاں مقیم کمپنی کے ایجنٹ اینڈرسن کا جو مشورہ گورنر
جنرل کو موصول ہو چکا تھا وہ اس امر کی یقین دہانی تھی کہ ٹیپو سلطان سے مصالحت میں
روڑے اٹکانا قطعی بے سود ہے۔

ان اسباب کی بنا پر گورنر جنرل نے حکومت مدراس کو یہ اجازت دیدی
کہ وہ ٹیپو سلطان سے علیحدہ ایک معاہدہ کرلے۔ ۳۱ راکتوبر ۱۷۸۳ء کو انتھونی سیڈلر
اور جارج لیونارڈ اسٹاننٹن انگریزوں کی جانب سے صلح کی گفتگو کے لئے کمشنر مقرر ہوئے
طویل گفت وشنید کے بعد انگریز کمشنر اور ٹیپو سلطان کے نمائندے اپنے مفادات
کے تحت معاہدہ کو آخری صورت دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کمشنروں نے ایک
یادداشت ٹیپو سلطان کی خدمت میں پیش کی جس میں انہوں نے کرناٹک سے دستبردار
ہونے اور انگریزوں کے جنگی قیدی رہا کرنے کا مطالبہ کیا تھا اس کے عوض انگریز
ٹیپو سلطان کے وہ مقبوضات واپس کرنے پر آمادہ تھے جو ان کے قبضے میں تھے
مزید یہ کہ جب .. انگریز قیدی آزاد کردیئے جائیں گے تو کمشنر الور، کاروار، اور
دوسرے مقامات خالی کر دینے کے احکامات جاری کر دیں گے اور باقی قیدی
چھوڑ دینے پر بقیہ علاقہ بھی خالی کر دیا جائے گا۔ اگر ٹیپو سلطان نے ایک ماہ کے اندر
ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس کا مطلب آغاز جنگ ہوگا اور انگریز مرہٹوں
سے مل کر اسے معاہدہ سالبائی جو پیشوا اور کمپنی کے درمیان اس سے قبل ہو چکا تھا
تسلیم کرنے پر مجبور کریں گے۔

ٹیپو سلطان نے ایک شرط کے علاوہ جو مرہٹوں سے متعلق تھی اور جس کا اس
نے یہ جواب دیا تھا کہ انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان معاہدہ میں وہ فریق کی
حیثیت نہیں رکھتا اس لئے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں باقی تمام شرائط
مان لیں۔ انگریزوں کی مرہٹوں سے مل جانے کی دھمکی کا جواب یہ دیا کہ اسکی مدد

کے لئے فرانسیسی موجود ہیں۔ ٹیپو سلطان ان کے تمام معقول مطالبات تسلیم کر لینے پر تیار تھا لیکن غیر مناسب مطالبات کے بجائے اسنے متبادل تجاویز پیش کیں جنہیں انگریزوں نے مسترد کر دیا۔ انگریزوں نے اس مرتبہ معاہدہ کا ایک دوسرا مسودہ پیش کیا جو ۲۹ دفعات پر مشتمل تھا۔ ٹیپو سلطان نے اس مسودہ کی دفعات کو منظور کرنے سے انکار کر دیا اور ۲۲ر فروری کو کمشنروں کو مطلع کیا کہ صلح کی گفتگو ناکام ہو چکی ہے اس لئے وہ آئندہ صبح کو سرنگاپٹم کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

انگریز کمشنر ٹیپو سلطان کے اس فیصلے سے بوکھلا گئے کیوں کہ اس کا مطلب آغاز جنگ تھا اس لئے وہ چند مطالبات سے دستبردار ہو گئے اور کافی غور و خوض کے بعد ایک متفقہ فیصلے پر پہنچ گئے۔ ۷ر مارچ کو شرائط طے ہو گئیں اور ۱۱ر مارچ ۱۷۸۴ء کو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے اس میں معاہدہ سالبائی کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ معاہدہ کی شرائط مناسب تھیں اور اس کی رو سے سابقہ حدود کو برقرار رکھا گیا تھا۔ فریقین کو مفتوحہ علاقہ واپس کرنا تھے اور تمام جنگی قیدیوں کو آزاد کرنا تھا۔ مختصر یہ کہ جیسا[۱] ڈاڈویل کا خیال ہے کہ "انگریزوں نے ٹیپو سلطان سے کم و بیش وہی شرائط طے کیں جو ہسٹنگز نے مرہٹوں سے کی تھیں[۱]۔ اس طرح اس معاہدہ کو ٹیپو سلطان کی حکمت عملی کی فتح کہا جا سکتا ہے۔ وارن ہسٹنگز کی نظر میں یہ صلحنامہ ذلت آمیز تھا اور بورڈ آف کنٹرول نے اس کو اس قدر ناقابل قبول متصور کیا کہ وہ اس کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہو گیا تاہم یہ نہ ہو سکا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ "ان کا یہ اقدام کمپنی کے معاملات کو اور الجھا دے گا" مزید یہ کہ "علاقوں کی واپسی پہلے ہی عمل میں آچکی تھی اور جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہو چکا تھا[۲]"

مغربی ناقدین نے ان مفادات کو جو اس معاہدہ سے ٹیپو سلطان کو حاصل ہوئے

---

[۱] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۵ ص ۲۸۸

[۲] خفیہ معاملات (سیکریٹ پروسیڈنگ) ؛ بورڈ کی روئداد مورخہ ۲۰ر اپریل ۱۷۸۴ء بحوالہ محب الحسن خان نے تاریخ ٹیپو سلطان میں دیا ہے۔

تھے ۔ خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا انہوں نے انگریزوں کی ان جنگی و مالی مشکلات کو قطعی نظر انداز کر دیا جو انہیں اس علاقہ میں اپنے وقار کو قائم رکھنے میں پیش آ رہی تھیں۔ ڈاڈویل کی یہ رائے صحیح ہے کہ "شکست سے لوگوں کے دماغ جھلائے ہوئے تھے اس لئے صلحنامہ بہت سے افسانہ طرازوں کا موضوع بن گیا"۔ ٹیپو سلطان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے نمائندوں کے ساتھ ایسا نازیبا اور تحقیر آمیز برتاؤ کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے اس نے ان کی قیامگاہ کے مقابل پھانسی کے تختے لٹکوا دیئے تھے اور اس قدر خوف و ہراس میں رکھا تھا کہ انہیں یہاں سے راہ فرار اختیار کر کے منگلور سے دور لنگر انداز انگریزی جہازوں میں پناہ لینے کی کوشش کرنا پڑی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانے بمبئی کی راہ مشتہر ہوتے ہوئے کلکتہ تک پہنچ گئے اور انہوں نے خوب منافرت پھیلائی مگر حقائق ان سے بہت مختلف تھے ۔ کمشنروں نے خود اپنی مرضی سے پھانسی کے ان تختوں کے قریب اپنے خیمے نصب کئے تھے جو منگلور کی سپردگی سے قبل ٹیپو سلطان نے فوج کے ان افسروں کو سزا دینے کے لئے لٹکوائے تھے جو محمد علی کی رہنمائی میں تھے اور جنہوں نے منگلور کے قلعے میں متعینہ انگریز محافظ دستے کے کمانڈر کرنل کیمبل کے لئے خبر رسانی کی خدمت انجام دی تھی۔ غالباً ٹیپو سلطان نے پھانسی کے تختے لٹکوانے کے لئے بلند مقامات منتخب کئے تھے تاکہ قلعہ کا انگریزی محافظ دستہ دیکھ سکے کہ ان کے بااثر وطاقتور دوستوں کا کیا حشر ہو چکا ہے۔ جب انگریز کمشنر یہاں پہنچے تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کے خیمے بلند مقامات پر نصب کرائے جائیں تاکہ اشارات کے ذریعہ خبر رسانی میں آسانی ہو یہ سبب تھا جس کی بنا پر ان کے خیمے پھانسی کے تختوں کے قریب لگائے گئے تھے ۔ انگریزوں کو بالجبر اسلام قبول کرانے کی الزام تراشی قطعی بے بنیاد ہے ۔ دراصل کمپنی قبل از وقت معاہدۂ صلح سے بد دل تھی کیونکہ اس طرح اسے ملک کا کوئی ٹکڑا حاصل نہ

لہ ولکس کے جنوبی ہند کے تاریخی جائزے بسلسلہ تحقیق تاریخ میسور نے تمام تالیفات سے زیادہ ان افسانوں کو شہرت دینے میں مدد دی ہے ۔

ہو سکا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انگریزوں نے منگلور کے معاہدہ کو محض ایک وقفہ جنگ قرار دیا۔

ٹیپو سلطان کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ برصغیر سے انگریزوں کو نکال دے۔ اس مقصد کے تحت جہاں بھی امید نظر آئی اس نے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس حصول مقصد میں جس کی خاطر وہ اتنی جدوجہد کر رہا تھا اس کی یہ بدقسمتی رہی کہ فرانسیسیوں کی امداد کے علاوہ جو زیادہ پُر اثر اور مستقل نہ تھی اسے کہیں سے سہارا نہ مل سکا۔ مرہٹے اور نظام جنہوں نے عنقریب پیش آنے والے خطرہ سے نہ صرف نگاہیں پھیر لی تھیں بلکہ خود اسی کے خلاف لڑنا بھی گوارا کیا۔

مرہٹے ٹیپو سلطان سے حسد رکھتے تھے۔ حیدر علی کے زمانے ہی میں انہوں نے میسور کی ابھرتی ہوئی طاقت کو کچلنا چاہا تھا۔ لیکن حیدر علی نے اپنی حکمت عملی سے میسور کو مرہٹوں کے خطرہ سے بچا لیا تھا۔ بعد ازاں جب نومبر ۱۷۷۲ء میں مادھو راؤ کا انتقال ہو گیا اور مرہٹوں میں افتراق پیدا ہوا تو حیدر علی نے اپنی طاقت کو بڑھایا اور ۱۷۷۸ء تک اس نے اپنی سلطنت کو کرشنا کے دائیں کنارے تک وسیع کر لیا۔ نانا فرنویس خون کے سے گھونٹ پیتا رہا لیکن حیدر علی کے مرنے کے بعد نانا نے کھوئے ہوئے علاقے کی واپسی کے لئے مرہٹوں کے مطالبہ کو زور شور سے پیش کرنا شروع کر دیا۔ ٹیپو سلطان نے اسے مسترد کر دیا۔ اس غیر تسلی بخش رویہ پر نانا نے انگریزوں پر زور ڈالا کہ وہ ٹیپو سلطان کو زیر کرنے کے لئے اس کی امداد کریں۔ دوسری جنگ میسور کے دوران نانا فرنویس نے انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان ثالث بننے کی پیش کش کی تھی تاکہ پونا اور بیرونی علاقوں میں اس کا وقار بلند ہو جائے لیکن ٹیپو سلطان نے مرہٹوں کا موکل بننے سے انکار کر دیا تھا اور علانیہ معاہدہ سالبائی کی تحقیر کی تھی اس نے مرہٹوں کو ثالث بنائے بغیر انگریزوں سے علیحدہ صلح کی۔ ٹیپو سلطان اس جنگ میں تقریباً فاتح ثابت ہو چکا تھا اور اس کی عظمت دوبالا ہو گئی تھی۔ مرہٹوں نے اس کی طاقت کو پامال کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس مقصد کے تحت ۱۷۸۴ء میں نظام کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ نظام نے

جو ان ہی کی طرح ٹیپو سلطان کی جانب سے گرد کدورت رکھتا تھا، اس کو قبول کر لیا۔ اتحادیوں نے آئندہ سال مشترکہ طور پر میسور پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ حیدر علی کے زمانہ کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے کر ٹیپو سلطان کی بقیہ سلطنت پر بھی قبضہ کیا جائے اور باہمی طور پر مساویانہ تقسیم کر لیا جائے۔[1]

ٹیپو سلطان کو جب اس معاہدہ دوستی کی خبر ہوئی تو اس نے نظام سے بیجا پور کی صوبیداری کا مطالبہ کیا۔

نظام نے اس صورت سے مطلع کرنے کے لئے نانا کے پاس اپنا ایلچی بھیجا لیکن وہ اس قابل نہ تھا کہ فوری امداد روانہ کر سکتا۔ تاہم نانا بھی نارگنڈ کے معاملہ میں ٹیپو سلطان سے الجھ پڑا۔

نارگنڈ کی معمولی سی ریاست کا حکمراں ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں اور مرہٹوں سے سازشیں کرتا رہتا تھا۔ مزید یہ کہ فرمانروائے نارگنڈ وینکٹ راؤ ڈیسائی نے ٹیپو سلطان کو خراج بھیجنا بند کر دیا اور اس کی اطاعت سے اعلانیہ انکار کر دیا۔ وہ اس حد تک بڑھا کہ مدن پالی کے پولی گردن کی مدد سے ٹیپو سلطان کی مملکت پر حملہ تک نوبت پہنچ گئی۔

ٹیپو سلطان نے پہلے اسے متنبہ کیا کہ وہ اپنے قدم پیچھے ہٹالے اور خراج ادا کردے۔ لیکن وینکٹ راؤ کے انکار پر ٹیپو سلطان نے اس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج برہان الدین کی قیادت میں روانہ کی اور ایک ایلچی پونا بھیجا تاکہ وہ نانا کو ڈیسائی کی طرفداری سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن نانا ایسے مشورے کب ماننے والا تھا اس نے پرشرام بھاؤ کو وینکٹ راؤ کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ اس وقت برہان الدین نارگنڈ شہر پر قبضہ کر چکا تھا جب نانا کو یہ اطلاع موصول ہوئی تو اس نے تکوجی ہلکر کو ایک

---

[1] 'حدیقۃ العالم'، ص ۲۴۷ - نظام اور مرہٹوں کے خلاف جنگ کے نئے نقشان حیدری حاشیہ ص ۲۹۹ ملاحظہ کیجئے۔

لشکر جرار کے ساتھ بھاؤ کی مدد کے لئے بھیجا۔

ٹیپو سلطان مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہشمند تھا لیکن یہ واضح رہے کہ وہ اپنے باپ کے مفتوحہ علاقوں سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ جب نانا نے ونکٹ کے معاملہ کو بنائے مخاصمت بنالی تو ٹیپو سلطان اپنے معاملات میں اس مداخلت سے متنفر ہوگیا اور معاملہ اس وقت اور طول پکڑ گیا جب پرشرام بھاؤ نے میسور کی فوج پر حملہ کیا۔ قمرالدین کو برہان الدین کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔ کمک پہنچنے پر برہان الدین نے اپنی فوجوں کو نارگنڈ اور رمنولی پر حملہ کے لئے بڑھایا اور یہ دونوں کچھ زیادہ کشت و خون کے بغیر فتح کر لئے گئے۔ نارگنڈ کی شکست کے دوران ونکٹ راؤ اور اس کا وزیر کالوپنت گرفتار کر لئے گئے اور ان کو مع ان کے خاندانوں کے کبل درگا بھیجدیا گیا۔ یہ بہتان کہ ڈیسائی کی لڑکی کو حرم سلطانی کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا حقیقتاً بے بنیاد ہے۔ اس کی تصدیق و توثیق مرہٹوں کی تاریخی دستاویزوں سے ہوتی ہے نہ اس سلسلے میں کوئی دوسری قوی شہادت ملتی ہے۔ نارگنڈ پر قبضہ کے بعد برہان الدین نے کتور، ڈاردار، خان پور، سادا، ماسکوٹ، پادشاہ پور، تبوتی پر جن کے نزاع کا حکومت کے وفادار نہیں تھے قبضہ کر لیا۔

ٹیپو سلطان کی کامرانی نانا فرنویس کے لئے دلشکن تھی۔ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لئے اس نے بڑے پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور انگریزوں، نظام اور دوسرے مرہٹہ سرداروں سے اتحاد کا خواہاں ہوا۔

انگریزوں کے علاوہ تمام اتحادی میسور پر حملے کے لئے یادگیر کے مقام پر جمع ہوئے نظام اور نانا فرنویس میں بیجاپور کے سوال پر بحث چھڑ گئی۔ نانا نے اسے نظام کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ نانا اور ہری پنت نے نظام کو روکنے کی بہت کوششیں کیں مگر وہ ۲۵ راپریل ۱۷۸۶ء کو حیدرآباد چلا گیا اور تہور جنگ کی کمان میں ۲۵،۰۰۰ فوج چھوڑ گیا۔

اتحادیوں کی افواج بادامی کی طرف بڑھیں۔ اور انہوں نے یکم مئی ۱۷۸۶ء

کو حملے کا آغاز کر دیا۔ سخت مقابلے کے بعد قلعہ کے کمان دار نے جو بالشبہ پانی کی کمیابی کے سبب مجبور ہو گیا تھا غیر مشروط طور پر ۱۲ر مئی ۸۶ ۱۷ء کو قلعہ حوالے کر دیا۔

بادامی پر قبضہ کے بعد نانا پونا کی طرف، مادھوجی بھونسلہ ناگپور اور پرشرام تیس گاؤں کی جانب چلے گئے اور اپنے بجائے اپنے بیٹوں اور کمانداروں کو حملہ از سرِ نو جاری کرنے کے لئے چھوڑ گئے۔ مہم کی قیادت ہری پنت کے سپرد ہوئی۔ جون ۱۷۸۶ء میں وہ گجیندر اگڑھ کی طرف بڑھا۔ رجب خان نے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے دشمن سے رشوت لے لی تھی، قلعہ حوالے کر دیا۔

تکوجی ہلکر اور بہرونیت دوسرے مقامات پر مصروفِ جنگ تھے برہان الدین نے حفاظتی اقدام کے طور پر خود کو دھروار میں قلعہ بند کر لیا تھا جب ہلکر سوانور کی طرف بڑھا تو برہان الدین نے جو ہلکر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا۔ سوانور کے قریب اس پر حملہ کر دیا لیکن مرہٹوں کی مشترکہ افواج نے اسے پسپا کر دیا۔ وہ وارداپر واقع مقام جران ولی کی طرف ہٹ گیا جو سوانور سے ۱۰ میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع تھا۔

مارچ اور جون کے دوران بہت سی جھڑپیں ہوئیں لیکن صورتِ حال میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ گو مرہٹوں کی فوج کی تعداد ٹیپو سلطان کے ماتحت افواج کی تعداد سے زیادہ تھی لیکن اس کے لئے یہ نوعیت جارحانہ نہیں تھی۔ وہ محض حفاظتی تدابیر اختیار کرتا رہا۔ مختصر دستوں کو لئے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ محصور محافظ دستوں کو امداد پہنچانے کے لئے کوشاں رہا لیکن بعض ہندو افسران کے غدارانہ طرزِ عمل کی وجہ سے جو ہلکر اور بہرو سے مل گئے تھے کتور، دھاروار، اور لکشمی سوار کے ضلعوں کے اہم مقامات کو مرہٹوں سے بچایا نہیں جا سکا۔ صرف کتور اور دھاروار کے قلعے ٹیپو سلطان کے قبضہ میں رہے۔

سلطان نے اپنی حکمتِ عملی سے اس اتحاد کو توڑنا چاہا لیکن اس کی کوششیں ناکام رہیں جب کوئی صورت باقی نہ رہی تو وہ بنگلور کی طرف چل دیا تاکہ وہاں کچھ

حفاظتی تدابیر اختیار کرسکے یہاں پہنچکر پھر اس نے تنازعات کو امن وصلح سے ختم کرنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی ناکام رہا۔ آخرکار وہ ایک کثیر فوج لیکر بنگلور سے ادھونی کی طرف روانہ ہوا۔

اس کی یہ پیش قدمی اتحادیوں کے لئے قطعی غیر متوقع تھی وہ یہ سوچ رہے تھے کہ سلطان برہان الدین کے آڑے وقت میں اس کی مدد کے لئے پہنچے گا۔ ٹیپو سلطان کی فوج کشی کا مقصد مرہٹوں کی توجہ کو جو برہان الدین پر پورا دباؤ ڈال رہے تھے اس طرف مبذول کرنا تھا۔

اس حیرتناک خبر کو سنتے ہی ہری پنت نے فوراً نظام کے دستوں کو ادھونی کی طرف تیزی سے بڑھنے اور امداد پہنچانے کا حکم دیا۔ نظام نے بھی ۱۵۰۰۰ فوج مغل علی خاں کی سرکردگی میں روانہ کی۔ ہری پنت خود بھی اس طرف بڑھا۔ بنور کے مقام پر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے مل گئیں اور تنگ بھدرا کو عبور کر کے ادھونی کی جانب بڑھیں۔ گھمسان کی جنگ ہوئی اور اگرچہ دونوں ہی فریقین فتح کے دعویدار تھے تاہم کوئی فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا کچھ عرصہ بعد جب مرہٹوں کی رسد کی آمد کے ذرائع غیر محفوظ ہو گئے تو انہوں نے ادھونی خالی کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے اس فیصلے پر ۲ جولائی ۱۷۸۶ء کو عمل کیا۔ سلطان نے ادھونی کے شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور تنگ بھدرا عبور کرنے سے پیشتر اسے اچھی طرح مستحکم کر لیا۔

ٹیپو سلطان نے تنگ بھدرا کو اس کی طغیانی کے باوجود عبور کیا اور آلگا میں خیمہ زن ہوا جو ندی کے شمال میں جنگی لحاظ سے نہایت اہم مقام تھا۔ ہری پنت کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ اس بہادرانہ اقدام سے حیرت زدہ ہو گیا اور اپنی تمام فوج لیکر مقابلے کے لئے بڑھا اور ٹیپو سلطان کے لشکرگاہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر کلکیری میں مقیم ہوا۔ دونوں فوجوں میں بہت سی جھڑپیں ہوئیں لیکن کوئی بڑا معرکہ نہیں ہوا۔

اس دوران میں جب کلکیری میں ہلکر بھی ہری پنت سے مل گیا تو مرہٹہ فوج کی طاقت اور بڑھ گئی لیکن کچھ عرصہ بعد سخت مشکلات پیش آنے لگیں۔ رسد میں کمی

واقع ہونے لگی اور وبا پھوٹ پڑی۔ اس لئے ہری پنت کو سوانور چلا جانا پڑا۔ ٹیپو سلطان نے تعاقب کیا اور اس کے حملوں نے مرہٹوں کی صفوں میں سراسیمگی پیدا کر دی۔ کافی نقصانات اٹھانے کے بعد انہیں سوانور شہر کے بائیں جانب پسپا ہونا پڑا۔ یہاں بھی انہیں سلطان کے ہاتھوں پے در پے نقصانات اٹھانا پڑے۔ ہری پنت نے سوانور بھی چھوڑ دیا اور مشرق کی جانب ہٹ گیا۔ کلکیری کے مقام پر ٹیپو سلطان نے اتحادیوں پر شب خون مارا اور ان کی طاقت کو پراگندہ کر دیا۔ اس فتح کے بعد فوراً ہی اس نے بہادر بندہ پر جو ایک مستحکم قلعہ تھا قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں ٹیپو سلطان نے دشمن کو پریشان کرنا شروع کر دیا اور وہ انہیں شدید نقصانات پہنچاتا رہا۔

اس کامیابی کے باوجود بھی ٹیپو سلطان نے مرہٹوں سے صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ نانا نے ان تمام مخلصانہ درخواستوں کو انگریزوں کی جانب سے فوجی امداد کے بھروسہ پر مسترد کر دیا۔ لیکن جب کارنوالس نے پیشوا کی مدد کرنے سے مجبوری ظاہر کر دی تو نانا نے ہری پنت کو ٹیپو سلطان کی صلح کی شرائط معلوم کرنے کی اجازت دی۔

ٹیپو سلطان نے یہ شرط پیش کی کہ مرہٹے تنگ بھدرا سے کرشنا تک اس کی فرمانروائی کو تسلیم کر لیں اور اس کے عوض میں وہ ۴۸ لاکھ روپیہ پیش کرنے کو تیار ہے۔ یکے بعد دیگرے بہت سی تجویزوں پر تبادلہ خیالات کے بعد صلح کی گفتگو ان شرائط پر طے پائی کہ ٹیپو سلطان کالوپنت کو رہا کر دے اور ادھونی، نارگنڈ اور کتور کو ان کے متعلقہ حکمرانوں کے سپرد کر دے۔ سوانور سلطان کے قبضہ میں رہے اور آئندہ سے اتحادی بھی اس کی فرمانروائی تسلیم کر لیں گے اور اسے پادشاہ یا نواب ٹیپو سلطان فتح علی خاں کے لقب سے یاد کریں گے۔ ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے درمیان اس صلحنامہ پر اپریل ۱۷۸۷ء کو دستخط ہو گئے۔

بلاشبہ یہ صلح ٹیپو سلطان کی حکمت عملی کی شکست تھی۔ لیکن وہ لارڈ کارنوالس کی جنگی تیاریوں اور سازشی تدابیر کے پیش نظر مرہٹوں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا۔

ادھونی سے واپس ہوتے ہوئے ٹیپو سلطان نے ریادرگ اور ہرپانا پلی کو حکومت میسور میں شامل کر لیا۔ سرنگا پٹم پہنچکر پادشاہ کا لقب اختیار کیا اور اس موقع پر ۷ لاکھ روپئے غربا، و فقراء میں تقسیم کئے خطبہ میں از کار رفتہ مغل شہنشاہ کے نام کے بجا ئے اس کا نام لیا گیا۔ تقریباً اس زمانے میں ٹیپو سلطان نے نیا سکہ جاری کیا جس کو امامی کا نام دیا گیا۔ سنہ ہجری رائج کیا[۲] اور قیمتی پتھروں سے مرصع شیر کی شکل کا طلائی تخت تیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک دارالعلوم اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔

ٹیپو سلطان مرہٹوں سے جنگ کے دوران فرانسیسیوں کے رویہ سے جنہوں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی تھی اور غیر جانبدار رہے تھے، قطعی ناامید ہو گیا تھا۔ غالباً وہ جنوبی ہند کی طاقتوں کو باہمی جنگ وجدل سے روکنا چاہتے تھے اور ان کو انگریزوں کے خلاف اس طرح متحد کر دینا چاہتے تھے کہ وہ ایک وفاق کی صورت میں اپنی قیادت خود کریں۔

میسور کے خلاف دکن کی طاقتوں اور انگریزوں کے ساز باز کے خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اور ہندوستان میں مقیم فرانسیسیوں کی جانب سے لوئی شانزدہم کے دربار میں ایک سفارتی وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ فرانسیسی حکومت سے اشتراک کی براہ راست گفتگو کی جائے اور اپنے دشمنوں کے خلاف فوجی امداد حاصل کر ے

---

[۱] ٹیپو سلطان کے سکوں کے لئے ملاحظہ کیجئے 'نشان حیدری' ص ۲۲۷۔ نیز حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے سکے، از ہینڈرسن اور 'ٹیپو سلطان کے سکے'، از ٹیبل

[۲] ٹیپو سلطان کی کیلنڈر میں اصلاح کے لئے ملاحظہ کیجئے 'نشان حیدری' ص ۲۲۷-۲۸ نیز 'میسور' از لیوس رائس (جلد اول ص ۸۱۱) 'ثقافت اسلامیہ' از ڈاکٹر ہدایت حسین (جلد ۱۶، ص ۱۶۱) اور 'ٹیپو سلطان کے خواب' مرتبہ محمود حسین

یہ سفارت بھی اسی وفد کے سپرد کی تھی جس کو اس نے پہلے ہی ۱۷۸۵ء کے اواخر میں ترکی بھیجا تھا۔ قسطنطنیہ میں اپنا کام انجام دے کر سفراء کو پیرس کے لئے روانہ ہونا تھا لیکن وہ قسطنطنیہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور ٹیپو سلطان نے انہیں واپس بلالیا۔

جنوری ۱۷۸۷ء میں ٹیپو سلطان نے ایک دوسری سفارت فرانس روانہ کی پیرس میں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ لوئی شانزدہم نے سفراء کو شرفِ باریابی بخشا اور خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازا۔ اس نے ٹیپو سلطان سے دوستانہ مراسم برقرار رکھنے کا یقین دلایا اور خیر سگالی کے طور پر ٹیپو سلطان کی خواہش کے بموجب سفراء کو اپنے ساتھ ایک طبیب، ایک جراح اور بہت سے صناع لے جانے کی اجازت دی لیکن ٹیپو سلطان سے جارحانہ و مدافعانہ کارروائیوں میں اتحاد کے متعلق اس نے سفرا کو یہ جواب دیا کہ وہ اس سلسلے میں معذور ہے کیونکہ یہ معاہدہ مارسیلیز کی خلاف ورزی ہوگی اور اس کے نتیجے میں انگریزوں سے جنگ چھڑ جائیگی اور چونکہ فرانس اقتصادی اور سیاسی بحران کا شکار ہے اس لئے اس قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

ٹیپو سلطان اس بات پر تو کافی مسرور ہوا کہ سفراء اپنے ہمراہ صناع و فنکار لائے ہیں لیکن فرانس سے جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ کے سلسلے میں اپنی روانہ کردہ سفارت کی ناکامی سے کافی مایوس ہوا۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ٹیپو سلطان نے ۱۷۸۵ء کے اواخر میں ایک سفارت ترکی بھیجی تھی۔ دراصل اس میں اس کے بہت سے اغراض پوشیدہ تھے اول یہ کہ سفراء کو خلیفہ سے عطائے مسند نشینی کا فرمان نامہ حاصل کرنا تھا۔ دوم انگریزوں کے خلاف جو اس کے قومی حریف اور اس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے، فوجی امداد کا وعدہ لینا تھا سوم یہ کہ سلطنت عثمانیہ میں تجارتی مراعات حاصل کرنا اور قسطنطنیہ سے ایسے ماہرین صنعت کی فراہمی تھی جو میسور میں مختلف قسم کی صنعتیں جاری کر سکیں اور انہیں ترقی دے سکیں۔ ٹیپو سلطان اپنی مملکت میں تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ دینے کا بہت زیادہ خواہشمند تھا اس کا یہ نظریہ تھا کہ مسلمانوں کے سیاسی

زوال کا راز تجارت وصنعت وحرفت سے غفلت ہے۔ چونکہ یوروپی اقوام نے نہایت سنجیدگی سے ان کو اپنایا اس لئے وہ طاقتور بن گئیں۔ ٹیپو سلطان کے سفراء تقریباً تمام مقاصد میں ناکام رہے وہ ٹیپو سلطان کے فرمانروائے میسور اور ایک خود مختار بادشاہ ہونے کی سند حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوئے لیکن باقی مقاصد تشنہ تکمیل رہے۔ اس موقعہ پر روس اور آسٹریا، ترکی کو جنگ کی دھمکیاں دے رہے تھے اس لئے وہ میسور کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر انگریزوں کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتا تھا۔ مزید یہ کہ انگریزوں نے عثمانی حکومت پر اپنا سفارتی دباؤ بھی ڈالا تھا تاکہ وہ ہندوستان میں ان کے مفادات کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔ اس طرح یہ سفارت بھی وہ گوہر مقصود نہ پا سکی جس کے لئے دور دراز کی مسافت طے کی گئی تھی[۱]

انگریز صلحنامہ منگلور سے خوش نہ تھے اس معاہدہ کے مرتب ہونے کے وقت سے ہی وہ ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنا رہے تھے اور جنوبی ہند کی دوسری طاقتوں خصوصاً نظام اور مرہٹوں سے متواتر سازشیں کر رہے تھے۔ وہ ٹیپو سلطان کی مملکت میں شورشیں اٹھانے کی فکر میں تھے اور اس کی سرکش رعایا کو پناہ دے رہے تھے۔

مرہٹوں اور میسور کی جنگ کے دوران انہوں نے کسی فریق کے ساتھ نہیں دیا تھا۔ فی الحال وہ اپنی طاقت کو بڑھانا چاہتے تھے میسور اور مرہٹوں کی جنگ یقیناً دونوں حریفوں کی طاقت کو کمزور کر دینے والی تھی۔ انگریز یہ سمجھتے تھے کہ انہیں جلد یا بدیر ہندوستان میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے حکومت میسور سے لڑنا ہوگا۔ لیکن اس سے قبل وہ حکومت میسور کو کمزور حالت میں دیکھنا چاہتے تھے۔

---

[۱] ٹیپو سلطان کی عثمانی خلیفہ سے خط وکتابت کے سلسلہ میں دیکھئے حکمت بایلر کی "میسور سلطانی ٹیپو ایل عثمانلی پادشاہ لارندان اول۔ عبدالحمید دی اے سوم۔ سلیفی ادا سندکی مکتوبلارنا۔ انقرہ ۱۹۴۸ء

مرہٹوں اور نظام کی مشترکہ افواج کی ٹیپو سلطان کے ہاتھوں شکست کے بعد ہی سے انگریزوں نے میسور سے فیصلہ کن جنگ کے لئے نہایت سنجیدگی سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ان تیاریوں کی رفتار اس وقت اور تیز ہوگئی جب انہوں نے ٹیپو سلطان کی ان سفارتی تدابیر کے متعلق سنا جو اس نے فرانس اور ترکی سے امداد حاصل کرنے کے لئے کی تھیں۔

لارڈ کارنوالس جو اس وقت گورنر جنرل تھا ٹیپو سلطان کی طاقت کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا پہلے اس نے اپنی توجہ کمپنی کی افواج اور مالیات کو منظم کرنے کی طرف مبذول کی۔ دسمبر ۱۷۸۷ء تک وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے ٹیپو سلطان کے خلاف مرہٹوں اور نظام سے اتحاد قائم کرنے کے لئے گفت و شنید شروع کی۔ لارڈ کارنوالس نے مرہٹوں کو یقین دلایا کہ وہ تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیان کا تمام علاقہ ٹیپو سلطان سے واپس لے کر ان کے حوالے کر دیگا اسی طرح کارنوالس نے نظام کی حرص و ہوس کو ان علاقوں کی بازیابی کا سبز باغ دکھا کر جو حیدر علی نے اس سے چھین لئے تھے۔ خوب بھڑکایا غرضکہ جب انتظامات مکمل کر کے ٹیپو سلطان سے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا لیکن جنگ کے لئے کوئی حیلہ تراشنا ضروری تھا۔

جلد ہی جنگ کا جواز حاصل ہو گیا۔ ٹیپو سلطان نے ٹراونکور کے راجہ پر اس کی بدمعاملگی کی سزا دینے کے لئے حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے اس جھگڑے میں ٹانگ اڑانے کا فیصلہ کیا۔ ٹیپو سلطان فوجی طاقت کے استعمال کئے بغیر اپنی جانب سے معاملہ فہمی کے لئے تیار تھا لیکن کارنوالس مصالحت کا نہیں بلکہ جنگ کا خواہاں تھا اور اس سلسلہ میں اس نے گورنر مدراس میڈوز کو تحریر کیا تھا کہ

"اس وقت ہمیں ملکی طاقتوں سے امداد کے کافی مواقع حاصل ہیں اور ٹیپو سلطان کو اس کے برعکس فرانس سے امداد کی کوئی امید نہیں۔"

انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف ایک اتحاد قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں کارنوالس ہندوستانی زمانروائوں اور خصوصاً پیشوا سے مدد حاصل کرنے کی فکر میں تھا تاکہ جنگ تیزی سے ختم ہو جائے ۔ یہ صرف کمپنی کے مالیات کے پیش نظر نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس کو فرانس سے آنے والی امداد سے بھی محروم رکھا جا سکے ۔ حصول مقصد میں اس نے ترغیب اور خوشامد تک سے کام لیا ۔ دھمکیاں بھی دیں اور ہندو حکمرانوں کے مذہبی جذبات کو بھی ابھارا ۔ طویل گفت و شنید کے بعد نانا اور کمپنی کے درمیان ٹیپو سلطان پر مشترکہ طور پر حملہ کرنے کے لئے یکم جون ۱۷۹۰ء کو معاہدہ کی تکمیل ہوگئی ۔ اس دوران میں سلطان اپنے خلاف اس قسم کے منصوبہ کے تکملہ کو روکنے کی کوشش کرتا رہا لیکن انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے وکلاء کی پونا میں موجودگی پر نانا سے احتجاج کر کے ان کو رخصت کر دینے پر مجبور کر دیا ۔ نانا اب یقینی طور پر انگریزوں کا دست و بازو بن چکا تھا ۔ وہ اس عرصہ میں ٹیپو سلطان کے وکیلوں سے گفت و شنید کیوں کرتا رہا اس کا سبب محض یہ تھا کہ وہ رقم بھی اینٹھنا چاہتا تھا جس کی پیشکش انگریزوں کی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھانے کی صورت میں کی جا رہی تھی ۔

حالیہ معاہدہ کے تحت مرہٹوں اور نظام کو فوراً ہی ٹیپو سلطان کے شمالی مقبوضات پر حملہ کرنا تھا ۔ انگریزوں کو دو بٹالین مرہٹوں اور نظام کے لئے مہیا کرنا تھیں لیکن ان کے اخراجات کا بار مرہٹوں کو برداشت کرنا تھا ۔ فتح کی صورت میں تمام مفتوحہ علاقہ کی مساویانہ تقسیم قرار پائی تھی ۔ وہ پولیگر اور زمیندار جو پہلے سے پیشوا اور نظام کے اطاعت گذار تھے اور وہ جن کی ملکیتیں حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے ضبط کر لی تھیں نذرانہ گذارنے پر اپنی اپنی جاگیروں پر بحال کر دیے جائیں گے اور نذرانہ تینوں طاقتوں میں مساویانہ تقسیم کر لی جائیگی اس کے بعد وہ پیشوا اور نظام کے باجگذار رہیں گے ۔

معاہدوں کی تکمیل کے بعد کارنوالس نے ٹیپو سلطان کے ماتحت حکمرانوں اور سرکش رعایا کا تعاون حاصل کرنے کے لئے جال پھیلائے اس نے حکومت بمبئی کو لکھا کہ وہ مالا بار کے سرداروں کو ٹیپو سلطان کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے اور اس معاملہ میں انہیں اپنی امداد کا یقین دلائے ۔

کنا نور کی بی بی، کرگ، کوچین، چراکال، کا دتا ند کو تیام، کے راجاؤں سے معاہد ہوئے۔ میسور کی رانی لکشمی سے بھی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی۔ جنرل میڈوز نے ۱۷۹۰ء میں اسے یہ پیغام بھیجا تھا کہ اگر اتحادی جنگ میں کامیاب ہو گئے تو انگریز بڑی خوشی کے ساتھ میسور پر اس کے حقیقی فرمانروا کو متمکن کر دیں گے لیکن سلطنت کے علاقوں کی تقسیم کے مسئلہ پر بعد کو غور و خوض ہو گا۔

اس دوران میں ٹیپو سلطان بھی خاموش نہیں بیٹھا۔ ہندوستانی حکمرانوں میں وہ واحد شخص تھا جس کی نظر ہندوستان سے باہر امداد کی تلاش میں ہوئی۔ اس نے پونا میں انگریزوں کے بچھائے ہوئے جال کو توڑنا چاہا۔ اسی طرح اس نے نظام کو انگریزوں کے ساتھ دینے کے بجائے اپنی طرف بلانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن جس طرح اس کی کوششیں پونا میں ناکام رہیں اسی طرح حیدرآباد میں بار آور نہ ہو سکیں اور بے سود ثابت ہوئیں۔ فرانسیسیوں سے امداد حاصل کرنے کی کوشش کی اس نے لوئی شانزدہم کو بار بار خطوط روانہ کئے اور موقع کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا لیکن فرانس کے اندرونی حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ شہنشاہ فرانس کسی قسم کی امداد دینے سے قاصر تھا۔ غرضیکہ میسور اور انگریزوں کے درمیان دوسری جنگ کے برعکس اس تیسری جنگ میں ٹیپو سلطان کو انگریزوں، مرہٹوں اور نظام کی متحدہ قوت سے تنہا ٹکر لینا تھا۔

انگریزوں نے حملہ کی تجویز کے مطابق جنرل میڈوز کو مرکزی فوج کے ساتھ پہلے صوبہ کامبٹور اور گھاٹ کے سرحدی اضلاع پر قبضہ کرنا تھا اور رسد کی فراہمی کے لئے اس زرخیز علاقے پر قابض ہو کر اسے درہ گجل ہٹی کی راہ میسور کی حدود میں داخل ہونا تھا۔ دوسری طرف سے جنرل ایبر کرومبی کو ٹیپو سلطان کے ساحل مالا بار کے مقبوضات پر قبضہ کرنا تھا اور جنرل کیلی کو کرناٹک کی حفاظت کے لئے کارومنڈل کے مرکز سے بارہ محل میں داخل ہونا تھا۔

جنرل میڈوز نے ۲۶ مارچ ۱۷۹۰ء کو مجوزہ حملے کا آغاز کیا۔ وہ کامبٹور کی جانب بڑھا اور ۲۱ جولائی کو کسی مزاحمت کے بغیر اس پر قابض ہو گیا کیوں کہ شہر

خالی کر دیا گیا تھا۔[1]

ٹیپو سلطان نے میر معین الدین خاں کو جو سید صاحب کے نام سے مشہور تھے انگریزوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بھیجا مگر انگریزوں کی مسلسل دانشمندانہ تدابیر اور تیزی و تندی کے سامنے سید صاحب کے قدم نہ جم سکے اور آخر کار جب زیادہ دباؤ پڑا تو میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اب انگریزوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی پیش قدمی کے لئے راستہ صاف ہو چکا تھا انہوں نے ڈنڈی گل تک تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا اس کے بعد پال گھاٹ بھی ان کے قبضہ میں آ گیا اور پھر سیتا منگلم بھی نہ بچ سکا۔

جس وقت انگریز اپنے استحکام میں لگے ہوئے تھے ٹیپو سلطان ۲۴ مئی کو کامبیٹور کے سامنے نمودار ہوا جون کے پورے مہینے وہیں مقیم رہا اور حملہ کے ارادہ سے میڈوز کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہا لیکن جب اس نے انگریزوں کی رفتار کو سست پایا تو وہ سرنگا پٹم واپس چلا گیا۔ کافی تیاری کرنے کے بعد ۲ ستمبر کو ۴۰۰۰۰ فوج اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر سرنگا پٹم سے روانہ ہوا۔ انگریزی فوج سے پہلا مقابلہ سیتا منگلم کے مقام پر ہوا جس میں وہ کامیاب رہا اس نے بعد مختلف مقامات پر انگریزی فوج کو شدید ضربیں پہنچائیں۔ ۱۰ نومبر کو کیلی کے جانشین کرنل میکسویل کی فوج تباہ ہونے سے بال بال بچی کیونکہ چھ دن بعد میڈوز مدد کے لئے پہنچ گیا تھا اس طرح انگریزی سپاہ کو بچا لیا گیا۔ لیکن ٹیپو سلطان کی تیز نقل و حرکت اب بھی ان کے لئے خطرہ کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ ضروری خیال کیا گیا کہ کارنوالس کو بذات خود میدان میں آنا چاہیئے۔ کارنوالس جو اپنی شکست کا اعتراف کرنا ہی نہیں جانتا خود یہ تسلیم کرتا ہے کہ "ہم وقت ضائع کر چکے اور ہمارا حریف کافی شہرت حاصل کر چکا اور یہ دونوں چیزیں جنگ میں نہایت اہم ہوتی ہیں"۔ کارنوالس نے حملہ کا آغاز نئے طریقے سے کیا وہ ویلور اور امبر سے بنگلور کی طرف بڑھا اور اس سے دس میل کے فاصلہ پر مورچہ قائم کیا۔ ٹیپو سلطان فوراً بنگلور کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں انگریزی فوج کے مقابلہ کرے اور شہر کو بچائے۔ وہ ہر ممکن طریقے پر شہر کے استحکامات درست

[1] 'نشان حیدری' (حاشیہ صفحہ ۱۴۱، ۱۴۲)

کر کے دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑھا۔

ٹیپو سلطان نے ایک انگریز کمانڈر فلائڈ کو جو بنگلور سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مقام کانگری کی طرف بڑھ رہا تھا شکست دی۔ لیکن کارنوالس اپنے پرزور حملے سے بنگلور کا شہر فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میسوری دستے سخت مزاحمت کرنے کے بعد قلعہ کی طرف پسپا ہو گئے۔ انگریزوں نے شہر کو لوٹ لیا۔ انتہائی مظالم کئے اور مال و املاک کو خوب لوٹا۔

ٹیپو سلطان انگریزی فوج پر ایک آخری حملے کی تیاری کر رہا تھا کہ کرشنا راؤ کی غداری نے اس کی تمام محنت پر پانی پھیر دیا۔ کارنوالس نے کرشنا راؤ کے مشورہ پر بنگلور کے قلعے پر حملہ کیا اور انتہائی مدافعت کے باوجود اس پر قبضہ کر لیا۔ کارنوالس کو رسد و رسائل کے سلسلے میں اپنی کمزوری کا پورا احساس تھا اور یہ امکان تھا کہ اگر کرشنا راؤ اس کی مدد نہ کرتا تو وہ شکست کھا جاتا۔ بنگلور کے ہاتھ سے نکل جانے سے ٹیپو سلطان کو شدید ٹھیس پہنچی۔ اس نے غدار کرشنا راؤ اور اس کے تینوں بھائیوں کے خلاف جو اس سازش میں اس کے شریک تھے سخت قدم اٹھایا اور انہیں قتل کر دیا۔

نظام کی افواج کوتاپالی کے مقام پر انگریزی فوج سے مل گئیں اور متحد ہو کر بنگلور کی طرف واپس ہوئیں تاکہ تیاری مکمل کر کے سرنگاپٹم کی طرف پیش قدمی کریں۔ اس مرکزی شہر کے قریب ایک عام مقابلہ ہوا۔

میسور کی فوج ہر ہر مورچہ کی حفاظت کرتی ہوئی اور بندوقوں سے برستی ہوئی آگ کے سامنے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتی ہوئی بڑی بہادری سے لڑی آخر کار یہ دن ٹیپو سلطان کی نمایاں کامیابی پر ختم ہوا۔

کارنوالس موسم کی ناسازگاری، فوج میں وبا پھیلنے، غلے کی کمیابی اور بیلوں کی کافی تعداد کے مر جانے سے بہت مایوس ہوا۔ اس نے واپسی کا فیصلہ کیا اور تمام جنرلوں کو ٹیپو سلطان کے علاقے سے واپس ہونے کا حکم دیا۔ انگریزوں نے مرہٹوں اور نظام کی فوجوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ سرنگاپٹم پر حملے کو آئندہ موسم تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔

متحدہ افواج ۱۱ جولائی ۱۷۹۱ء کو بنگلور کے قریب دوبارہ واپس چلی گئیں۔

بنگلور واپس پہنچنے کے فوراً بعد ہی کارنوالس نے سرنگاپٹم پر آئندہ حملے کے لئے تیاری شروع کر دی۔ چونکہ گذشتہ حملے کے دوران وہ ناکافی بہم رسانی اور ناقص خبر رسانی کی وجہ سے بھاری نقصان اٹھا چکا تھا اس لئے اس مرتبہ اس نے کرناٹک اور نظام کے علاقے تک خبر رسانی کا غیر انقطاعی سلسلہ قائم کیا تاکہ فوجی ضروریات کی فراہمی متحدہ افواج تک بہ آسانی ہو سکے۔

اگرچہ کمپنی میسور سے سمجھوتہ کے لئے گفت وشنید کی خواہاں تھی لیکن کارنوالس اس کے قطعی خلاف تھا۔ ۱۵ جولائی کو وہ میسور کی طرف بڑھا جو بنگلور سے جنوب مشرق میں ۲۸ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور بغیر کسی مزاحمت کے فتح کر لیا۔ چند دنوں میں بہت سے دوسرے قلعوں اور پہاڑی مورچوں پر قبضہ کر لیا گیا۔

کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ارد گرد کے قلعوں کو فتح کر کے سرنگاپٹم کو الگ تھلگ کر دیا جائے۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ٹیپو سلطان بذات خود کامبیٹور کو واپس لینے کی جدوجہد میں مصروف تھا اس کے کمانڈر مملکت میں جابجا واقع دوسرے قلعوں کی حفاظت میں مشغول تھے۔ ٹیپو سلطان کی نیابت میں قمرالدین خاں ۱۲ نومبر کو میجر کو پیج اور لفٹننٹ شلمرز کو شکست دے کر کامبیٹور پر قبضہ کرنے میں واقعی کامیاب ہو گیا لیکن انگریز بنگلور کے گرد و نواح کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر کے نمایاں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ ٹیپو سلطان کی افواج نے کافی مزاحمت کی تھی مگر وہ ان کے مقابلے پر کمزور تھیں۔ کارنوالس رفتہ رفتہ تمام مزاحمتوں پر قابو پاتا ہوا سرنگاپٹم پہنچ گیا۔[1]

۵ فروری ۱۷۹۲ء کو ٹیپو سلطان کے دارالحکومت پر چاروں طرف سے فوجیں بڑھیں۔ انگریزی فوج ...۲۲ سپاہ پر مشتمل تھی اور اس کے ساتھ ۴۴ میدانی

---

[1] ہندوستان میں اس مہم کا تذکرہ جس میں ٹیپو سلطان سے جنگ کا خاتمہ ہو گیا'
از ڈیرم مطبوعہ لندن ۱۷۹۳ء۔

توپیں اور ۴۲ بھاری توپیں تھیں ۔ نظام کی ۱۸۰۰۰ فوج شہزادہ سکندر جاہ کی سرکردگی میں موجود تھی اور ہری پنت ۱۲۰۰۰ مرہٹہ سوار لیے ہوئے موجود تھا۔ ٹیپو سلطان نے حفاظتی استحکامات اس حسن و خوبی سے کیے تھے کہ کارنوالس دن کے وقت حملہ کرنا اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا اس لیے اس نے شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ ۶ر فروری کی شب میں کارنوالس نے اپنی سپاہ کو میسور کے استحکامات پر فیصلہ کن ضرب لگانے کا حکم دیا۔ حملہ کامیاب رہا۔ ٹیپو سلطان کو پرشرام اور جنرل ایبرکرومبی کی آمد تک حملہ کی توقع نہیں تھی اس لیے وہ اس دوران میں دوسرے دفاعی انتظامات مکمل کرنے میں مشغول رہا۔ آخر کار انگریزوں کے استقلال اور نقل و حمل کی تیزی نے ٹیپو سلطان کو حیرت میں ڈال دیا۔ ۲۴ر فروری تک متحدہ افواج خصوصاً انگریزی فوج نے کافی غلبہ حاصل کر لیا تھا لیکن اس وقت تک کسی نمایاں فتح کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ جنگ کے اس مرحلے پر فریقین نے صلح کی گفت و شنید شروع کی۔ کارنوالس نے یہ دیکھ کر کہ مکمل طور پر فتح حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے جنگ کو باہمی سمجھوتے پر ختم کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں اس کے اتحادی بھی اس پر دباؤ ڈال رہے تھے کیوں کہ ٹیپو سلطان کی طاقت کا بالکل خاتمہ خود ان کے حق میں مفید نہ تھا۔ صلحنامہ پر دستخط ہونے سے تین روز قبل کارنوالس نے گورنر مدراس سر چارلس اوکلے کو لکھا کہ:

سرنگاپٹم پر قبضہ کرنے کے بجائے وہ طریقہ کار جس سے ٹیپو سلطان کی خطرناک قوت کا فی الواقعی خاتمہ ہو جائے عوام کے حق میں زیادہ سود مند ہے پھر اس کا آخری فیصلہ ہمارے ان ہی اتحادیوں کے ہاتھوں بہ آسانی ہو سکے گا جو اس کے بہت زیادہ طرفدار نظر آرہے ہیں۔"

گفت و شنید کے دوران کارنوالس کا رویہ اس کی فوج کی حالت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا تھا۔ ایک واقعہ اس امر کی وضاحت کے لیے کافی ہوگا۔ ایک دفعہ کارنوالس کو مرہٹہ فوج اور رسد کے آنے کی توقع تھی لیکن جب وہ نہ پہنچ سکی اور فوج کی حالت بیماری اور بھوک سے دگرگوں نظر آنے لگی تو وہ صلح پر آمادہ نظر آنے لگا لیکن مرہٹوں کے پہنچنے پر جب اسے اپنی طاقت میں اضافہ کا احساس ہوا تو پھر وہ اپنی ہٹ پہ قائم ہو گیا۔

آخر کار طویل گفت و شنید کے بعد سمجھوتہ ہو گیا اور ۲۴ر فروری ۱۷۹۲ء

کو معاہدہ پر دستخط ہو گئے اس معاہدہ کی رو سے ٹیپو سلطان اپنی نصف سلطنت سے اتحادیوں کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اور اسے تین کروڑ تیس لاکھ روپئے طلائی جوہر پگوڈا یا سونے اور چاندی کی سلاخوں کی صورت میں ادا کرنے تھے جس میں سے ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ فوری طور پر اور بقیہ کی ادائیگی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد تین اقساط میں اس طرح کرنا تھی کہ کسی قسط کی مدت چار ماہ سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ چاروں طاقتوں کے قیدی معہ ان تمام قیدیوں کے جو حیدر علی کے زمانے سے قید تھے آزاد کر دیئے جائیں۔ ٹیپو سلطان کو اپنے تین بیٹیوں میں سے دو بطور یرغمال دینا تھے[1] تاکہ اسے معاہدہ کی شرائط کا پابند رکھا جا سکے بعد کو ایک اور دفعہ ٹیپو سلطان کی دل آزاری کے لئے معاہدہ میں شامل کی گئی اور وہ کرگ کے راجہ کو آزادی کا پروانہ دینا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ انتہائی دلشکن معاہدہ تھا۔ انگریزوں کا منشا یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ مال و علاقہ حاصل کر کے ٹیپو سلطان کی جانب سے پیدا ہونے والے خطرہ کا بالکل استیصال کر دیا جائے۔

ٹیپو سلطان کو اس معاہدہ سے انتہائی صدمہ پہنچا اس نے اس کے مالی اور فوجی وسائل کو بالکل ختم کر دیا۔ ٹیپو نے ہجوم مصائب میں جنگ کی۔ کاش صرف انگریز اس کے مدمقابل ہوتے تو یہ داستان اس سے مختلف ہوتی۔ مسلسل جنگوں نے اس کے وسائل کو بہت نقصان پہنچایا تھا مزید یہ کہ وہ کثیر رقم جو ابھی اتحادیوں کو ادا کرنا باقی تھی اس کے لئے جان لیوا تھی۔ مرہٹہ فوج کی تباہ کاریوں نے ملک کو ویران کر دیا تھا۔

سرنگاپٹم سے متحدہ افواج کی واپسی کے بعد وہ جنگ کی لائی ہوئی تباہیوں کی تلافی کرنے اور غداروں، لیگاروں اور دوسرے شرپسند عناصر کی سرکوبی کرنے میں مصروف ہو گیا اس نے مرہٹوں سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کی کوشش کی اور اس میں ایک حد تک کامیاب ہوا لیکن نظام سے اس کے تعلقات میں اصلاح کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی۔

ٹیپو سلطان کی اس سلسل جد وجہد کا مقصد یہ تھا کہ وہ انتہائی بے کسی کی اس

---

[1] ولیم۔ در حاشیہ صفحہ ۲۲۶

کیفیت سے نجات پا جانے جو کارنوالس نے اس کے لئے پیدا کر دی تھی۔ اس نے ہمسایہ طاقتوں سے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کی بلکہ نیپولین اور ترکی کے سلطان سلیم سے مراسلت کی[1]۔ جب تک سر جان شور گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز رہا انگریز پٹ انڈیا ایکٹ ۱۷۸۴ء کے تحت ہندوستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی اختیار لئے رہے لیکن جب ویلزلی اول آف مارنگٹن کی حیثیت سے ہندوستان آیا تو اس نے جارحانہ اور توسیعی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

پالیسی میں اس تبدیلی کو دیکھتے ہوئے ٹیپو سلطان بھی اپنے پایۂ تخت کا دفاع مستحکم کرنے، سوار فوج کو از سر نو منظم کرنے، پیدل سپاہ میں مزید اضافہ کرنے اور اسے ترتیب دینے اور بحری بیڑہ تعمیر کرنے میں منہمک ہو گیا۔ اس نے ملک میں زراعت کو فروغ دیا اور جلد ہی پہلی سی خوش حالی نظر آنے لگی۔

اس نے انگریزوں کے لئے پھر جلن و حسد کا سامان فراہم کر دیا انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ اپنی طاقت و قابلیت اور جوش و جذبہ کی بنا پر پھر ان کا قوی حریف نہ بن جائے۔ اس لئے ویلزلی نے ٹیپو سلطان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا تہیہ کیا۔ انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی جارحانہ تجاویز کے عنوان سے طرح طرح کی داستانیں گھڑ کر پھیلانا شروع کر دیں اور یہ صرف اس لئے کیا جا رہا تھا کہ انہیں میسور پر حملہ کا بہانہ مل جائے انہوں نے ٹیپو سلطان پر فرانسیسیوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا لیکن اگر انگریز ٹیپو سلطان کے خلاف دوسروں کو اپنا حلیف بنا سکتے تھے اس کی اتحادیوں کی تلاش خواہ وہ کہیں بھی ہوں کون سا جرم تھا۔ حقیقتاً آئندہ فرانسیسیوں سے مدد کی قطعی کوئی آس نہیں تھی۔ اس سے قبل ۱۷۹۳ء میں جب انگریز اور فرانسیسی ایک دوسرے سے مصروف جنگ تھے فرانسیسیوں نے ہندوستان میں ٹیپو سلطان کو اپنے انگریز حریفوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہا تھا اور خاص طور سے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ اس کے لئے ان

---

[1] میسور کا ٹیپو سلطان اور عثمانی پادشاہ۔ از حکمت ایار

علاقوں کو واپس لینے کا بہترین موقعہ ہے جن کو وہ معاہدہ سرنگا پٹم کے تحت کھو چکا ہے۔ لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ فرانسیسیوں سے اس کے تعلقات ہی اس کی سب سے بڑی بدقسمتی ثابت ہوئی۔ انہوں نے ہی ۱۷۸۳ء میں انگریزوں سے صلح کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور پھر اسے تنہا جنگ کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔

ویلزلی خود ۹ جنوری ۱۷۹۹ء کو مدراس پہنچا۔ ویلزلی نے نظام سے باہمی تعاون کا ایک دوسرا معاہدہ کر کے ٹیپو سلطان سے ہونے والی جنگ میں اس کی مدد کو یقینی بنالیا۔ اور مرہٹوں سے بھی مزید وعدے لے لئے۔ جب ویلزلی میسور پر حملہ کا ارادہ کر رہا تھا تو اس نے ایک مراسلہ عثمانی خلیفہ سلطان سلیم کی جانب سے ٹیپو سلطان کو پیش کیا۔ اس مکتوب میں میسور کے حکمران کو خطاب کرتے ہوئے مصر پر فرانسیسیوں کے حملہ کی تفصیلات اور ان کے عرب کو فتح کرنے اور مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادوں کی مکمل روئیداد تھی۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان کو فرانسیسیوں کے اکسانے پر انگریزوں کے خلاف معاندانہ روش سے احتراز کرنے کی تلقین کی تھی۔ ٹیپو سلطان نے اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے بہت احترام کے ساتھ جواب ارسال کیا لیکن جب یہ سلسلہ جاری ہی تھا تو انگریزوں نے بغیر کسی سبب کے میسور پر حملہ کر دیا۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ جو ویلزلی جاری کئے ہوئے تھا محض ایک ڈھونگ تھا۔

ویلزلی نے ٹیپو سلطان پر حملے کا یہ سبب قرار دیا کہ اسے خوف تھا کہ فرانسیسی ہندوستان پر حملہ کریں گے اور ایسی صورت میں ٹیپو سلطان ان سے مل جائے گا۔ لیکن اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے۔ اگر اس کا یہ خوف اور بیان درست ہے تو ویلزلی کو مرہٹوں اور نظام پر بھی حملہ کرنا چاہیئے تھا کیونکہ ان کی دوستی پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کی فوج میں بھی فرانسیسی افسران موجود تھے اور وہ ہندوستان پر فرانسیسی حملہ کے وقت ان سے مزید مل جاتے۔

ٹیپو سلطان کی کوششوں کو بارآور کرنے کے لئے زماں شاہ کی طرف سے افغانی حملہ بھی محض ایک ویلزلی کے تصورات کا عمدہ حصہ تھا۔ اگر زماں شاہ ٹیپو سلطان

کی امداد کی صورت میں حملہ کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا تھا تو انگریزوں نے اپنی حکمت عملی سے افغانستان کی مغربی سرحد پر نازک حالات پیدا کر کے اور زمان شاہ کو تمام جارحانہ کارروائیاں ختم کر دینے پر مجبور کر کے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا تھا[1]۔

۱۴ر فروری ۱۷۹۹ء کو ویلزلی نے جنرل ہیرس کو ٹیپو سلطان کی حکومت کا تختہ ہمیشہ کے لئے الٹ دینے کی مہم سپرد کی۔ انگریزوں کی تیاری مکمل تھی۔ جنرل کو فوج کی کمان کے پورے اختیارات حاصل تھے۔ انگریزی جہاز سمندر میں لنگر انداز تھے اور بڑی کامیابی کے ساتھ فرانسیسی جہازوں نے سمندر کی حفاظت کے فرائض انجام دے رہے تھے نظام اور پیشوا کی فوجیں یقینی طور پر ان کے ہمرکاب تھیں کرناٹک کی فوج کیل کانٹے سے لیس کر دی گئی تھی اور سب سے زیادہ یہ کہ خود ویلزلی مدراس میں موجود تھا اور اس کے اشارے پر فوج کا ایک ایک قدم اٹھ رہا تھا۔ ۲ر فروری کو جنرل ہیرس ویلور سے نکلا اور جنرل اسٹوارٹ کنانور کی طرف سے بڑھا۔ ۸ر مارچ کو جنرل اسٹوارٹ نے ٹیپو سلطان کو سدسیر کے مقام پر ایک شکست دی۔ ۲۷ر کو ٹیپو سلطان نے جنرل ہیرس سے ایک اور شکست کھائی۔ آرتھر ویلزلی حیدرآباد سے آنے والے ایک دستہ کی کمان کر رہا تھا۔ ٹیپو سلطان بے جگری سے لڑا اور اس نے اپنی جنگی مہارت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا لیکن اس کی تمام کوششیں اس کے جنرلوں کی غداری کے باعث بے سود ثابت ہو رہی تھیں آخر کار اُسے اپنے پایۂ تخت لوٹ جانا پڑا۔ سرنگاپٹم کے سامنے انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا اور چند دنوں کے بعد محاصرہ شروع ہو گیا انگریز موسم کے اختتام اور ضروریات کی نامناسب بہم رسانی کی وجہ سے جو جنوبی ہند میں انگریزوں کی تمام مہمات کے دوران ان کی عام کمزوری کا سبب رہی تھی، حملہ کی کارروائی کو تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے پر مجبور تھے۔ ۳ر تاریخ کی شام تک قلعہ کی دیواروں پر اس قدر گولہ باری کی گئی تھی کہ

---

[1] زمان شاہ نے ۱۷۹۸ء کے آخر میں لاہور کی جانب پیش قدمی کی لیکن ۱۷۹۹ء کے اوائل میں وہ لاہور سے افغانستان واپس چلا گیا۔

کہ ایک بڑا شگاف نمودار ہو گیا تھا۔ ۴ تاریخ کو دن کے وقت یں عام دھاوے کا فیصلہ کیا گیا۔ دوپہر کے کچھ بعد انگریزی دستوں نے قلعہ کے غاروں سے نکل کر کاویری کو عبور کر لیا اور کسی گولی کا نشانہ بنے بغیر قلعہ کے پشتہ اور خندق سے گذر گئے۔ دمدموں اور شگاف پر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

جس وقت اس پر زور حملہ کی خبر پہنچی ٹیپو سلطان کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے فوراً کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ ہاتھ صاف کئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے شگاف کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے قبل ہی انگریز اس پر اپنا پرچم لہرا چکے تھے اور اب دمدموں پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھ رہے تھے تاہم ٹیپو سلطان کی موجودگی نے اس کی فوج میں پرزور مزاحمت کی روح پھونک دی لیکن جب دمدموں کی دونوں اطراف سے اس کی فوج گولیوں کی زد میں آگئی تو سراسیمگی اور انتشار پیدا ہو گیا۔ سلطان کی انہیں مجتمع کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں ثابت ہوئیں۔ ٹیپو سلطان نہایت دلیری سے لڑا اور شگاف سے داخل ہونے والے انگریز سپاہیوں کے سیلاب کو روکنے کی انتھک کوشش کرتا رہا۔ اس جدوجہد میں اس نے مہلک زخم کھائے۔ بعدہٗ اس کی لاش بھی اور سینکڑوں لاشوں کے ساتھ پڑی ہوئی ملی۔ ٹیپو سلطان کی پرعظمت و پرشکوہ زندگی کا یہ اختتام تھا۔[1]

۴ تاریخ کی شب کو انگریزوں نے حد سے زیادہ ستم ڈھائے تقریباً ہر گھر لوٹ لیا گیا بہت سی عمارتوں سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ لیکن طرح طرح کے ظلم و جور کا نشانہ رہتے بقول آرتھر ویلزلی ۴ کی شب کو جو کچھ کیا گیا اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ ٹیپو سلطان کی موت کی خبر سے انگریزوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی گرجاؤں میں شکرانہ ادا کیا گیا اور خوشی منائی گئی۔ کمپنی کے تمام ملازمین کو جنہوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا انعامات تقسیم کئے گئے۔ خود گورنر جنرل کو مارکوئس کا

---

[1] نشان حیدری ص ۲۹۲

خطاب عطا ہوا اور یہ مارکوئس آف ویلزلی کی شہرت کا سبب بنا۔

رنگا پٹم کے بعد سلطنت میسور انگریزوں کے قدموں میں تھی۔ ٹیپو سلطان کے فرزند جلاوطن کر دیئے گئے تھے مملکت کو تقسیم کر لیا گیا تھا اور اس میں انگریزوں کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ نظام کو بہت تھوڑا سا حصہ ملا تھا۔ میسور کا مرکزی حصہ قدیم حکمران خاندان کو تفویض کر دیا گیا تھا جس کا "راجہ" بقول مل "اس نوع کا حجاب تھا جو صرف اس وجہ سے قائم کر دیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان اور یورپی اقوام کی نگاہوں سے اس حقیقی توسیع کو چھپا دے جو برطانوی سلطنت میں ہوئی تھی"۔ ہندوستان میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا سب سے زیادہ ہیبتناک حریف تھا اس کی موت کے بعد برصغیر میں فی الحقیقت انگریز ہی اقتدار اعلیٰ کے مالک تھے۔

(نوٹ) ڈاکٹر محمود حسین کا یہ مقالہ "ہسٹری آف فریڈم موومنٹ" جلد اول شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی میں شائع ہوا ہے دائرہ معین المعارف، ڈاکٹر صاحب اور ہسٹاریکل سوسائٹی کا شکرگذار ہے کہ انہوں نے اس کا اردو ترجمہ "بصائر" میں شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

"مدیر"

ڈاکٹر یوسف عباس ہاشمی
(ریڈر، اسلامک ہسٹری کراچی یونیورسٹی)

ٹیپو شہیدؒ کا نظمِ مملکت

اسلام میں اقتدار اعلیٰ صرف قادر مطلق ہی کی ذات کے لئے ہے۔ زمین پر اس کے بندوں میں سے جس کو حکومت ملے گی وہ اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کا پابند ہوگا اور چونکہ اس کا نائب ہوگا اس لئے اس کی حکومت کو اللہ کا سایہ نصیب ہوگا۔ اس طرز حکومت میں حکمراں اپنے یا اپنے خاندان کے لئے نہیں، مادی منافع اور جاہ و حشم کے لئے نہیں بلکہ قوم اور عوام کے لئے کسی اعلیٰ مقصد اور اللہ کے لئے حکمرانی کرتا ہے۔ برصغیر میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا اور شریعت کی بالادستی اکثر و بیشتر ادوار میں قائم رہی، بعض حکمرانوں نے کسی حد تک اس سے سرتابی بھی کی، لیکن عام طور پر شریعت کے قوانین ہی نافذ رہے، جن حکمرانوں نے شریعت کی اس بالادستی کو مکمل طور پر تسلیم کیا ان میں ٹیپو سلطان شہیدؒ فرمانروائے میسور کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ جہاں تک حکمراں کی حیثیت یا نظم حکومت کے مرکزی ڈھانچہ اور اقتدار کا سوال ہے۔ اس کا قائم کردہ نظام مغل طرز کا تھا۔ جس میں حکمراں اپنے افعال کا کسی دنیوی ادارہ یا شخص کے سامنے جواب دہ یا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میسور کا تخت موروثی بھی تھا کیوں کہ ٹیپو خود حیدر علی کے بیٹے کی حیثیت سے تخت کا مالک ہوا تھا۔ ان حقائق

کے باوجود ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ ٹیپو شہیدؒ کا نظام حکومت اسلامی اصولوں سے بہت قریب تھا۔

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ٹیپو شہیدؒ کا زیادہ تر زمانہ جنگ و جدال میں صرف ہوا۔ اور اس کی زندگی کا بیشتر حصہ میدان جنگ ہی میں بسر ہوا۔ اس کے باوجود اس نے اتنا بہتر، جامع اور مستحکم نظام قائم کیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ باپ سے اسے ورثہ میں جو کچھ ملا وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا جو اس نے خود میسور کو دیا۔ اس کی جدت طبع، ندرت وسیع القلبی، ذہنی صلاحیت، تدبر، دوربینی، اور اعلیٰ کردار تاریخ کے طالب علم کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

ٹیپو شہید نے اپنی حکومت کا نام "سرکار خداداد" رکھا تھا۔ وہ کہا کرتا کہ "رعایا اللہ کی جو حاکم اعلیٰ ہے مقدس امانت ہے۔"

مور (moor) رقمطراز ہے "جب آپ اجنبی ملک سے گذر رہے ہوں اور دیکھیں کہ زراعت ترقی پر ہے۔ شہر آباد ہیں، صنعت وحرفت کو ترقی ہو رہی ہے، تجارت فروغ پر ہے۔ اور ہر گام پر ترقی یہ اظہار کر رہی ہو کہ رعایا خوشحال ہے تو سمجھ لو کہ حکومت عوام کی مرضی کے مطابق ہے۔ یہ ہے ٹیپو کی حکومت کا نقشہ: یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ ٹیپو کی سلطنت میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی، مسلمان کافی اقلیت میں تھے، لیکن رفاہ عام کے کاموں میں مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔

صبح سے شام تک انتھک کام، معاشیاتی بہبود کی فکر، مادی ترقی، اچھی حکومت کا قیام، کارپردازان حکومت سے کارکردگی اور دیانت کی توقع بلکہ ان کی نجی زندگی میں بھی اخلاق کا بلند معیار قائم کرنا، سماجی اصلاح، دشمنان دین وملک سے جہاد — ٹیپو کے یہ کارنامے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کرا دیتے ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اٹھارہویں صدی میں یہ اعلیٰ مقصد صرف سلطنت خداداد میسور ہی کو نصیب تھا۔

ٹیپو شہید خود کو 'شہری' (Citizen) کہا کرتا تھا۔ اس بنا پر بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ انقلاب فرانس کے تصورات سے متاثر تھا۔ اور اس لئے وہ خود

کو عام رعایا کی طرح سمجھ کر عزت محسوس کرتا۔ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء میں شروع ہوا اور سلطان شہید اس انقلاب سے سات آٹھ سال قبل برسر اقتدار آچکا تھا۔ اس کے نظم حکومت کی ہر کڑی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حیدر علی کے دور حیات میں ہی ٹیپو کا نصب العین متعین ہو چکا تھا اور اس کی حکمت عملی واضح ہو گئی تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ روسو (Rousseau) اور دیگر فرانسیسی مفکرین کی تعلیمات کا اثر اس پر عہد طفلی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ کیا حضرت عمر فاروقؓ نے نہیں کہا تھا کہ وہ ریاست کے اولین خادم ہیں۔ خلفائے راشدین کے عمل اور خطبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خدمت خلق اللہ کا تصور فرانسیسی شہریت کے خیال سے کہیں زیادہ بلند تھا — سلطان شہید ان کے تصورات سے خوب واقف تھا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

مطلق العنان حکمراں ہونے کے باوجود وہ حکومت کے تمام معاملات میں متعلقہ اعلیٰ افسران سے مشورہ لیا کرتا اور ان کی صائب رائے کا پاس و احترام کرتا۔ مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس کا خود کا پلہ ان سب پر حاوی تھا اس لئے اس کی رائے بہترین ہوتی۔ وہ خود ہی ایک حد تک قانون ساز تھا۔ خود ہی اعلیٰ ترین قاضی اپنا وزیر خارجہ، سپہ سالار اور انتظامیہ کا سربراہ۔

صوبائی اور ضلع افسران کو مکمل اور جامع ہدایات و احکامات صادر کرتا۔ اس کے باوجود ان افسران کو کافی اختیارات حاصل تھے اور وہ حالات کے مطابق فیصلے کر سکتے تھے۔

وہ اپنے نظم حکومت کو اسلامی تصورات سے قریب لانے کی پوری کوشش کرتا تھا لیکن اس سے یہ قطعاً نہ سمجھنا چاہیئے کہ غیر مسلموں پر کوئی ظلم و تشدد ہوتا۔ اپنے نجی قوانین میں وہ لوگ آزاد تھے۔ ٹیپو سلطان غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں کبھی دخل نہ دیتا۔ مذہبی امور میں سب کو قطعاً آزادی تھی۔ اس کے زمانہ میں نسلی اور پیدائشی امتیاز کہیں نظر نہیں آتا۔ اس اصول سے حکومت کی کارکردگی کو وہ جلا ملی جو اور

جگہ مفقود تھی۔ مذہبی آزادی، غیر مذاہب کے ساتھ منصفانہ سلوک، نسلی اور پیدائشی امتیازات کا عدم وجود۔ یہ اچھی حکومت کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مرکزی حکومت

یہ درست ہے کہ حیدر علی سے ٹیپو کو ورثہ میں ایک موثر نظام حکومت ملا مگر اس نے اس میں کافی اضافہ اور تبدیلیاں کیں۔ مغلوں اور یورپین اقوام کے اچھے اصول اور طریقے اختیار کرنے میں اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔

مرکز میں سات کچہریاں (محکمے) تھیں۔ کچہری کا ایک افسر اعلیٰ ہوتا اور اس طرح مرکز میں سات مختلف بورڈ تھے۔ ہر کچہری کے اراکین مجلس اپنا فیصلہ الگ کرتے اور سلطان کے گوش گذار کرتے۔ اکثریت کی رائے سے مجلس کے معاملات فیصلہ ہوتے۔ خاص اور اہم مواقع پر تمام کچہریوں کے بورڈ کا مشترکہ اجلاس ہوتا۔ یہ صورت اسوقت پیش آتی جب ٹیپو کوئی متفقہ رائے کسی اہم معاملے میں طلب کرتا۔ مشترکہ اجلاس کے بعد متفقہ فیصلہ سلطان کے سامنے پیش کیا جاتا۔

اس طریق کار میں مشاورتی طرز حکومت کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ ظاہر ہے جنگ اور صلح، اہم داخلی اور خارجی معاملات میں متفقہ فیصلوں کی کس قدر وقعت اور ضرورت ہوتی ہوگی۔ ہماری نظر سے ایسی مثالیں بہت کم گذری ہیں جن میں سلطان نے ان فیصلوں کو نہ مانا ہو۔ بلبن، علاء الدین اور اکبر مشورہ کو بالائے پشت ڈالتے تھے۔ مگر اس "شہری" کے لئے جو رعایا کو اللہ کی امانت سمجھتا ہو یہ مشورہ جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اس قسم کی مشنری کا وجود اور اس پر عمل بالا دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔

میر آصف کچہری

اس محکمہ کے سپرد مالگذاری اور مالیات کا انتظام تھا۔ صدر کچہری کے

مختلف نام تھے مثلاً دیوان، صاحب دیوان، حضور دیوانی، اور میر آصف، حکومت کا سب سے اہم افسر اس ہی کچہری کا صدر ہوتا۔ اس کے ماتحت مختلف سررشتہ دار اور افسر ہوتے، فارسی، کنڑی اور مرہٹی تینوں زبانوں میں کچہری کا کام بیک وقت ہوتا۔ ٹیپو کے زمانے میں میر صادق بہت مشہور میر آصف گذرا ہے۔ مغلیہ حکومت میں دیوان کی طرح، میر آصف کی حیثیت وزیر اول کی تھی۔

میر میران کچہری

یہ محکمہ فوج کا وزیر تھا۔ اس کی بھی ایک مجلس ۱۵ افسران پر مشتمل تھی۔ یہ امر قابل غور ہے اور ٹیپو کی رواداری کا بہترین ثبوت ہے کہ ایک ہندو پورنیا اس محکمہ کا صدر تھا۔

اس ہی کچہری کی ایک شاخ اور تھی جو زمرہ کہلاتی۔ یہ میسور میں پیدا ہونے والے فوجیوں کی نگہداشت کرتی۔

میر صدور کچہری اس کا کام تمام قلعجات کا انتظام تھا۔ اسلحہ کی فراہمی، رسد اور کمک کا پہنچانا اور دیگر ضروریات کا بہم پہنچانا افسر اعلیٰ میر صدور کہلاتا۔ اس کے ماتحت آٹھ افسران ہوتے جو بخشی کہلاتے۔ یہ محکمہ فوج کا حساب وکتاب بھی رکھتا، یہاں یہ ذکر کیا جاسکتا ہے کہ مغلیہ نظم حکومت میں وزیر خود بخشی کہلاتا تھا۔

ملک التجار کچہری اس محکمہ میں کل چھ افسر ہوتے۔ اس کچہری کا کام اندرونی صنعت وحرفت اور تجارت کا انتظام تھا۔

یہ محکمہ بحری تجارت سے متعلق تھا۔ اس محکمہ کی مزید نگہداشت بحری فوج کے اعلیٰ افسران کی کمان کرتی۔

میر یم کچہری محکمہ جہاز رانی ٹیپو کو یورپین اقوام کی کامیابی کے راز کا خوب پتہ تھا۔ ابتدائے اسلام سے مسلمان قریب قریب دنیا کے ہر دریافت شدہ ملک سے تجارت کرتے تھے انکی ترقی اور تبلیغ اسلام کا راز بھی اسی میں پوشیدہ تھا ٹیپو اسوجہ سے اس محکمہ پر خاص تو دیتا تھا۔

میر خزائن کچہری ملکی خزانہ اس کے سپرد تھا۔ ٹکسال کا انتظام بھی یہی کرتا تھا۔ اس کے افسر داروغہ اور مسندس کہلاتے۔ توشہ خانہ میں اہم سرکاری کاغذات رکھے جاتے۔ فرامین بھی یہیں محفوظ رہتے۔ بوقت ضرورت مطلوبہ کاغذات کی نقلیں یہیں سے اجراء کی جاتیں۔

توشہ خانہ دو قسم کے تھے نقدی اور جنس مالگذاری وصول دو طرح سے ہوتی یا نقد یا جنس کی شکل میں۔ ہر دو کا حساب جداگانہ رکھا جاتا۔

سرینگاپٹم میں پانچ ٹکسالیں تھیں۔ سونا اور چاندی کے سکے ڈھالنے کی ٹکسالیں محل خاص کے اندر تھیں۔ چار ٹکسالیں جن میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے شہر میں تھیں۔ سونا اور چاندی کے سکے ڈھالنے کی ٹکسالیں محل خاص کے اندر تھیں۔ چار ٹکسالیں جن میں تانبے کے سکے ڈھالے جاتے شہر میں تھیں۔ اس اہتمام سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ حکمران کی نگرانی کی وجہ سے سونا اور چاندی کے سکوں کی وقعت اندرون اور بیرون ملک بہت زیادہ ہوگی۔

سکے ڈھلنے کے بعد ٹکسال کے داروغہ ان کو توشہ خانہ بھیج دیتے اور پھر وہاں سے جاری ہوتے۔ سکہ پر ٹیپو نے نہ اپنا نام کھدوایا اور نہ القاب سونے کی مہر رسول اکرمؐ کے نام پر احمدی کہلاتی تھی ـــ نصف مہر صدیقی کہلاتی اور چہارم مہر فاروقی کہلاتی۔ چاندی کا سب سے بڑا سکہ حضرت علی کے نام پر حیدری کہلاتا اور تانبہ کا سب سے بڑا سکہ امام ذی النورین کے نام پر عثمانی کہلاتا۔ ان کے علاوہ بعض اماموں کے نام پر دوسرے سکے عابدی، جعفری اور کاظمی کہلاتے تھے۔

ان کچہریوں کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے محکمجات اور بھی تھے مثلاً رفاہ عام کا محکمہ جو ایک داروغہ کے ماتحت ہوتا۔ غلاموں کا محکمہ اور مندروں کا محکمہ۔ آخر الذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ مندروں کی حفاظت کا خاص انتظام تھا۔ سلطان کا پیشکار

عرض بگی کہلاتا۔ تمام درخواستیں اور متعلقہ کاغذات اسی کے ذریعہ پیش ہوتی تھیں۔ میر سامان محلات کا افسر اعلیٰ ہوتا۔ قلعہ دار کے ذمہ قلعہ کی حفاظت اور سیاسی قیدیوں کی نگہداشت ہوتی۔ سراغرسانی کا محکمہ ایک داروغہ کے سپرد تھا جس کے گماشتے تمام مملکت میں پھیلے رہتے اور سلطان تمام اہم اور خفیہ معاملات سے بروقت مطلع کیا جاتا۔

صوبائی اور علاقائی نظم ونسق

ابتداءً سلطنت خداداد سات آصفی حصوں یا صوبوں (تکڑی) میں منقسم تھی۔ ۱۷۸۴ء میں نظم ونسق کو بہتر بنانے کے لئے ٹیپو نے اس کو نو حصوں میں تقسیم کیا۔ ۱۷۹۴ء کے بعد ان کی تعداد بڑھا کر ۲۷ کر دی گئی۔

جو مورخین ٹیپو پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس کی حکومت میں مرکز کے اختیارات بہت زیادہ تھے وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ جوں جوں سلطنت میں وسعت ہوتی گئی یا محدود نظام میں کوتاہی نظر آتی گئی۔ ٹیپو نے آصفوں کی تعداد سات سے بڑھا کر ۲۷ کر دی۔ اوپر ہم مرکزی نظام کے تحت متعدد کچہریوں کا ذکر کر آئے ہیں اور اس سلسلہ میں شاورتی نظام پر کافی بحث کی گئی ہے۔ ٹیپو کو مطلق العنان حکمراں کہنا ایک حد تک صحیح ہے لیکن ہم کو یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مرکز میں میراور علاقوں میں آصف وسیع اختیارات کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ مورخین ایک اہم نکتہ اور نظرانداز کر جاتے ہیں۔ ہندو اور فرنگی مورخین تو خیر ایک طریقہ سے مطلق العنانی کے الزام میں قابل معافی ہیں کیوں کہ وہ اسلامی روح اور طرز عمل سے ناواقف رہنا چاہتے ہیں۔ لیکن نہاں تو سہ

انچہ با من کرداں آشنا کرد

اس سلسلہ کے دو امور غور طلب ہیں۔ ایک تو سلطنت خداداد میں اہل ہنود کی بھاری اکثریت۔ دوسرے شریعت اسلامی کی بالا دستی کا تصور۔ ٹیپو کے اٹھارہ سالہ دور حکومت میں ہم کو کوئی مثال ایسی نہیں ملتی جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ ہنود نے اپنی ناراضگی یا بے اطمینانی کا اظہار فساد یا بغاوت کے ذریعہ کیا ہو۔ ورنہ ایسے حالات

پیدا ہونا مشکل نہ تھا۔ مرہٹے، نظام اور ایسٹ انڈیا کمپنی خاموش نہیں رہ سکتے تھے وہ ٹیپو کے خلاف یہ ہتھیار ضرور استعمال کرتے۔ ان حالات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ہندو رعایا اس "مطلق العنان" حکمراں سے خوش اور مطمئن تھی اور یہ جبھی ممکن تھا کہ وہ ان کے مذہبی اور سماجی معاملات میں قطعاً دخیل نہ ہوتا۔

واقعہ یہ ہے کہ ٹیپو نے ہنود کے مذہبی اور سماجی معاملات میں دخل دیا مگر نیک دلی اور بہی خواہی کے جذبہ سے اور ان کی بہتری کے لئے ان تفصیلات کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ اب رہا مسئلہ شریعت کا ۔ مسلمان مورخ یہ بات فراموش کر جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومتوں میں عام طور پر شرعی قوانین کا نفاذ ہوتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے اواخر میں یہ قطعاً ناممکن تھا کہ ٹیپو سلطان شریعت کے اصولوں کو نظر انداز کر دے۔ جس حکمران کے لئے شریعت کے قوانین کی پابندی لازمی ہو اس کو مطلق العنان کہنا درست نہ ہوگا۔

فوجی نظام کے لئے ٹیپو کی کتاب فتح المجاہدین بہت اہم ہے۔ اس میں ایک عظیم بحری جنگی بیڑے کے قیام کا تفصیلی منصوبہ ہے۔ یہ سلطان برصغیر کی بدقسمتی تھی کہ سلطان شہید کی عمر نے وفا نہ کی اور منصوبہ عملی جامہ نہ پہن سکا۔ ہمیں یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ تحریر شدہ بحری ملازمت کے اصول وضوابط کے تحت ہر جہاز کے امیر البحر کو پنج گانہ نماز کی امامت کرنا پڑتی اور ملازمت میں داخل ہوتے وقت حلف نامہ کے ذریعہ اپنے کردار اور دینداری کی ضمانت دینا پڑتی۔ اس قسم کے حلف نامے وہ ہر کچہری کے میر اور ہر ٹکڑی کے آصف سے بھی لیا کرتا۔ ہندو افسران اپنے دھرم کے الوسار سوگند کھاتے

ہر علاقے کا ایک آصف ہوتا اور ایک فوجدار، اول الذکر کے ذمہ مالگذاری اور محکماتی نظم ونسق اور فوجدار کے ذمہ امن وامان ہوتا تقسیم کار کی وجہ سے کوئی کسی کے کام میں مداخلت نہ کرتا تقسیم کار اس خیال سے بھی تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے طاقتور نہ ہو جائیں۔ بعض صوبوں میں دو آصف مقرر ہوتے ایک

اعلیٰ اور ایک ادنیٰ۔ آصفوں کے ماتحت سرشتہ دار، دبیر، نقل نویس اور چپراسی ہوتے۔

ایک آصفی ٹکڑی میں ۲۰ سے تقریباً ۲۰ عملداری ٹکڑیاں ہوتیں اور ہر عملداری میں کم از کم ۳۰ سے ۴۰ دیہات ہوتے۔ عملداری کا افسر اعلیٰ عامل کہلاتا۔ اس کے ماتحت آصف کے عملہ کی طرح سرشتہ دار، طرفدار وغیرہ ہوتے۔ عامل کا کام کاشتکار کی فلاح و بہبود، زراعت کی ترقی اور علاقے میں متعین شدہ فوج کے خورد و نوش کا انتظام ہوتا۔ ہر عامل اپنے متعلقہ آصف کو عملداری کی روئے داد سے وقتاً فوقتاً اطلاع کرتا رہتا اور حساب اور کاغذات بھیجتا رہتا۔

گاؤں کا انتظام پٹیل کے ذمہ ہوتا۔ گاؤں کا ذمہ دار شمبھوگ ہوتا جو حساب و کتاب رکھتا۔ پٹیل کا کام سڑکوں کا انتظام، پیڑوں کا لگانا اور ان کی حفاظت، گاؤں والوں کا تحفظ اور جھگڑوں کا تصفیہ کرانا، بعدہٗ الذکر کام پنچایت کے ذریعہ ہوتا۔

(سرینگ پٹن) سرینگاپٹم سے احکامات فارسی، مرہٹی اور کنڑی تینوں زبانوں میں بیک وقت جاری ہوتے، احکامات آصف یا فوجدار کے نام ہوتے جو انہیں اپنے متعلقہ ماتحت کارکنان کو بھیجتے۔ مرکز اور ٹکڑیوں کا حساب و کتاب کنڑی زبان میں رکھا جاتا۔ جس کا بعد میں ترجمہ مرہٹی اور فارسی زبانوں میں ہوتا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ٹیپو شہید اپنے احکام سے بڑی ایمانداری کا مطالبہ کرتا۔

"تمہاری تنخواہ تمہارے کام کے لحاظ سے موزوں ہے اس لئے تم سے توقع کی جاتی ہے کہ کسی نوعیت سے بھی بدعہدی نہ کروگے ...!"

"اخلاق اور مذہب دونوں کی نظروں میں جھوٹ بدترین جرم ہے۔"

۱۷۹۴ء میں ٹیپو نے مملکت کے تمام ٹکڑیوں کے آصفوں کا ایک مشترکہ

اجلاس سرنگاپٹم میں منعقد کیا اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے مطابق قسم لی کہ دیانت اور راست بازی سے کام کریگا۔ جو رعایا کو اللہ کی مقدس امانت سمجھتا ہو اور حکمرانی کو سلطان من اللہ۔ ایسے ہی خوف اللہ رکھنے والے دنیوی حاکم سے یہ عہد وپیمان لینے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اپنی نجی اور سرکاری زندگی میں ٹیپو شہید خود کتنا عظیم دیانتدار اور راست باز تھا تاریخ داں کیا خاک سمجھ سکتے ہیں۔ دل کی روشنی کی ضرورت ہے۔

عدلیہ

گاؤں میں پٹیل، شہر میں آصف، فوجدار اور عامل انصاف کرتے۔ ہر شہر میں ایک قاضی اور ایک پنڈت ہوتا جو ہر دو مذاہب کے ماننے والوں کے مذہبی اور ذاتی امور فیصل کرتے۔ سول اور فوجداری کے مقدمات اول الذکر حکام کیا کرتے ایک عدالت عالیہ بھی قائم تھی۔ اس میں ایک مسلمان قاضی اور ایک ہندو پنڈت تعینات ہوتے۔ یہ اپیل (Appeal) سنا کرتے۔ ان تمام پر ٹیپو خود اعلیٰ ترین عدالت کے فرائض انجام دیتا۔

ٹیپو کی حکومت میں سزائیں عام طور سے سخت تھیں۔ باغی اور قاتل کی سزا پھانسی تھی۔ قتل کے سنگین مجرم ہاتھی کے پیر سے باندھ کر بھی ختم کئے جاتے۔ بعض اوقات چور، بدعہد اور باغی کے کان، ناک اور ہاتھ بھی کاٹے جاتے۔ عمال عدول حکمی اور کام چوری پر پیٹے بھی جاتے۔

راقم الحروف کی نظروں میں سخت سزا کا فلسفہ نفسیاتی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس طریق سے دو مطمح نظر حاصل ہوتے ہیں۔ اولاً معاشرہ کی کم وقت میں اصلاح اور دوئم جرائم کا سدباب، سخت سزا کے ڈر سے جرائم میں کمی لازمی امر ہے یعنی جتنی سزا سخت ہوگی اتنا ہی جرم کے ارتکاب کے امکانات کم ہوں گے یا بالفاظ دیگر اس ہی تناسب سے معاشرہ جلد صحت یاب ہوگا۔ سخت سزا وہی حکمراں جاری کرے گا جسکے پیش نظر رعایا کی عام فلاح وبہبود ہو۔ اور یہ وہی کرے گا

جس کے دل میں خوف اللہ ہو۔

مالگذاری

معاشرہ کی تنظیم کے لئے ریاست کا قیام ناگزیر ہے۔ اور ریاست کے اخراجات کے لئے محاصل لازمی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ مالگذاری کے اصول منصفانہ ہیں یا ظالمانہ۔ محاصل کے اخراجات جائز ہیں ناجائز۔ اگر دونوں اصول اچھے ہیں تو ہم کہیں گے کہ سلطان ممن اللہ (سرکار خداداد) میں رعایا اللہ کی مقدس امانت کی حیثیت سے سمجھی جاتی ہے۔

فرید کی طرح ٹیپو کو کم عمری میں ۱۷۶۰ء میں سل ونی اکونا لور، دھرماپوری پناگارم اور تنکارائے باپ سے جاگیر کی حیثیت میں ملے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ علاقے اس زمانے میں انتہائی خوش حال رہے۔ آگے چل کر ٹیپو نے حکمرانی (ضل اللہ) ملنے پر اس تجربہ سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ٹیپو کے زمانے محاصل میں تو اضافہ نہیں ہوا اگر کارکردگی میں ضرور نمایاں فرق واقع ہوا۔

جب تک کاشت ہوتی رہے یا مالگذاری ادا ہوتی رہے کاشتکار یا اس کے ورثاء کو زمین سے بیدخل نہیں کیا جاتا تھا۔ بارش سے سیراب ہونے والی زمینوں سے ۲/۱ لگان لیا جاتا۔ آبپاشی والی سے تقریباً نصف؛ عام طور سے مالگذاری نقد کی شکل میں لی جاتی۔ اگر عامل یا کاشتکار کے درمیان لگان کا تخمینہ متنازعہ فی رہتا تو لگان جنس کی شکل میں ادا کیا جاتا۔

ٹیپو کے عام جاری کردہ احکامات کے تحت لگان کی وصولی میں کاشتکار کی بہبود اور خوشحالی کا خیال رکھا جاتا۔ منرو (MUNRO) کے مطابق مالگذاری کا مجموعی اوسط پیداوار کے درمیان رہتا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ٹیپو کے زمانے میں مزروعہ زمین کا رقبہ حیدر علی کے مقابلے میں بہت بڑھ گیا۔ یہ جب ہی ممکن تھا جب کاشتکاروں کو ہر سہولت مہیا کی جائے۔ بنجر، پتھریلی اور پہاڑی زمینوں کو زیر کاشت لانے میں ٹیپو نے جو

طریقہ جاری کیا وہی بعد میں انگریزوں نے ہندوستان میں قائم کیا۔

عملداری کا صدر افسر ہونے کی حیثیت سے عامل کا یہ فرض ہوتا کہ زراعت کو فروغ دے اور مزارع کے حقوق کا تحفظ کرے۔غریب کسانوں کو ہل، بیل اور بیج کے لئے تقاوی دیئے جاتے۔پٹیل بغیر معاوضہ کے اپنی زمین پر بیگار نہیں لے سکتے تھے مزدور کی حفاظت عامل کا فرض تھا۔اگر عامل کے ظلم و زیادتی سے مزارع کاشت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوتا تو لگان عامل کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتا اور بھاگے ہوئے کسان کو دوبارہ آباد کیا جاتا۔ عامل، سرشتہ دار، طرفدار یا پٹیل کاشتکار سے کوئی بیجا رقم وصول نہیں کر سکتے تھے۔فصل کی خرابی یا اور کسی معقول عذر کی صورت میں مالگزاری میں کافی رعایت کر دی جاتی۔

ٹیپو سے قبل مالگزاری سرکاری نامزد کردہ گماشتہ (Agent) وصول کیا کرتا۔ اپنا کمیشن منہا کرنے کے بعد یہ ایک بندھی رقم حکومت کو دیتے۔'درمیانی آدمی' کے نظام کی لعنت اظہر من الشمس ہے۔ٹیپو نے برسرِ اقتدار آتے ہی اس طریقہ کار کو، یک قلم منسوخ کر دیا۔ٹیپو نے اس کام کے لئے اپنے تنخواہ دار ملازم مقرر کئے۔

بجائے تنخواہ کے جاگیریں عطا کرنا گذشتہ حکومتوں کا ایک عام شیوہ رہا ہے۔ یہاں اس طریق کے عیوب اور نقائص گنانا بیکار ہیں۔ٹیپو نے اس طریق کو بھی منسوخ کر دیا ان کی کارکردگی کے عوض ماہانہ تنخواہ دیجاتی۔

برصغیر کی اور حکومتوں کی طرح حیدر علی کے زمانے میں بھی 'غیر حاضر زمیندار' کا طریقہ رائج تھا۔کنڑی زبان میں ایسے سوئے ہوئے زمیندار کو پولیگر کہتے ہیں ٹیپو نے حکومت سنبھالتے ہی یہ طریقہ بھی ختم کر دیا۔محنت کرے کاشتکار اور عیش کرے شہر میں اقامت گزیں زمیندار: ٹیپو کو یہ کیوں کر گوارہ ہو سکتا تھا۔یہ ایک مد مقابل طاقت تھے جو امن عامہ برباد کیا کرتے۔

سرینگا پٹم کی صلح (۱۷۹۱ء) کے بعد تقریباً نصف علاقہ ریاست میسور کے ہاتھ سے نکل گیا۔اسی اعتبار سے مالگذاری کمی میں بہت بڑی تخفیف ہو گئی۔

پھر بھی حیرت کی بات ہے کہ ٹیپو کی شہادت کے وقت خزانہ پُر تھا۔ مورخین نے اس کی وجہ پر غور نہیں کیا۔ مستقل جنگ بھی جاری ہیں اور نصف مالگذاری بھی کم۔ پھر بھی کیا وجہ ہے کہ خزانہ پر ان دونوں باتوں کا متوازی بار نہیں پڑا۔ یہ تو ثابت ہی نہیں ہے کہ ٹیپو نے علاقے ہاتھ سے نکلنے کے بعد محصول کی شرح بڑھادی۔ ٹیپو جیسے راست باز اور خدا ترس حکمراں سے یہ بات ممکن ہی نہ تھی۔ اس مسئلہ کا صرف ایک ہی حل رہ جاتا ہے۔ وہ ہے اخراجات میں کمی۔ ایسی قربانی ٹیپو کے کردار کے عین مطابق ہے۔

تجارت اور صنعت

معدودے چند ہی ہند و پاک کے حکمراں ایسے ہوئینگے جنہوں نے تجارت اور صنعت کی فروغ میں اتنی دلچسپی لی ہو جتنی ٹیپو نے۔ محب الحسن نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ اگر اس کے دشمن اسے مہلت اور فرصت دیتے تو میسور میں ایک صنعتی انقلاب لانے کا سہرا ٹیپو کے سر ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ مغربی ممالک کی ترقی جو تجارت اور صنعت کی مرہونِ منت تھی بچشم خود روز دیکھ رہا تھا مگر برصغیر کا وہ واحد حکمراں تھا جس نے سوچا کہ ملک صنعتی ترقی کے ذریعہ بھی طاقتور بن سکتا ہے۔ مگر یہاں بھی وہی مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو ہم نے لفظ 'شہری' کی تشریح میں نکتہ چھیڑا تھا۔ بین الاقوامی تجارت میں قرونِ اولا کے مسلمانوں نے نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا کے بعد اس میں اضافہ ہوتا رہا! بحر الکاہل بحر انڈونیشیا، بحر عرب، بحر قلزم، بحر اوقیانوس، کون سے ایسے بندرگاہ تھے اور اس زمانے کی معلوم دنیا میں کون سے ایسے علاقے تھے جہاں مسلمان تجار نظر نہ آتے ہوں؟

ٹیپو نے ان روایات کو از سر نو زندہ کیا۔ یورپین اقوام کی طرح اس نے غیر ممالک میں صنعتی کارخانے قائم کر کے ریاست میسور کی تجارت کو فروغ دیا۔ ریاست میں خود دو کارخانے قائم کئے۔ ایک مندھی میں اور دوسرا مندرا میں کچھ اور میسور کے درمیان تجارت کے سلسلہ کو بہت فروغ ہوا۔

مسقط کے کارخانے سے مندرجہ ذیل اشیاء میسور میں درآمد کی

کی جائیں۔

زعفران کے بیج

ریشم کے کیڑے

گھوڑے

پستہ۔ کشمکش

پتھر کا نمک

موتی

تانبہ اور گندک

میسور سے مسقط کو یہ مال برآمد کیا جاتا

ہاتھی دانت

صندل کی لکڑی

مرچ سیاہ۔ چاول

اور کپڑا۔

ٹیپو نے سلطان مسقط سے بہترین تعلقات قائم کئے تھے۔ برایں بنا میسور کے تاجروں کو مسقط میں خاص مراعات حاصل تھیں۔

ٹیپو نے ایک کارخانہ جدہ میں بھی قائم کیا تھا۔ تجارتی کارخانے اس نے عدن اور بصرہ میں قائم کرنے کی کوشش کی مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے سفراء کی فرانس اور ایران جانے کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف اتحاد قائم کرنے کے علاوہ تجارتی تعلقات قائم کرنا بھی مقصد تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ چین سے اس کے تجارتی تعلقات تھے۔

نجی تجارت کو فروغ دینے کے علاوہ ٹیپو خود بھی ایک بہت بڑا تاجر تھا۔ سونا، قیمتی، دھات، ہاتھی، صندل اور سیاہ مرچ کی تجارت خود کیا کرتا۔

ساحل ملابار پر بحری قزاقوں کے خطرے کی وجہ سے چینی تجارتی جہاز ٹیپو کے بحری افسران کی حفاظت میں بیچ سمندر سے ساحل تک پہنچائے جاتے آرمینیا کے تجار کو اہل ہونے کی وجہ سے ترغیب دی جاتی کہ وہ میسور میں آکر آباد ہوں۔

تجارت وصنعت میں ٹیپو کی دلچسپی ان دو فرامین سے ظاہر ہے جو اس نے ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۳ء میں جاری کئے۔ ان کے ذریعہ حکومت کے صنعت وحرفت متعلقہ عملہ کا یہ فرض تھا کہ برآمدی اشیاء اور جنس مثلاً لکڑی صندل، ہاتھی وغیرہ برونت تیار رکھیں۔ غیر ملکی تاجروں کو ریاست میں مستقل سکونت پر حوصلہ افزائی کی جاتی۔

ٹیپو کے زمانے میں کارخانوں کا مجموعی تخمینہ ۳۰ اندرون ریاست اور ۱۷ غیر ممالک میں لگایا گیا ہے۔

رعایا کو تجارت میں دلچسپی دلانے کی غرض سے اس نے ایک تجارتی ادارہ قائم کیا۔ اس کمپنی کے حصص ہر خاص وعام پر کھلے ہوئے تھے ہر وہ شخص جو پانچ روپیہ سے پانسو روپیہ تک کے حصص خریدتا سال آخر میں اسے نصف فی صد کا منافع دیا جاتا۔ پانچ سو سے پانچ ہزار روپیہ تک ۱۲ فی صد منافع۔ اس طرح عوام کو تجارت میں شریک کرنے کے لئے زیادہ منافع دیا جاتا اور محدود رقم والے کو حصص کے خریدنے میں ترجیح دی جاتی۔

ملکی کارخانے قینچی، شیشہ، گھڑیاں، چاقو، توپ، بندوق، کاغذ اور چمچہ وغیرہ بناتیں، توپ میں سوراخ کرنے کے لئے ایک انجن بنایا گیا جو دخانی تھا۔

تجارت۔ صنعت وحرفت کی بات ادھوری رہی جاتی ہے اگر ہمارے نزدیک سب سے اہم حقیقت کی طرف توجہ نہ مبذول کرائی جائے۔ تجارت کے سلسلہ میں ہر بیرونی اور ملکی متعلقہ افسر کو اپنے اپنے مذہب کے متعلق دیانت دار رہنے کا

حلف اٹھانا پڑتا۔ یہ امر اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ ٹیپو خود جو تجارت کرتا تھا اس میں بے ایمانی، دولت جمع کرنے اور لالچ کو قطعاً دخل نہ تھا۔

جنگی فوج

فوجی نظام کے لئے فتح المجاہدین بہترین ماخذ ہے اس کی فوج مجاہدین کے نام سے مشہور تھی۔

ٹیپو کے پاس ایک مستقل بری فوج تھی۔ نظام یا مرہٹوں کے مقابلہ میں بہتر مسلح نظم وضبط کی حامل اور جنگجو، ولیم میکلوڈ کے مطابق وہ ہر اس تبدیلی کے لئے تیار رہتا جس سے فوج کی کارکردگی کے بہتر ہونے کی امید ہے۔

ٹیپو نے ایک مجموعۂ حربی تیار کیا تھا۔ اس کتاب کا نام فتوحات غازیاں رکھا رکھا۔ اس کتاب میں اٹھارہ باب تھے۔ ورزشوں اور فوجی کرتبوں کے متعلق اس سے ہدایت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ وہ فرائض جو ہر ایک افسر سے متعلق تھے اس کتاب میں تشریح کے ساتھ درج تھے۔ وہ تدبیریں اور طریقے لکھے گئے تھے کہ شب خون کس طرح مارا جاتا ہے۔ جنگل اور میدان میں کس طرح جنگ کرنی چاہیئے۔ اس کتاب میں محافظت کے طریقے۔ رخصت کے قواعد، سپاہیوں کی مشق کے دفعات اور اس طرح کے دوسرے تمام امور درج کر دیئے گئے تھے۔

گھڑسوار چھوٹی (کرابین) اور بڑی بندوقوں سے مسلح ہوتے۔ پیدل فوج بندوق اور سنگین سے مسلح ہوتی۔ میدان جنگ کی توپ میسور ہی میں ڈھالی جاتی۔ فرانسیسی اور انگریزی اسلحہ دستیاب ہونے کے باوجود وہ اپنے یہاں کے تیار شدہ مال کو ترجیح دیتا۔

گو فوج کا نظم وضبط یورپین تھا مگر فوج کے تمام احکامات زمانہ حرب یا زمانہ امن کے فارسی زبان میں جاری اور ادا کئے جاتے۔

یہ ٹیپو کی حکمت عملی کے خلاف تھا کہ فوج کی بڑی تعداد اس کی نظر سے

ادھبل رہے۔ وہ فوجی افسران کو ایک جگہ زیادہ عرصہ تعینات نہ کرتا اور ان کا تبادلہ کرتا رہتا۔ فوجی نظم و ضبط انتہائی سخت تھا۔ میدان سے منھ موڑنے والوں کو گولی مار دینے کا حکم تھا۔

فوج کی تمام زیر سرپرستی ٹیپو کے اپنے ہاتھ میں تھی اور ہر معرکہ میں چاہے شکست ہو یا فتح فوجیوں کے ہم رکاب رہنے سے ایثار اور جانفشانی کی وہ عظیم مثال قائم کرتا جو برصغیر کے اس زمانے کے حکمرانوں میں مفقود تھی۔

فوج کا طریقہ جاگیر دارانہ تھا۔ اور یہی اس کی قوت کا سب سے بڑا راز تھا۔ فوج کا عام نظم و نسق زیر میدان کچہری کے سپرد تھا۔ سرینگا پٹم کی صلح کے بعد (۱۷۹۲ء) ٹیپو نے فوج کا ایک نیا محکمہ قائم کیا جس کے ذمے ریاست میسور سے فوجی بھرتی کا کام تھا۔ جہاں تک فوجی مسائل اور اہم معاملات کا تعلق تھا ٹیپو خود فیصلہ کرتا کیونکہ فوج کی اعلیٰ ترین کمان اس کے اپنے ہاتھوں میں تھی۔

حکمرانی کے اوائل ایام میں ٹیپو نے فوج کو تین حصوں پر تقسیم کیا۔ قشون، رسالہ اور جوق (بان انداز)

قشون کا افسر سپہدار کہلاتا۔ رسالہ کا رسالدار اور جوق کا جوق دار۔ ان سے اوپر سر خیل، جمعدار، دفتر دار اور ریزک دار ہوتے۔

کچھ عرصہ بعد ٹیپو نے فوج کی اصلاح کی۔ بخشی جو شروع میں صرف تنخواہ تقسیم کیا کرتا اب بڑا اہم عہدہ دار بنا دیا گیا اور عسکر (گھڑ سوار) کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ (یعنی کچہریوں میں) سلحدار (بے قاعدہ گھڑ سوار) کی کوئی خاص تقسیم نہ تھی۔ اپنی مرضی سے میدان کارزار میں آتے۔ جنگ کے اختتام پر اجرت لے کر واپس لوٹ جاتے۔ باقاعدہ فوج کے ہاتھ جو مال غنیمت آتا وہ نصف فوج کا ہوتا اور نصف سرکاری خزانہ میں جمع ہو جاتا۔

جیش دستہ بھی چار کچہریوں پر منقسم تھا۔
کچہری میر صدور قلعوں کا انتظام کرتی۔

ٹیپو کی فوج کی تعداد حالات اور ضرورت کے تحت کم اور زیادہ ہوتی رہتی۔ فرانسیسیوں کو ٹیپو کی فوج میں وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو انہیں مرہٹوں کی افواج میں مل چکی تھی۔

بحری فوج

حیدر علی نے بحری فوج بنانے کی دو مرتبہ کوشش کی مگر انگریزوں نے اسے تباہ کر دیا۔ ٹیپو کو بحری فوج کی افادیت سے خوب واقف تھا مگر اس نے بری فوج کو زیادہ اہمیت دی۔ کیونکہ بری دفاع اصل مسئلہ تھا۔ تجارتی بیڑوں کی حفاظت کے لئے کچھ بحری کشتیاں اور دستے ضرور تعینات رہتے۔

بحری فوج کی طرف ٹیپو نے اپنے آخری ایام میں توجہ دی۔ ۱۷۹۶ء میں میر یم کی نئی کچہری قائم کی اس کے گیارہ اراکین تھے۔ جن کے ماتحت ۲۰ میر بحر مقرر کئے۔ دو جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ جنگی جہاز اور مال بردار ۲۰ جہاز کلاں اور ۲۰ جہاز خورد کا بنانا طے ہوا جہاز بنانے کا منصوبہ مکمل کیا۔ مگر زوال سرنگاپٹم نے ٹیپو کو جام شہادت پلا دیا اور منصوبہ عملی جامہ نہ پہن سکا۔ بحری فرامین کے تحت ہی وہ اسلامی طریقہ ایجاد کیا جس کی رو سے میر بحروں کو حلف اٹھانا پڑتا اور نماز پنجگانہ کی امامت کرنی پڑتی۔

سماجی اصلاح

رعایا کی فلاح وبہبود کی خاطر اور معاشرہ کی پاکیزگی کی خاطر ٹیپو ایک عظیم مصلح بھی تھا۔ مسلمان پر تو شراب پہلے ہی حرام تھی۔ اس نے اہل ہنود کو بھی شراب پینے اور فروخت پر تمام قلمرو میں پابندی لگادی۔ ایک مشفق حکمراں کی حیثیت سے یہ ٹیپو ہی سوچ سکتا تھا کہ بنیادی اعتبار سے شراب کافر کے لئے بھی اتنی ہی مضر رساں ہے جتنی مسلمان کے لئے۔ اس نے حرامی لوگوں کی شادی باعزت گھرانوں میں کرنے سے قطعاً منع کر دیا۔ ذلیل لوگ ذلیل ہی رہتے اور معاشرہ عبرت لیتا۔ غیر مسلموں کے لئے بھی اس نے عصمت فروشی کو جرم قرار دیا۔ مالا باری عورتیں چھاتی برہنہ رکھ کر

باہر نکلا کریں۔ یہ بات انسانیت کی بنیادی تہذیب کے خلاف ہے۔ ٹیپو نے اس کو بھی بند کر دیا۔ کاشتکاروں کی مالی حالت درست کرنے کے لئے شادی اور دیگر رسومات کے بیجا اسراف پر پابندی لگا دی۔ آمدنی کا صرف یک فی صد ان رسومات پر خرچ کرنے کی اجازت تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوؤں نے ان اصلاحات کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

جدت و اختراع

جدت و اختراع کا ٹیپو کو شوق تھا۔ اسی جدت پسندی سے وہ اکثر شہروں، قصبوں کے نام بدل دیا کرتا تھا اور نئے نام رکھتا تھا۔ ہندوستانی کوس اور وزن کے باٹ اور پیمانے اس نے اپنے اختراعی قائم کئے تھے۔ علوم و فنون۔ طب، تجارت معاملات مذہبی، تعمیر، محکمجات فوجی اور بے شمار معاملات میں یکساں مہارت سے قطعی رائے دیتا، فارسی پر اسے کامل عبور تھا اور عربی درسیات سے بھی فارغ تھا اپنے دستخط طغرا میں کرتا۔ اس نے ہجرت کے بجائے سال مولود قائم کیا جو بعثت محمدؐ سے شروع ہوتا۔ ۱۲ ہندی مہینوں کے نام اس نے عربی میں منتقل کئے۔ جس طرح عربی سیدھے ہاتھ کی طرف سے شروع ہوتی ہے اسی طرح اس نے ہندسے لکھنے کا طریقہ نکالا مثلاً ۴۶۷۳ لکھنا ہے تو ٹیپو ۳۷۶۴ لکھے گا۔ اس نے ایک نئی تقویم بھی بنائی تھی۔

نسل حب رشید اکبر شد

۱۲۱۳ھ

ماخذ

نشان حیدری، فتح المجاہدین، سلطنت خداداد میسور، تاریخ ٹیپو سلطان (انگریزی۔ محب الحسن) تاریخ جنگ آزادی (انگریزی۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی) ٹیپو سلطان کے منتخب خطوط (انگریزی۔ لندن۔ ۱۸۱۱ء)

م ۔ زد حی ۔ ادیغور کاشغری

ٹیپو سلطان کی سلاطین عثمانی سے خط و کتابت اور اس کی تاریخی اہمیت

ٹیپو سلطان برصغیر ہند پاکستان کی تاریخ کی وہ ہستی ہے جس کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے ہمت، بہادری اور جنگی کارناموں کی وجہ سے نہ صرف برصغیر ہند پاکستان کی تاریخ میں اس کو نمایاں حیثیت حاصل ہے بلکہ بین الاقوامی سیاست کے اعتبار سے بھی خاص اہمیت کا مالک ہے۔ کیوں کہ وہ برصغیر ہند پاکستان کا پہلا حکمران ہے جس نے اکیلے اپنی ہمت کے بل بوتے پر انگریز سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ایک مرتبہ انگریزوں کو صلح کی درخواست پر مجبور کر دیا۔ اس نے سمندری طاقتوں کے مقابلہ میں اپنی سمندری طاقت بڑھانے، ایک عظیم اسلامی سلطنت قائم کرنے، ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کو مغربی سامراج سے بچانے، اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی اور ترقی کے لئے جد و جہد کی، اور ان مقاصد کے مدنظر فرانس اور خاص کر ترکی جیسی بڑی سلطنتوں سے سیاسی، ثقافتی اور تجارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے سرگرم رہا۔

ٹیپو سلطان کی اسی اولوالعزمی کے پیش نظر فرانس، حیدر علی اور اس کے بعد ٹیپو کو برصغیر میں انگریزوں کے خلاف لڑنے کی اہلیت رکھنے والے یگانہ فرمانروا کی حیثیت

سے بڑی اہمیت دیتا تھا۔ جب ۱۷۷۶ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ نے جو اس وقت انگریزی نوآبادیوں میں سے تھی۔ انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو فرانس ۱۷۷۸ء میں رسمی طور پر امریکنوں کی مدد کے لئے آمادہ ہوگیا اور اس نے ہندوستان میں انگریزوں کو پریشان کرنے کی غرض سے ان کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اور اس مقصد کے لئے ایک بحری بیڑہ مشہور فرانسیسی امیرالبحر سوفرن (Suffren) کی قیادت میں ایک عسکری دستے کے ساتھ ۱۷۸۰ء میں ہندستان پہنچا تاکہ حیدر علی کے ساتھ مل کر انگریزوں سے مقابلہ کیا جائے اور جب نپولین بونا پارٹ نے ۱۷۹۸ء۔ ۱۷۹۹ء میں مصر اور فلسطین پر فوج کشی کی تو اس وقت فرانسیسیوں کو یہ ہدایت بھی دی گئی تھی کہ وہ ہندستان تک پیشقدمی کرکے ٹیپو سلطان کے ساتھ اتحاد کریں اور انگریزی اقتدار کو ہندستان اور مشرق سے ختم کرنے میں اس سے مدد لیں اور نپولین نے اس بارے میں ٹیپو سے وعدۂ امداد بھی لیا تھا لیکن نپولین اپنے اس مشن میں کامیاب نہ ہوسکا اور ٹیپو سلطان کے عزائم بھی حسب توقع کامیاب نہ ہوسکے۔[1]

بہرحال فرانس اور ٹیپو سلطان کے درمیان تعلقات اچھے رہے چنانچہ سلطان نے فرانس سے تعلقات قائم کرنے کی غرض سے دو مرتبہ سفارت بھیجی، پہلی مرتبہ لوئی ہفتم کے اور دوسری مرتبہ (جزیرہ) مورشیس (Maxritius) کا ، ان سفارتوں کے ذریعہ وسیع پیمانے پر معاہدہ کرنے کی تجاویز بھی زیرغور آئیں، اگرچہ اس کا بھی نتیجہ حسب توقع نہ نکلا۔
اس کے علاوہ فرانسیسی افسروں نے کافی تعداد میں ٹیپو سلطان کے ہاں ملازمت بھی اختیار کرلی تھی اور وہ ان افسروں کی فنی صلاحیتوں سے کام لیتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے فرانسیسیوں سے تعلقات یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ جب انقلاب فرانس کی یادگار میں

(۱) حکمت بایور ۔ بلبن، ج ۱۲ ، شمارہ ۴۷ ، ۱۹۴۸ء ، ۶۱ و مابعد
و نیز ملاحظہ ہو: ص ۱۳۲ The white sahbs in India Reginald Reynolds

۱۷۹۷ء میں جمہوریت پسندوں کی ایک باقاعدہ انجمن بنائی گئی تو ٹیپو سلطان کا نام آزاد شہریوں کی فہرست میں درج کیا گیا[1]

ٹیپو کے زمانہ کا پس منظر یہی وہ زمانہ تھا کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں اورنگزیب عالمگیر کے مرنے کے بعد تیموری خاندان کی عظیم سلطنت کا وہ سلسلہ جو تین سو سالوں سے چلا آرہا تھا وہ ٹوٹ گیا تھا اور سلطنت کے کھنڈروں پر چھوٹی چھوٹی نالائق، کوتاہ اندیش اور خودغرض ریاستیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے بعض ریاستیں نااتفاقی اور کمزوری کی وجہ سے بلاکسی مقابلہ کے انگریزی اقتدار کو تسلیم کرنے یا ان سے صلح محکومانہ پر مجبور ہوگئیں۔

یہی وہ زمانہ تھا جب مغربی سامراج مشرق میں اپنی نوآبادیات قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے تھے۔ پرتگیزی سب سے پہلے برصغیر کے ساحل پر پہنچے لیکن جلد ہی اپنے مذہبی تعصب، قتل و غارت گری اور ظالمانہ رویہ کی بنا پر صفحۂ مشرق سے رخصت ہو گئے۔ ولندیزیوں نے جب ہندستان کی فضا ناسازگار دیکھی تو جزائر مشرق الہند کی طرف رخ کر گئے۔ فرانسیسیوں نے جو یورپ اور مشرق میں انگریزوں کے حریف تھے اپنی طاقت یورپ سے لیکر مصر، فلسطین تا ہندستان پھیلائی۔ وہ ایسی جہانگیرانہ پالیسی پر عمل پیرا ہوئے کہ بالآخر وہ اپنی موت آپ مر گئے۔ برصغیر ہند پاکستان میں دونوں ایک دوسرے کے مقابل سر دھڑ کی بازی لگادی۔ فرانسیسی مدت تک اپنے حریف انگریزوں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے بالآخر وہ جنوبی ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ۱۷۶۱ء اس کے بعد پھر وہ ہندوستان میں کوئی ایسا مقام حاصل نہ کر سکے جو ان کی جنگی اور سیاسی قوت کا مظہر ہوتا۔ اور جیسے ہی جنوبی ہندوستان میں فرانس کا دبدبہ و اقتدار ختم ہوا۔ میدان انگریزوں کے لئے صاف ہو گیا تاکہ بلا جھجک اپنے دبدبہ و اقتدار کو تقویہ پہنچائیں[2]

انگریزوں نے اپنے لئے میدان صاف کر لیا بنگال، کرناٹک اور بہار وغیرہ علاقوں پر قابض ہو گئے اور پھر شمال کی طرف دست درازی شروع کی جنوبی ہند میں جو ریاستیں تھیں

[1] BRITISH INDIA ۵۷۴ ۔فرانسیسیوں کے ساتھ مراسلات اور تبادلۂ سفراء اور ان کے روئداد کے بارے میں ملاحظہ ہو
الکزنڈر بیٹسن APPINDEX WAR WITH TIPPU SULTAN A. BEATSON
J. GRIFFITHS, THE BRITISH IN INDIA P. 86—90

آپس میں بلا کسی مقصد کے لڑ رہی تھیں۔ ان کی ان رقابتوں اور کشمکشوں سے انگریز نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ نظام حیدر آباد دکن کی حکومت میں ایک وسیع علاقہ شامل تھا۔ اس کے شمال میں مرہٹے ایک نام نہاد وفاق قائم کئے ہوئے تھے۔ یہ دونوں انگریزوں کے ہاتھ کھیلتے رہے اور ساز و باز کرتے رہے اور تیسری میسور کی وہ حکومت تھی جسے ٹیپو سلطان کے باپ حیدر علی نے میسور کے ہندو راجہ کو ختم کر کے قائم کیا تھا[1] اور حیدر علی اور اس کا دلیر فرزند ٹیپو سلطان ہی وہ مردان حر تھے کہ جنہوں نے انگریز حملہ آوروں کے خلاف طاقت اور دلیری سے آخر دم تک مقابلہ کیا اور جو برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کے ہیرو بن گئے۔

حیدر علی اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنا پر معمولی سپاہی کے درجہ سے میسور کے ہندو راج میں اعلیٰ ترین منصب پر پہنچ گیا۔ اپنے عزم و سرگرمی کی بنا پر اس نے ایک چھوٹی سے اور غیر معروف ریاست کو برصغیر میں اٹھارویں صدی کی ایک اول درجے کی قوت بنا دیا۔ اسی لئے وہ اور اس کا فرزند عزت و احترام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کی مجاہدانہ سرگرمیاں خوفناک مخالفت اور سازش کے باعث کامیاب نہ ہو سکیں لیکن باپ بیٹے دونوں کو مجاہد حریت کی حیثیت سے آنے والی نسلوں کا اعزاز و احترام حاصل ہو گیا۔[2]

ٹیپو سلطان کی اندرونی اور بیرونی پالیسی

ٹیپو سلطان کے زیر بحث مراسلت کی تاریخی اہمیت کو سمجھنے کے لئے مذکورہ بالا حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس کی اندرونی اور بیرونی پالیسی کا بھی اجمالی طور پر جائزہ لینا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اندرونی مملکت کیا کرنا چاہتا تھا اور بیرونی ممالک سے اس کے تعلقات کس نوعیت کے تھے۔

ٹیپو سلطان کی تاریخ کے غیر جانبدارانہ مطالعہ سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ بڑا مدبر، دلیر اور دور اندیش حکمران تھا اور مسلمانوں کے اندر اتحاد اسلامی کا

[1] ماخذ مذکور ص ۹۴

[2] پاک و ہند کی اسلامی تاریخ ص ۴۹۵ ۔ و نیز ملاحظہ ہو
ڈاکٹر سید معین الحق "ٹیپو سلطان" روزنامہ 'ڈان' ۱۴ر اگست ۱۹۶۳ء

بڑا حامی تھا اندرونی اعتبار سے وہ چاہتا تھا کہ نو وارد انگریز سامراج کو ہندوستان سے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ اور بگڑی ہوئی سلطنت اسلامی کو دوبارہ شیرازہ بندی کر کے اس کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے۔ اور اس طرح برصغیر میں ایک عظیم اور متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھی جائے۔ اگر وہ اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا گویا برصغیر پاک، ہند کی تاریخ دوسرے انداز پر لکھی جاتی نہ صرف یہ بلکہ وہ مغربی ممالک کے انداز پر بحری بیڑہ اور صنعتی و فنی ترقی کے لئے بھی کوشاں تھا اور اس وسیع منصوبہ کے پیش نظر وہ چاہتا تھا کہ اپنے سیاسی ثقافتی اور تجارتی تعلقات سلاطین عثمانی اور دوسرے اسلامی ممالک وقت سے بھی مضبوط کرے۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے چاہا کہ فرانس سے بھی انگریز کے خلاف سیاسی اور دفاعی تعلقات قائم کرے۔ وہ اپنے لئے اس کام کا پورا پورا اہل سمجھتا تھا اور وہ اپنے عزائم پر پورا پورا اعتماد رکھتا تھا لیکن ہم یہاں ٹیپو سلطان کے ان منصوبوں اور تعلقات کو خاص اہمیت دیتے ہیں جو اتحاد اسلامی کے سلسلہ میں اس نے ترکی سے قائم کئے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹیپو سلطان کے سلاطین عثمانی سے گہرے تعلقات رکھنے کے یہ ارادے اور اس کی سفارت اور مراسلات، برصغیر کے مسلمانوں کے اندر اتحاد اسلامی کے روایتی جذبات کی نمائندگی کرتی ہے اور شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید نے ہندوستان میں ۱۸۲۴ء میں جو تحریک نشاۃ ثانیہ شروع کی تھی گویا وہ ان جذبات کا دوسرا دور تھا[1] پہلی جنگ عظیم کے دوران برصغیر میں تحریک خلافت کے جو ہنگامے ہوئے ہیں ہم بلا تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی انہی جذبات کے شعلوں میں سے تھے[2] اور آج کل پاکستانی "مسلمانوں کے اندر اسلامی اتحاد کے جو جذبات پائے جاتے ہیں ان میں بھی ان روایتی جذبات کی ایک نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔

ٹیپو سلطان کا اسلامی اتحاد کا جذبہ اور سلاطین عثمانی سے تعلقات قائم کرنے کی خواہش ایک بے معنی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ٹیپو سلطان نے نہ صرف ترکی سے سفارتی وغیرہ تعلقات قائم رکھنے کی خواہش کی اور اس سے نہ صرف اس مقصد کے لئے مراسلت کی

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان ص ۱۹۲

[2] Riginold Raynalds, the white Sahibs in India p 43

بلکہ ایران، افغانستان کے شاہ زمان اور سلطان یمن اور مسقط کے ساتھ بھی مراسلت کی۔
اس سے پہلے ٹیپو کے باپ حیدر علی نے بھی ۱۷۷۵ء میں شیراز سے ہزار نفری ایک عسکری
امداد اور بھی منگوائی تھی۔ مگر یہ دوسری امداد بھی تمام تر راستہ میں ہلاک ہو گئی[۱] اسی طرح
ایران میں ایک فیکٹری قائم کرنے اور بندر بوشہر کو اجارہ داری پر مانگا تھا اور ایران کے
بادشاہ کو بھی اپنے ملک میں اسی قسم کی مراعات دینے کے لئے تیار تھا۔ یمن سے بندر عدن
کو اجارہ داری پر مانگا تھا ان بندرگاہوں کے طلب کرنے سے سلطان کا مقصد ساحل ہندوستان
کی حفاظت تھی اور ان اسلامی ممالک سے معاہدے کر کے تمام عالم اسلامی کو متحد کرنا تھا[۲]

ٹیپو سلطان کے حالات اور خاص طور سے مراسلات کا جائزہ لینے کے بعد ہمیں
اس بات کو بلا تردید ماننا پڑے گا کہ ٹیپو سلطان نے انہی جذبات اور پالیسیوں کے تحت
چاہا کہ اپنے تعلقات باب عالی سے مضبوط بنانے اور اس مقصد کے لئے اس نے وہ سفارت
اور مراسلات بھیجے۔

تعجب کی بات ہے کہ اس سفارت اور مراسلت اور اس کے اغراض و مقاصد
کے بارے میں تفصیلات کہیں نہیں ملتیں، انگریز مورخین کی گمراہ کن اور متعصبانہ تحریروں
نے اس کے مشن کے مقصد کو غلط ملط کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی تحریروں سے بعض مسلم مورخین
بھی متاثر ہوئے ہیں۔

"نشان حیدری" تالیف میر حسین علی کرمانی میں جو سلطان کی پہلی اور مستند تاریخ ہے
اور دوسری ہم عصر تواریخ مثلاً "کارنامہ حیدری" "حملات حیدری" اور "سوانح ٹیپو سلطان" وغیرہ
میں خلیفۂ عثمانی سے تعلقات کے بارے میں جو معلومات ہمیں ملتی ہیں وہ کم و بیش یہ ہیں۔
"ٹیپو سلطان نے ۱۱۹۸ھ میں غلام علی خاں اور نور محمد خاں کی سرکردگی میں لائق کار
پردازوں پر مشتمل ایک سفارت سلطان روم خلیفۂ عثمانی کی خدمت میں روانہ کی تھی۔
اس سفارت کی ساتھ بہترین تحفے جدید طرز کی بندوقیں، جن کو سلطان نے اپنے خاص

---

[۱] محب الحسن خان، تاریخ ٹیپو سلطان (انگریزی میں) بحوالہ
۲۶۸ F1.2. Rice Mysore + coorg
[۲] محمود بنگلوری، صحیفۂ ٹیپو سلطان ص ۲۶۲

کارخانہ میں ڈھلوایا تھا، شاہانہ خلعتیں، دس لاکھ روپے قیمتی جواہرات، بہترین تلواریں، جڑاؤ ڈھالیں اور اطاعت و اتحاد کے جذبات پر مشتمل خطوط امیرالمومنین کی بارگاہ میں روانہ کئے تھے، بارگاہ خلافت میں یہ تحفے خاص طور سے آلات حرب بہت پسند کئے گئے اور مراسلات بھی خلیفہ نے قبول فرمالئے۔ سفارت ۱۲۰۲ھ میں واپس آئی۔ سلطان نے بارگاہ خلافت کے وزراء اور اپنے امراء کے مشورے سے شاہی جلوس کے لئے ایک جواہر دار طلائی تخت ببر کی شکل کا تیار کروایا[1]

اگرچہ اس سفارت سے جو توقعات وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں اور وفد اپنے مشن کے اصل مقصد میں کامیابی حاصل کئے بغیر ہی واپس لوٹا۔ لیکن یہ مشن کلی طور پر بے اثر و بے نتیجہ بھی نہیں رہا۔ کیونکہ خلیفۂ عثمانی سلطان عبدالحمید اول نے ٹیپو کی تجاویز کو قبول کرنے سے عذر کیا۔ سفارتی وفد کو بیش بہا تحائف دیکر نہایت عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا حتیٰ کہ خلیفہ نے اس وفد کے ذریعہ ٹیپو کو "سلطان" (بادشاہ) کے خطاب سے نوازا تاج و تخت کے قائم رکھنے کے لئے مشورے دیئے اس کی فرمانروائی کی توثیق بھی کر دی۔ ایسا کرنا مسلم سلاطین کی ایک قدیم روایتی عادت تھی اور اس کی ساتھ ساتھ عثمانی خلیفہ نے ٹیپو سلطان کو اپنے ملک میں دارالضرب کھولنے اور اپنے نام پر خطبہ پڑھنے کی بھی رسمی طور پر اجازت دی تھی[2]

ٹیپو سلطان کے اس سفارت بھیجنے کے کئی مقاصد تھے۔

۱۔ خلیفہ سے شاہی خلعت حاصل کرنا اور بحیثیت مستقل فرمانروا کے توثیق کرانا۔

۲۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے ترکی سے فوجی امداد حاصل کرنا۔

۳۔ عثمانی آراضی میں تجارتی مراعات حاصل کرنا اور اس مقصد کے لئے بندرگاہ بصرہ اجارہ داری پر حاصل کرنا اور اس کے عوض ترکی کو اپنا ایک بندرگاہ دینا۔

[1] میر علی کرمانی، نشان حیدری ص ۲۲۸۔ اردو ترجمہ ص ۳۶۷ و نیز ملاحظہ ہو۔ مذکورہ کتابیں

[2] سید امجد علی اشہری۔ سوانح ٹیپو سلطان ص ۶۲-۶۳

[3] محب الحسن خان ماخذ مذکورہ ص ۱۳۸ بحوالہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔

J. I. H XXIV 1945. P. 77-94 "The purpose of Tipu Sultan Embassy to Coston tinople"

۴۔ مختلف صنعتوں کو ترقی دینے کے لئے فنی ماہرین کی خدمات حاصل کرنا۔ ٹیپو سلطان سلطنت عثمانی سے خاص طور پر تجارتی اور صنعتی تعلقات بڑھانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی اعتبار سے پس ماندگی کا سبب ان کی تجارت اور صنعت کی طرف لاپروائی تھی۔ اس کے برعکس یہی چیزیں یورپینوں کے طاقتور بننے کا باعث تھیں اس لئے اس نے نہ صرف ترکی سے بلکہ فرانس سے بھی ماہرین منگوائے اور وہ یہ بھی چاہتا تھا اگر ترکی میں صنعت و حرفت کی فروغ نہیں ہو تو وہاں صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے لئے سلطنت خداداد سے ماہرین بھیجے جائیں، چنانچہ اس کا ذکر اس نے سفارت کے ہر خط میں کیا ہے۔

۵۔ سامان جنگ یا صنعتی سامان دونوں کے لئے اس زمانہ میں معدنی کوئلہ کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے سفارت کے ہر خط میں اس پر زور دیا ہے کہ زمین سے کوئلہ، گندھک اور سونا دریافت کرنے والے ماہرین کو بھی ترکی اور یورپ سے اپنے ہمراہ لایا جائے۔

چونکہ ان دنوں روس اور آسٹریا نے ترکی کو خوف زدہ کر رکھا تھا دوسری طرف انگریزوں نے عثمانی سلطنت پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ خلیفہ ٹیپو سلطان کو ایسا کوئی اقدام نہ کرنے دے کہ ہندوستان میں ان کے مفاد کو ضرر پہنچے یہی وجہ تھی کہ حکومت ترکی ٹیپو سلطان سے فوجی اتحاد نہ کر سکی اور نہ ہی تجارتی مراعات دے سکی۔ صرف ٹیپو سلطان کو بادشاہ کا لقب دے کر بحیثیت مستقل فرمانروا کے توثیق کرنے پر اکتفا کیا۔[1]

بعض انگریز مورخین مثلاً ولکس وغیرہ نے جو یہ لکھا ہے کہ خلیفہ نے ٹیپو کی تجاویز اتحاد کا مضحکہ اڑایا یہ سراسر غلط ہے اور جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ اس کے برعکس الیگزنڈر ریڈ (A. Reed) کی میسور سے بھیجی ہوئی ایک رپورٹ کے مطابق خلیفہ نے ٹیپو سلطان کی کچھ تجاویز کو مان لیا تھا اور ایک سو ترک بھی بھیج دیئے تھے۔[2]

[1] ڈاکٹر محمود حسین History of Freedom Movement P. 451-52
اور محمود بنگلوری صحیفۂ ٹیپو سلطان ج ص ۲۶۱

[2] محب الحسن خان ماخذ مذکور ص ۱۷۳ بحوالہ
I.O. Mack No. 46, P 99

الفرڈ لائل (Alfred Lyall) نے لکھا ہے کہ "اگرچہ سلطان کا سفارتی مشن ناکامیاب رہا لیکن اس کا جس گرم جوشی سے استقبال کیا گیا تھا اس سے سلطان کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور شاید اس کی یہی حوصلہ افزائی تھی جو سلطان کی اپنی قوت کا غلط اندازہ لگانے کا باعث بنی[1]۔ اور یہ رپورٹ اور دوسری شہادتیں بورنیک کے ان خیالات کی تردید کرتی ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ ٹیپو سلطان کا سفارتی مشن قسطنطنیہ میں اس قدر ناسازگار رہا کہ یہ مشن ناراضگی اور غم و غصہ کی حالت میں واپس لوٹ آیا[2]۔ سلطنت عثمانی کے رسمی ریکارڈوں میں اس سفارت اور مراسلے کے بارے میں جو تفصیلات دی گئی ہیں اس میں اس قسم کا مضحکہ اڑانے کا اشارہ تک نہیں ملتا سوائے معقول اقتصادی اور سیاسی وجوہات کے بلکہ اس سفارت اور خط و کتابت کے متعلق انگریزوں نے باب عالی پر جو دباؤ ڈالا اس کی وجہ سے انگریزوں اور ترکوں کے درمیان کچھ کشیدگی بھی پیدا ہو گئی[3]۔ ناکامیابی کے باوجود اس سفارت کا کیا اثر ہوا ہم مولوی امجد علی اشہری کے ذیل کی عبارت سے بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

> "جس کی اطلاع عام طور پر نہ تھی اسی سال وکلاء قسطنطنیہ سے واپس آئے اور سلطان روم کا نوازش نامہ، مبارک بادی حادث سلطنت، شمشیر مرصع کار تحائف رومی اور جواہر بیش بہا کے ساتھ لائے۔ چونکہ سلطان روم نے ٹیپو سلطان کو بلفظ "سلطان" یاد کیا اور تخت و تاج کے قائم رکھنے کا ذکر فرمایا تھا اس لئے ٹیپو سلطان کو تمام لوازمات سلطنت مہیا کرنے کی خواہش پیدا ہوئی لہٰذا اس نے سونے کا ایک تخت بنوایا اور نہایت قیمتی جواہرات سے سجوایا۔ اس تخت کی یہ صورت ہے کہ شیر کی پشت پر رکھا ہوا معلوم ہوتا ہے .... اس کے معنے یہی ہیں کہ ٹیپو سلطان نے یہ تخت سلطان روم کا خط ملنے کے بعد بنوایا تھا[4]۔"

---

1. Alfred Lyall, British Dominion in India P.221
2. ملاحظہ ہو L.B. Bowring, Haider Ali and Tipu Sultan P.137
3. ملاحظہ ہو صحیفۂ ٹیپو سلطان ص ۲۸۲ مراسلہ نمبر ۱۹۱ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۷۸۵ء کے بارے میں کرک پیٹرک کا اظہار خیال۔
4. مولوی سید امجد علی اشہری، سوانح ٹیپو سلطان ص ۶۲ - ۶۳

"سفارت کی ناکامیابی کے اسباب یہ بھی ہیں کہ ان دنوں ترکی ہلاکت کے دور سے گذر رہی تھی اس کے اندرونی اور بیرونی حالات ناسازگار اور ناسازگار تھے اس کے علاوہ اس کے پس پردہ انگریزی ڈپلومیسی کی سرگرمی بھی کارفرما تھی جس کا علم پہلے ہی سے ٹیپو کو ہو گیا تھا چنانچہ سلطان نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۷۸۵ء بنام میر علی خاں میں لکھا ہے کہ کچھ دن پہلے عثمان خان نے شاہ نور اللہ کے ذریعہ سلطان ترکی کی خدمت میں ایک خط بھیجا تھا جس میں اس ملک (ہندوستان کے) حالات سے اطلاع دی گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل سلطان ترکی اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو جنگ ہو رہی ہے وہ اسی خط کا نتیجہ ہے۔"[1]

کرک پیٹرک نے اس معاملہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے شاید اسی خط و کتابت کا نتیجہ تھا کہ انگریزوں اور ترکی میں کچھ کشیدگی اس زمانہ میں پیدا ہو گئی۔ انگریز بھانپ گئے تھے کہ سلطان نے کس مقصد سے ترکی سے خط و کتابت شروع کی ہے۔ اس کے رد عمل کے لئے انہوں نے ترکی وزیر ہند کو کا تھا جس کا وہی نتیجہ نکلا جو انگریز چاہتے تھے یعنی سلطان ترکی نے ٹیپو سلطان کے خطوط اور اعلان جہاد کے خلاف رائے دی اور لکھا کہ انگریزوں سے دوستی رکھی جائے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جودت پادشاہ اپنی تاریخ میں ٹیپو سلطان کی بعض تجاویز کو بے معنی قرار دینے پر مجبور ہو گیا[2] ان دنوں ایک طرف انگریزوں کی فرانس سے سخت مخالفت تھی اور ٹیپو سلطان فرانس سے اتحاد رکھتا تھا دوسری طرف باب عالی میں انگریزوں کا کافی اثر و رسوخ تھا لہٰذا آخر تک انگریزوں کی یہ کوشش رہی کہ سلطان عثمانی کو ٹیپو سلطان سے الگ تھلگ رکھا جائے اور باب عالی کو ٹیپو اور فرانس کے اتحاد کے خلاف استعمال کیا جائے۔ لہٰذا جب ٹیپو سلطان نے فرانس سے مذاکرات شروع کئے تو انگریزوں نے ٹیپو سلطان کے عبدالحمید اول سے مذاکرات کو ناکامیاب بنانے کے بعد سلطان سلیم سوم سے اپیل کی کہ وہ ٹیپو سلطان کو اچھا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرے۔ یہ اپیل جیسا کہ آگے آئے گا ٹیپو سلطان کو لارڈ مورنگٹن (مارکوئیس ولزلی) کے توسط سے پہنچائی گئی۔ ٹیپو سلطان ایک مدت تک خلیفۂ عثمانی کی

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان ص ۲۸۲ مراسلۂ نمبر ۱۹۱ مذکورہ
[2] حکمت بایور "ہندوستان تاریخی" ج ۳ ص ۱۹۶

اس اپیل پر عمل پیرا ہا لیکن کچھ عرصے کے بعد حالات نے اس کو فرانس کے مخالفت پر مجبور کر دیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ فرانس نے انگریزوں کے خلاف ٹیپو کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ عثمانی خلیفہ بھی فرانس سے ناراض ہوگیا تھا۔ چنانچہ ٹیپو سلطان نے خلیفہ عثمانی کے نام اپنے ایک مراسلہ میں فرانس کے خلاف شکایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ فرانسیسی لوگ خود باب عالی سے علیحدگی اختیار کرکے اس کے خلاف ہوگئے ہیں اور ہوسکتا ہے۔ بعد میں وہ مسلمانوں کے دشمن بن جائیں [1]

لیکن ان تمام سازشوں اور کوششوں کے باوجود ٹیپو سلطان نے آخر دم تک سلاطین عثمانی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھیں اور وہ اسلامی اخوت کے رشتہ کو مضبوطی سے پکڑے رہا جب سلطان سلیم سوم کا آخری مراسلہ اس کو ملا اور اس سے معلوم ہوگیا کہ خلیفہ کی طرف سے کسی امداد کی امید نہیں ہے تب بھی انگریزوں کے خلاف اس کے عزم جہاد میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اس نے سلطان سلیم کو کھلم کھلا اپنے عزم جہاد سے مطلع کردیا۔ چنانچہ سلطان سلیم کے نام اس کے ایک مفصل مراسلہ سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

ان حالات کے تحت ٹیپو سلطان اور سلاطین عثمانی کے درمیان جو سفرا گئے اور مراسلات ہوئی اس کے بارے میں پوری تفصیلات نہیں ملتیں اور جو کچھ انگریز مؤرخین کے ذریعہ ٹیپو سلطان کے مورخین کو معلوم ہوگیا ہے وہ بھی ایک حد تک ناقص ہے۔ مکمل اور مستند نہیں کہا جاسکتا۔ صرف سلطان سلیم سے خط وکتابت کا ذکر ملتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفارت صرف اس کے پاس گئی اور صرف اس سے مراسلات ہوئی حالانکہ سفارت تیرہ سال پہلے سلطان عبدالحمید اول کے زمانہ میں گئی تھی طرفین سے خط وکتابت بھی ہوئی تھی۔

اس سفارت اور مراسلے کے بارے میں جو کچھ تفصیلات سلطنت عثمانی کے ریکارڈ میں ملی ہیں وہ ترکی مورخ حکمت بایور نے "انجمن تاریخ ترک" کے سہ ماہی رسالہ "بلیٹن" جلد ۱۲ شمارہ ۴۷، ۱۹۴۸ء میں متعلقہ مراسلے کے فوٹو کے ساتھ شائع کردی ہے اس کا خلاصہ اور

[1] More, Narratives of the war with Tippu Sultan, P. 201. Riginold Reynolds, the white Sahibs in India. P. 62

وہ حصہ جو اس خط و کتابت سے براہ راست تعلق رکھتا ہے معہ اصل متن کے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں[1]۔ اصل متن بطور ضمیمہ شامل ہے۔ اس متن کے ساتھ بعض دوسرا متعلقہ مواد بھی پیش کیا گیا ہے۔

ٹیپو کے مراسلات

ٹیپو سلطان کے مراسلات اور ان کے جوابات دو گروپ میں منقسم ہیں:

پہلے گروپ میں وہ مراسلات ہیں جو سلطان عبدالحمید اول کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ٹیپو کا عہد زریں تھا یہی وہ زمانہ تھا جب ۱۷۸۴ء میں ٹیپو نے انگریزوں کے ساتھ معاہدۂ بنگلور پر دستخط کئے اور وہ دکن کے سب سے طاقتور فرمانرواؤں میں شمار کیا جاتا تھا۔

مراسلات کا یہ گروپ "خزینۂ اوراق عثمانی تالیف جودت پاشا" جو آج کل وزیراعظم کے تاریخی کاغذات (Archives) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس میں اور "نامہ دفتری ۹" (دفتر مراسلات ۹) کے پانچویں جزو میں درج ہے۔

دوسرے گروپ میں وہ مراسلات ہیں جو انگریز سفیر کی خواہش کی بنا پر سلطان سلیم سوم نے ٹیپو سلطان کے نام لکھے اور ان مراسلات کے حاشیوں پر لکھے ہوئے ملاحظات (نوٹ) بھی ہیں۔ لیکن "نامہ دفتری" میں ان مراسلات پر ٹیپو کے جواب کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

ٹیپو سلطان اور سلطان عبدالحمید اول کے درمیان مراسلات

نامہ دفتری (دفتر مراسلات) میں مراسلات کے اس گروپ میں پانچ دستاویز (وثیقہ) موجود ہیں۔

۱۔ وہ عرضداشت جو عثمانی پادشاہ کے نام لکھی گئی ہے، اس میں بصرہ یا جدہ کے راستے سفیروں کی آمد کی خبر دی گئی ہے۔

۲۔ ٹیپو سلطان کا سلطان عبدالحمید اول کے نام مراسلہ

۳۔ ٹیپو کا مراسلہ عثمانی وزیراعظم (صدراعظم) کے نام

---

[1] ملاحظہ ہو ملٹن ج ۱۲، ۴۷، ۱۹۴۸ء، مکمت بالورنے اس خط و کتابت کے بارے میں اپنی کتاب "ہندوستان ... [illegible]

۴۔ انگریزی سفیر مقیم استانبول کی ٹیپو کے بارے میں رپورٹ

۵۔ عثمانی پادشاہ کا جواب ٹیپو کے نام۔

ٹیپو سلطان کی اپنے سفیروں کو ہدایات

کرنل ڈبلیو کرک پیٹرک نے اپنی کتاب موسوم۔

(Selected letters of Tippu Sultan,

لندن، ۱۸۱۱ء ص ۲۶۵ مراسلہ نمبر ۲۲۳) میں ایک ہدایت نامہ کا متن درج کیا ہے جس کو ٹیپو نے یکم مارچ ۱۷۸۶ء میں اپنے سفارتی وفد کے نام جو ابھی ہندوستان میں موجود تھا بھیجا۔ یہ ہدایت نامہ سفارت کے ایک مراسلے کے جواب میں لکھا گیا ہے (کرک پیٹرک کی یہ کتاب پروفیسر محمود بنگلوری نے "صحیفۂ ٹیپو سلطان" کے نام سے اردو میں ترجمہ کر کے نشر کی ہے۔ سفارتی وفد کا یہ مراسلہ مذکور کتاب میں ۲۲۲ نمبر کے تحت پایا جاتا ہے جو غلطی سے ۲۳۰ لکھا ہے۔)

وہ لکھتا ہے، مراسلہ میں یہ لکھا گیا ہے کہ جدہ جانے کا موسم ختم ہو چکا ہے لیکن ابھی مسقط یا بصرہ جا سکتے ہیں اور اس کی متعلق ہماری مرضی دریافت کی ہے اس وقت بہتر یہی ہے کہ اسی راستہ سے سفر کریں۔

اس کے بعد ٹیپو سلطان نے اپنے سفارتی وفد کو ہدایت دی ہے:

"یہ ہماری خواہش ہے کہ بصرہ کو ٹھیکہ پر حاصل کر لیا جائے۔ لہٰذا چند وجوہ کی بنا پر آپ کا وہاں جانا مناسب ہے۔ وہاں پہنچکر بندرگاہ وغیرہ کا معائنہ کریں۔ اس کے بعد آپ یہاں سے نجف اشرف جائیں اور وہاں کے علماء اور حکام سے ملیں . . . . . خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے مرقد کے متولیان کو تنظیم دیں اور احترام بجالانے کے بعد ان سے دریافت کریں کہ اگر وہاں فرات سے پانی لانے کے لئے ایک نہر نکالی جائے تو کیا وہ لوگ خوش ہوں گے؟ اگر وہ لوگ اس تجویز کو مان لیں تو اگلے سال ضروری اخراجات اور کاریگر وغیرہ وہاں بھیجدیئے جائیں گے۔ آپ ان کا جواب علیحدہ معلوم کریں تاکہ ہم اس کے مطابق انتظام کر سکیں۔" (۱)

یہاں حکمت یاور نے اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں اس امارہ

۱۔ فرات سے مشہد نجف تک نہر بنانے کیلئے ٹیپو سلطان نے پانچ لاکھ روپیہ کی منظوری بھی دیدی۔ ملاحظہ ہو صحیفۂ ٹیپو سلطان" ج ۳ ص ۱۰۷

(ٹھیکہ) سے مقصد یہ تھا کہ بصرہ میں اپنے گورنر، فوج کا سرکردہ افسر تعینات کرکے وہاں کے محاصل کی جمع آوری کریں اور صوبے کا نظم ونسق اور دفاع کا کام بھی خود سنبھال لیا جائے ان سب انتظامات کے مصارف کے بعد جو رقم بچے اس کو عثمانی خزانہ کی تحویل میں دیدیا جائے[1]

سلطان ٹیپو کی شاید یہ خواہش بھی تھی کہ وہ بصرہ کے عوض دکن کے جنوبی مغربی ساحل پر واقع بندرگاہ منگلور کو انہی شرائط پر عثمانی سلطان کو دیدیئے۔ اس کا ذکر ذیل میں آئے گا۔ (بہرحال ٹیپو سلطان کے ہدایت ناموں یا اس کی مراسلت میں اس مبینہ بندرگاہ کا نام نہیں ہے)

اس کی یہ تجویز ان دو بندرگاہوں کے متعلق مذکور ہدایت نامہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان کا سفارتی وفد یکم مارچ ۱۷۸۶ء میں ہندوستان میں موجود تھا۔ جودت پاشا کی تاریخ (ج ۳ ص ۲۷۰ چاپ ۱۳۰۹ھ) کے مطابق یہ طے تھا کہ وہ لوگ ۲۶ راگست ۱۷۸۶ء کو بصرہ پہنچیں۔ مگر ان کا یہ سفر اس وقت کے قدرتی حالات نیز دوسری شرائط کے تحت ۶۲ - ۸۲ دن میں طے ہو سکتا تھا۔ سفارتی وفد سات کشتیوں اور قیمتی تحائف کے ساتھ بصرہ پہنچا اور وفد کے ہمراہ ایک بڑی جماعت تھی جس میں ۹۰۱ آدمی تھے۔ لیکن ان میں سے استانبول جانے کے لئے صرف ۲۰۰ آدمیوں کو اجازت دی گئی[2]

جب سفارتی وفد بصرہ پہنچا تو یہ افواہ پھیلائی کہ ٹیپو سلطان بندرگاہ منگلور کو سارے کے سارے محاصل اور اموال کے ساتھ عثمانی بادشاہ کو بطور ہدیہ دینے والے ہیں۔ اس بارے میں جودت پاشا اپنی مذکور تاریخ (ص ۲۸۰) میں لکھتا ہے۔ اگرچہ مملکتوں کے درمیان ایک دوسرے کو تحائف دینا ایک مروجہ عادت ہے لیکن ہمیں ابھی تک ایک

ملکت بالیور

[1] ماخذ مذکور۔ ص ۶۲۲ - ۶۲۳

[2] ماخذ مذکور ص ۶۲۲، ۶۲۳

[3] ماخذ مذکور ص ۶۲۳ دنیز ان کی تفصیلات مراسلہ نمبر ۲۱۴ مورخۂ یکم فروری ۱۷۸۶ء میں دی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں غلام علی خاں کے نام چار مراسلے لکھے گئے ہیں۔ دیکھیو صحیفہ ٹیپو سلطان ج ۱ ص ۲۹۹ وما بعد۔

مملکت تحفہ دینے کا واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس لحاظ سے ہمیں اس ایلچی وفد کی آمد کا نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار کرنا پڑا[1]

ٹیپو سلطان کے سفراء کی پادشاہ عثمانی کے نام عرضداشت

ان توضیحات کے بعد ہمیں وہ خطوط دیکھنے چاہئیں جو "نامہ دفتری" میں ملتے ہیں۔ یہاں ان خطوط کی نہ کوئی تاریخ ملتی ہے اور نہ "نامہ دفتری" میں اس کے درج کی تاریخ۔ (اس عرضداشت کا فارسی متن "نامہ دفتری" میں صفحہ ۱۷۷ پر درج ہے۔ عرضداشت کے آخری جملہ سے پتہ لگتا ہے کہ یہ مکتوب سفیروں کی بصرہ میں آمد سے پہلے لکھے جا چکے تھے۔ اس کے مطابق و نیز تاریخ جودت پاشاہ (ج ۳) کے اندراجات کے مطابق یہ تخمین کرنا مشکل نہیں ہے کہ گویا عرضداشت ۱۲۰۰ھ کے آخری مہینوں میں لکھی گئی تھی[2]

اس عرضداشت کے آخر میں جو جملہ ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عثمان خاں نامی قاصد سفارت سے قبل عثمانی دربار میں پہنچا ہے، اس بات کا ذکر ٹیپو سلطان کے اس ہدایت نامہ میں بھی ملتا ہے جو اس نے یکم مارچ ۱۷۸۶ء میں اپنے سفیروں کو بھیجا ہے[3]۔ اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ قاصد اور عرضداشت سفیروں کے استانبول پہنچنے سے پانچ چھ ماہ قبل ہی پہنچ چکی تھی۔

عرضداشت میں اس بات کا خاص طور پر ذکر ہے کہ ہندوستان کی اسلامی حکومتیں

---

[1] ماخذ مذکور حکمت بایور ۶۲۳، جودت پاشا کی مذکورہ تاریخ میں اس سفارت کے بارے میں جو بیان ہے اس کے خلاصے کو ڈاکٹر حمید اللہ نے "دکن تاریخی کانفرنس ۱۹۴۵ء میں اپنے "تاریخ دکن ترکی ماخذوں سے" کے عنوان سے ایک مقالہ میں نقل کیا ہے: دیکھو
Pro, of the Daccan Hist. Conference 1945, P.431

[2] حکمت بایور ماخذ مذکور ۶۲۴ (نوٹ نمبر ۱)

[3] اس عثمان خان کا ذکر اس سے پہلے کا ایک مراسلہ مورخہ ۱۳ دسمبر ۱۷۸۵ء میں ملتا ہے جس کو سلطان نے میر غلام علی خان کے نام لکھا ہے دیکھو صحیفۂ ٹیپو سلطان ج ۲۸۲۶

کیسے روبہ زوال ہیں اور حیدر علی اور اس کا بیٹا ٹیپو سلطان عیسائیوں سے کیسے جہاد اور مقابلہ کر رہا ہے۔ سفارت سے متعلقہ تحائف کا بھی ذکر ہے اور سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے درخواستیں بھی ہیں۔ یہ عرضداشت "نامہ دفتری ۹" میں ترکی ترجمے کے ساتھ درج ہے جس میں غلام علی خاں۔ نور اللہ اور لطف علی بیگ ایلچی کے نام قائدین کی حیثیت سے درج ہیں۔[1] (ملاحظہ ہو مراسلہ (۱) ضمیمہ میں)

ٹیپو سلطان کا سلطان عبد الحمید اول کے نام مراسلہ

یہ ایک لمبا مراسلہ ہے۔ مراسلہ میں دعا و القاب کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت ہندوستان کو یورپینوں اور خاص طور پر انگریزوں نے کیسے فتح کیا اور مملکت کے مسلم باشندے ان کے مقابل کیا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

جیسا کہ اس مراسلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان عثمانی پادشاہ سے دو طرح کی بنیادی امداد چاہتا تھا:

۱۔ وہ چاہتا تھا کہ عثمانی سلطنت اور میسور کے درمیان تجارت کو فروغ دیا جائے اور اس مقصد کے لئے اس کی خواہش تھی کہ بندر بصرہ اجارہ پر حاصل کرے اور اس کے عوض میں میسور کی بندرگاہوں میں سے ایک کو انہی شرائط اور مراعات پر عثمانی پادشاہ کو دیدے۔

۲۔ وہ چاہتا تھا کہ عراق میں حلہ[2] کے نزدیک نہر شاہی سے ایک نہر مرقد خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ تک نکالے اور اس کام کے لئے ٹیپو جو آدمی بھیجنے والا تھا ان کے لئے عثمانی پادشاہ سہولتیں مہیا کرے۔[3]

جودت پاشا نے اوپر والی تاریخ میں جو تفصیلات اس سفارتی وفد اور مراسلہ کے بارے میں درج کی ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ سفارتی وفد ترکی کا وزیر خارجہ (رئیس الکتاب)

---

[1] حکمت بایور، ماخذ مذکورہ ۶۲۳ - ۶۲۴

[2] اس حلہ کا ذکر مراسلہ میں نہیں ہے۔

[3] حکمت بایور ملبش ۲ ۴۲ ومابعد۔

فیضی آفندی سے بھی ملا تھا ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ بصرہ کو ٹیپو سلطان کے نام پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے جعفر خان نام کا ایک نمائندہ ایلچیوں کے ساتھ آیا تھا سفارتی وفد نے ٹیپو سلطان کے لئے بصرہ کو اجارہ پر لینے کے لئے دو وجوہات بیان کی ہیں:

۱۔ ہندوستان میں موسلا دھار بارش کے زمانے میں رطوبت کی زیادتی کی وجہ سے مویشیوں کا جلدی ہلاک ہونا۔ اس لئے ان کی حفاظت کے لئے ملک سے باہر انتظام کی ضرورت۔

۲۔ شاید ان دنوں بصرہ میں کچھ گڑبڑ پھیلی ہوئی تھی۔ صادق خان، اربان (urban) کے والے شیخ منتفق (Muntafik) اور شاوی زادہ نامی لوگ بغاوت پر اٹھ گئے تھے سفارتی وفد نے اس بغاوت کو ختم کرنے میں مدد کی پیشکش کی تھی اور کہا کہ جب بصرہ کو ہمیں اجارہ پر دیا جائے گا تو اس کے اندر توپ اور دوسرے آلات جنگ مہیا کئے جائیں گے اور بہت سے بڑی اور چھوٹی کشتیاں لا کر اس کی حفاظت بھی کی جائے گی اور تاجر لوگ امن و امان سے رہیں گے۔۔۔"

نیز وہ چاہتا تھا کہ مکہ، مدینہ، نجف، کربلا، اور مشہد خلیفۂ چہارم حضرت علی رض اور خانقاہ شیخ عبدالقادر جیلانی پر چاندی کے دروازے لگوائے اور ان سب مقامات پر مسافر خانے، نقارہ خانے وغیرہ تعمیر کرائے۔

تاریخ جودت پاشا میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ٹیپو سلطان اپنی طاقت بڑھانے کے لئے جو توپ، دستی بم، گھڑی، بندوق، شیشہ اور ظروف کے کارخانے قائم کرنا چاہتا تھا اس کے لئے ماہرین بھی مانگتا تھا اس بارے میں سفارتی وفد نے بتایا ہے کہ اگرچہ میسور میں اس قسم کے ماہرین کی کمی نہیں ہے لیکن ان کی تعداد اور بڑھانا چاہتے ہیں"۔

ٹیپو سلطان کے اس مراسلہ کا فارسی متن (نامہ دفتری نمبر ۹) ص ۲۰۹ سے تا ۲۱۱ درج ہے۔

(ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر (۲) ضمیمہ میں)

۱؎ حکمت بایر بلش، ص مذکور ما بعد

۲؎ ۔ ۔ ۔ ۔

ٹیپو سلطان کا مراسلہ عثمانی وزیر اعظم کے نام

اس مراسلہ میں سفارتی وفد کو پادشاہ سے ملاقات سے باریاب ہونے اور اس کو دوسری سہولتیں بہم پہنچانے کی درخواست کی گئی ہے۔ "خزینۂ اوراق باب عالی یا عثمانی) تصنیف جودت پاشا میں وہ اصل مراسلہ موجود ہے اور اس کے ساتھ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی ہے جس کو لفافے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس پر ٹیپو سلطان کی مہر کا زیریں حصہ دیکھنے میں آتا ہے۔[1]

استانبول میں مقیم انگریزی سفیر کا ٹیپو سلطان کے بارے میں رپورٹ

غالباً باب عالی کو ٹیپو سلطان اور میسوری سلطنت کے بارے میں بنیادی طور کچھ معلوم نہیں تھا اس لئے جب اس کو ٹیپو سلطان کے سفارتی وفد کی آمد کی خبر ملی تو اس نے استانبول میں مقیم انگریزی سفیر سے اس کے بارے میں معلومات چاہی چنانچہ ایک مراسلہ اس کے جواب میں ہے۔ ضمیمہ نمبر (۴)

انگریزی سفیر کی یہ رپورٹ وزیر اعظم کے تواریخی کاغذات (خزینۂ اوراق عثمانی) تالیف جودت پاشا کے غیر ملکی حصے کے وثیقوں میں ۶۴۵۵ نمبر کے تحت موجود ہیں۔

یہ وثیقہ جو تاریخ جودت پاشا سے ماخوذ ہے اس کی تاریخ معلوم نہیں ہے اور نہ ہی دفتر اندراج میں اس کی تاریخ کا اندازہ کیا گیا ہے صرف وہ مکتوب جو ٹیپو سلطان کی طرف سے بھیجا گیا ہے "نامۂ دفتری" میں (صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۲) درج ہے اس مکتوب کے ترکی ترجمے کے حاشیہ نمبر (۱) پر تاریخ ذوالحجہ ۱۲۰۱ھ ہے اس اشارہ سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی سفیر نے اپنی رپورٹ انہی تاریخوں میں دی تھی[2] ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر (۴)

خلیفۂ عثمانی اور انگریزی سفیر کے درمیان اس مراسلت کا علم ٹیپو سلطان کو عبدالحمید اول کے جواب سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ میر غلام علی کے نام ایک مراسلہ مورخہ

---

[1] ملٹن نوٹ نمبر ۵-۶ و نیز ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر (۳) ضمیمہ میں۔

[2] حکمت اورم ۶۳۶ اور نوٹ نمبر (۱)

۳۱ر دسمبر ۱۷۸۵ء میں اس طرف اس کی توجہ خاص طور پر مبذول کراتے ہوئے کہتا ہے :
" عامل منجیسر (Manjaser) محمد شفیع اور اس کے بھائی کے خطوط ملفوف ہیں۔
آخر الذکر خط میں ان ملاقاتوں کا ذکر ہے جو آج کل قسطنطنیہ میں سلطان ترکی اور انگریزی
سفیر کے درمیان ہو رہی ہیں خط کے مضمون کو اچھی طرح ذہن نشین کرتے ہوئے جلد سے
جلد اس کام کو انجام دیں جس کے لئے ان حشمت آب دستگاہ کو مقرر کیا گیا ہے۔[1]

عبدالحمید اول کا جواب ٹیپو سلطان کو

ٹیپو سلطان کے سفارتی وفد کی استانبول میں آمد کے دوران عثمانی سلطنت شدید ابتری
کے دور سے گذر رہی تھی اگست ۱۷۸۸ء میں روس کے ساتھ اور اس کے کچھ عرصے کے بعد
اسٹریا سے جنگ شروع ہو گئی۔ عثمانی حکومت اس مہم کی تیاری میں مشغول تھی اسی زمانے میں
روس اور انگلینڈ کے تعلقات بگڑ چکے تھے اس لئے کہ عثمانی حکومت حکومت خیر الذکر کو اپنا
دوست سمجھتی تھی۔ عبدالحمید کا ٹیپو سلطان کو جواب انہی حالات کے تحت لکھا گیا ہے۔ عبدالحمید
اپنے مکتوب میں ایک طرف ٹیپو کو صلح اور امن سے رہنے یعنی انگریزوں سے جنگ نہ کرنے
پر زور دیتا ہے اور دوسری طرف روس کے خلاف اپنی تیاری سے مطلع کرتا ہے۔ مکتوب
کی تاریخ ہے" اوائل جمادی الاولی ۱۲۰۲ھ۔ وسط فروری ۱۷۸۸ء

پادشاہ عبدالحمید کے طرز تحریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گویا وہ ان دونوں
روس کے ساتھ لڑنے کے لئے فیصلہ کر چکا تھا۔[2]

مراسلہ نمبر (۵) ضمیمہ میں ملاحظہ ہو۔

پادشاہ عثمانی سلیم سوم اور ٹیپو سلطان کے درمیان خط و کتابت

ان مراسلات کا بنیادی پس منظر:

مشہور فرانسیسی جنرل نپولین بوناپارٹ چاہتا تھا کہ ٹیپو سلطان کے ساتھ تعلقات

---

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان ۲۸۲۳

[2] حکمت بایود نے اس مراسلہ کے فارسی متن کو فوٹو نمبر ۸ میں شائع کیا ہے ونیز ملاحظہ ہو بلیٹن ۶۲۷ء

ٹیپو سلطان کا مراسلہ عثمانی وزیرِ اعظم کے نام

اس مراسلہ میں سفارتی وفد کو پادشاہ سے ملاقات سے باریاب ہونے اور اس کو دوسری سہولتیں بہم پہنچانے کی درخواست کی گئی ہے۔ "خزینۂ اوراق باب عالی یا عثمانی) تصنیف جودت پاشا میں وہ اصل مراسلہ موجود ہے اور اس کے ساتھ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی ہے جس کو لفافے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس پر ٹیپو سلطان کی مہر کا زیریں حصہ دیکھنے میں آتا ہے۔[1]

استانبول میں مقیم انگریزی سفیر کا ٹیپو سلطان کے بارے میں رپورٹ

غالباً باب عالی کو ٹیپو سلطان اور میسوری سلطنت کے بارے میں بنیادی طور کچھ معلوم نہیں تھا اس لئے جب اس کو ٹیپو سلطان کے سفارتی وفد کی آمد کی خبر ملی تو اس نے استانبول میں مقیم انگریزی سفیر سے اس کے بارے میں معلومات چاہی چنانچہ ایک مراسلہ اس کے جواب میں ہے۔ ضمیمہ نمبر (۴)

انگریزی سفیر کی یہ رپورٹ وزیرِ اعظم کے تواریخی کاغذات (خزینۂ اوراق عثمانی) تالیف جودت پاشا کے غیر ملکی حصے کے وثیقوں میں ۶۴۵۵ نمبر کے تحت موجود ہیں۔

یہ وثیقہ جو تاریخ جودت پاشا سے ماخوذ ہے اس کی تاریخ معلوم نہیں ہے اور نہ ہی دفتر اندراج میں اس کی تاریخ کا اندازہ کیا گیا ہے صرف وہ مکتوب جو ٹیپو سلطان کی طرف سے بھیجا گیا ہے "نامۂ دفتری" میں (صفحہ ۲۱۱ تا ۲۱۲) درج ہے اس مکتوب کے ترکی ترجمے کے حاشیہ نمبر (۱) پر تاریخ ذالحجہ ۱۲۰۱ھ ہے اس اشارہ سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی سفیر نے اپنی رپورٹ انہی تاریخوں میں دی تھی[2] ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر (۴)

خلیفۂ عثمانی اور انگریزی سفیر کے درمیان اس مراسلت کا علم ٹیپو سلطان کو عبد الحمید اول کے جواب سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔ کیوں کہ وہ میر غلام علی کے نام ایک مراسلہ مورخہ

---

[1] لمبٹن فوٹو نمبر ۵ - ۶ و نیز ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر (۳) ضمیمہ میں۔

[2] حکمت الورم ۶۲۲۶ اور ... نمبر (۱)

۳۱ر دسمبر ۱۷۸۵ء میں اس طرف اس کی توجہ خاص طور پر مبذول کراتے ہوئے کہتا ہے :
"عامل منجیسر (Manjaser) محمد شفیع اور اس کے بھائی کے خطوط ملفوف ہیں۔
آخر الذکر خط میں ان ملاقاتوں کا ذکر ہے جو آج کل قسطنطنیہ میں سلطان ترکی اور انگریزی سفیر کے درمیان ہو رہی ہیں خط کے مضمون کو اچھی طرح ذہن نشین کرتے ہوئے جلد سے جلد اس کام کو انجام دیں جس کے لئے ان حشمت مآب دستگاہ کو مقرر کیا گیا ہے۔[1]

عبدالحمید اول کا جواب ٹیپو سلطان کو

ٹیپو سلطان کے سفارتی وفد کی استانبول میں آمد کے دوران عثمانی سلطنت شدید ابتری کے دور سے گذر رہی تھی اگست ۱۷۸۸ء میں روس کے ساتھ اور اس کے کچھ عرصے کے بعد اسٹریا سے جنگ شروع ہو گئی عثمانی حکومت اس مہم کی تیاری میں مشغول تھی اسی زمانے میں روس اور انگلینڈ کے تعلقات بگڑ چکے تھے اس لئے کہ عثمانی حکومت حکومت خیر الذکر کو اپنا دوست سمجھتی تھی۔ عبدالحمید کا ٹیپو سلطان کو جواب انہی حالات کے تحت لکھا گیا ہے عبدالحمید اپنے مکتوب میں ایک طرف ٹیپو کو صلح اور امن سے رہنے یعنی انگریزوں سے جنگ نہ کرنے پر زور دیتا ہے اور دوسری طرف روس کے خلاف اپنی تیاری سے مطلع کرتا ہے۔ مکتوب کی تاریخ ہے" اوائل جمادی الاولیٰ ۱۲۰۲ھ بہ وسط فروری ۱۷۸۸ء

پادشاہ عبدالحمید کے طرز تحریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گویا وہ ان دونوں روس کے ساتھ لڑنے کے لئے فیصلہ کر چکا تھا۔[2]

مراسلہ نمبر (۵) ضمیمہ میں ملاحظہ ہو۔

پادشاہ عثمانی سلیم سوم اور ٹیپو سلطان کے درمیان خط و کتابت

ان مراسلات کا بنیادی پس منظر:

مشہور فرانسیسی جنرل نپولین بوناپارٹ چاہتا تھا کہ ٹیپو سلطان کے ساتھ تعلقات

---

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان ۲۸۲

[2] حکمت بایور نے اس مراسلہ کے فارسی متن کو فوٹو نمبر ۸ میں شائع کیا ہے ونیز ملاحظہ ہو بلٹن ۶۲۷

قائم کرکے اس کو اپنا اتحادی بنالے ۱۷۹۸ء میں اس نے مصر پر قدم جمالیا تھا اسی سال جولائی کے مہینے (ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ) میں وزیر اعظم عثمانی، سلطان سلیم سوم کو ایک رپورٹ ارسال کرتا ہے۔ اس میں انگریز سفیر کی خواہش کی بنا پر ٹیپو سلطان کو اچھا رویہ اختیار کرنے اور انگریزوں سے نہ لڑنے کی سفارش کرکے ایک خط لکھنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے، اور وہ اس مکتوب کا ایک مسودہ بھی ساتھ بھیجتا ہے۔

چونکہ اس زمانے میں ٹیلیگراف نہ ہونے کی وجہ سے مراسلات بادبانی کشتی یا گھوڑوں کے ذریعہ بھیجے جاتے تھے اس لئے خبر رسانی میں دیر ہوتی تھی انگریزوں کو مصر کے حالات سے باخبر رہنا، اور نپولین بوناپارٹ کا ٹیپو سلطان کے ساتھ اتحاد کے مقصد جاننے اور یہ کہ اس کے مقابلے میں کیا تدابیر سوچنی چاہئیں، اور اپنے سفیر استانبول کو ہدایت بھیجنے اور باب عالی کو اس کام پر راضی کرنے کے مسائل درپیش تھے اور ان سب کاموں کے لئے کم از کم دو مہینے کی مدت کی ضرورت تھی۔

اس کے مطابق گویا انگریزوں نے مصر کی واقعہ کے بعد ہی یہ سوچنا شروع کردیا کہ ٹیپو سلطان کو نپولین بوناپارٹ سے ملنے سے روکنے اور امن سے رہنے کی تلقین کرنے کے لئے عثمانی بادشاہ کی مداخلت سے کام لیا جائے۔

درحقیقت کئی سال سے ٹیپو سلطان اور انگریز دونوں ایک دوسرے کے خلاف جنگی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اس کے علاوہ آخر الذکر ہندوستان اور خاص طور پر دکن سے فرانسیسی اثر و نفوذ ختم کرنے کے لئے کوشاں تھا اور ٹیپو سلطان بھی فرانسیسیوں کے علاوہ افغانستان کے شاہ زمان اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کے خلاف سمجھوتہ کرنے کے لئے سوچ رہا تھا۔

مئی ۱۷۹۸ء میں لارڈ مورننگٹن (بعد میں لارڈ ولزلی) بحیثیت گورنر جنرل ہندوستان پہنچا۔ اس نے آتے ہی ٹیپو سلطان کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اس کا اس فیصلہ کی اصل وجہ جزیرہ موریس (Isle de France) سے کچھ فرانسیسی رضاکاروں کی آمد تھی لیکن درحقیقت وہ ٹیپو سلطان کو ختم کرنا بہرحال لازمی سمجھتا تھا اور اس کے پاس جو قوت تھی اس کے ذریعہ اس کام کو ممکن بلکہ بہت آسان سمجھتا تھا اور اس کو یقین تھا کہ وہ اس کام کو جلد سے جلد انجام دے سکے گا اسی منصوبہ پر وہ پوری تیاری کررہا تھا۔

ان دنوں یورپ میں فرانسیسی انقلاب پسندوں کے خلاف جنگ چھڑ گئی تھی اور حکومت انگلینڈ نہیں چاہتی تھی کہ یہ آگ بشمول ہندوستان دوسری جنگوں میں بھی پھیل جائے۔ اس مکتوب سے جو سلطان سلیم سوم کی طرف سے ٹیپو سلطان کے نام ہے۔ اس سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

ہندوستان کا گورنر جنرل اپنی حکومت کی صلح پسندی کے باوجود ٹیپو سلطان کے خلاف اپنی سیاسی اور عسکری تیاریوں میں مصروف تھا اور نظام حیدر آباد اور مرہٹوں کو اپنا جانب دار بنانے کے لئے کوشاں تھا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کو ٹیپو سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ۷ر فروری کو جب گورنر جنرل کو یہ علم ہوا کہ ٹیپو سلطان نے جزیرۂ موریس سے آئے ہوئے ڈوبیک (Dubic) نامی ایک فرانسیسی افسر کو سفیر بنا کر فرانس بھیجا ہے تو اس نے اس بات کو بہانہ بنا کر ۲۲ر فروری ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

گورنر جنرل نے سلطان سلیم سوم کے مراسلہ کو جنگ چھڑنے سے چند روز قبل ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا۔ یہ مراسلہ کی تاریخ ۱۷ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ (۲۲ر جولائی ۱۷۹۸ء) اور یہ ٹیپو سلطان کو جنوری کے آخر یا فروری ۱۷۹۹ء کے شروع میں ملا۔ ٹیپو سلطان نے اس مراسلہ کے دو جواب دیئے۔

پہلا مراسلہ ۴ر رمضان ۱۲۱۳ھ (۹ر فروری ۱۷۹۹ء) کو لکھا گیا ہے لیکن نامہ دفتر (دفتر مراسلات) میں اس کا ذکر نہیں ملتا[1]

---

[1] حکمت بابرص ۶۴۰ و ما بعد

(سلطان سلیم سوم کے اس مکتوب اور ٹیپو سلطان کے صرف ایک جواب کا سب سے پہلے اردو ترجمہ تملات حیدری تالیف مولوی عبد الرحیم ص ۲۴۳ ۔ ۲۵۱ میں درج ہوا ہے اس کی تاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۱۳ھ ہے۔ اور سلطان سلیم کی مراسلہ کے فارسی متن اور ٹیپو سلطان کا جواب کا عربی متن کارنامہ حیدری (۱۸۴۸ء) ص ۹۷۶ ۔ ۹۸۶ میں درج ہے۔ ملاحظہ ہو مراسلہ نمبر ۶ اور ۷۔ یہ مراسلہ اور اس کے جواب کا انگریزی متن جو کہ " History of Haidar Ali Shah میں ص ۳۱۹ ۔ ۳۲۷ میں ملتا ہے اس میں مراسلہ کی تاریخ ۲۰ر ستمبر ۱۷۸۹ء ہے)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مونٹگمری مارٹن کے Wellesley Marquess Despatches[9]
Minutes and Correspondence کے XX فصل .V نام ارثرح
مطابق ٹیپو سلطان کا یہ جواب ایک پرائیویٹ قاصد کے ذریعہ بھیجا گیا تھا اور قوی احتمال
یہ ہے کہ یہ مراسلہ استانبول تک نہیں پہنچا۔ بلکہ ٹیپو سلطان کے شکست اور اس کے دارالحکومت
پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد یہ خط ہاتھ لگا۔

ٹیپو سلطان کا دوسرا جواب انگریزوں کی توسط سے سلطان سلیم کو بھیجا گیا تھا۔ یہ
مکتوب بھی نامہ دفتری میں نہیں ملتا۔ یہ مراسلہ جو کہ ۱۶ فروری کو لکھا گیا تھا اس کے اہم
حصہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے اور نامہ دفتری کے حاشیہ پر اس کا صرف خلاصہ دیا گیا ہے اس
کے اہم حصہ مذکورہ کتاب ص ۴۱۳ - ۴۱۷ میں ملتا ہے[1]۔ حکمت بایور کے بیان
کے مطابق اس مراسلہ کے علاوہ "نامہ دفتری ۹" میں پہلے مکتوب سے کچھ نیچے صفحہ ۲۸۸ - ۲۸۹
پر سلیم سوم کا ٹیپو سلطان کے نام ایک اور مکتوب ملتا ہے۔ اگرچہ اس مکتوب کا ایک حصہ پہلے
مکتوب کا سا ہے لیکن اس سے کچھ طویل تر ہے اور اس میں کچھ اضافی بھی ہے۔ اس کے لکھنے کی
تاریخ ۳ محرم ۱۲۱۴ھ ۷ رجون ۱۷۹۹ء ہے ساڑھے آٹھ مہینے کے عرصہ میں جو کچھ واقعات
رونما ہونے تھے ان کے متعلق اس میں اضافہ کیا گیا ہے جس سے مکتوب طویل ہوگیا ہے اور
یہ اضافی حصہ اس کے حاشیہ میں دکھایا گیا ہے اس طرح دوسرے مکتوب کا آخری حصہ پہلے
مکتوب کے آخری حصے سے کچھ مختلف ہے نمایاں بات یہ ہے کہ پہلے مکتوب کے آخر میں
اس کو انگریز سفیر کے توسط سے بھیجنے کا ذکر ہے[2] (مراسلہ نمبر ۸ ضمیمہ میں ملاحظہ ہو۔)

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عثمانی بادشاہ نے جون ۱۷۹۹ء میں
ٹیپو سلطان کی انگریزوں سے صلح کرانے کے لئے بھی ایک کوشش کی اور اس مرتبہ بجبور

---

[1] ملاحظہ پچھلے صفحہ اور تاریخ جواب ۱۰ رمضان ۱۲۱۳ھ ۱۶ فروری ۱۷۸۹ء ہے
جواب سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اس سے قبل ایک مفصل نامہ علی محمد اور مدار الدین
کی معرفت اور اس کے علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر نام قاصد کے ہاتھ ایک اور نامہ
[illegible] ص - ۱ اور بعد
[2] حکمت بایور ص ۱۴۶

میں اپنا ایک سفیر بھی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔[1]

اس دوسرے مکتوب کے نامہ دفتری میں اندراج (۷ جون ۱۷۹۹ء) سے ایک ماہ قبل (یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء) ٹیپو سلطان لڑائی میں شہید ہو گئے[2] اور ان کے دارالحکومت سرنگاپٹم پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا اور ان کی حکومت بھی ختم ہو گئی لیکن اس واقعہ سے اس وقت تک نہ تو استانبول واقف ہوا اور نہ ہی لندن۔

گورنر جنرل ہندوستان لارڈ مورننگٹن کا وہ مراسلہ جو سلطان سلیم سوم کا ٹیپو سلطان کے نام مراسلہ بھیجتے وقت اس کے ساتھ ملفوف کردیا گیا تھا۔[3]

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مورننگٹن (ولزلی) نے سلطان سلیم سوم کے مکتوب کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجتے وقت اپنی طرف سے ایک اور مکتوب لکھ کر اسی مکتوب کے ساتھ ملفوف کردیا تھا۔ اس سے پہلے بھی اس نے باب عالی کا فرانس کے خلاف اعلان جنگ اور ایک الگ بیان جو فرانس کے خلاف تھا ٹیپو سلطان کو پہنچایا تھا۔ اس میں ان باتوں پر خاص طور پر زور دیا گیا تھا۔

۱۔ فرانسیسی لوگ ظالم ہیں۔ اہانت کرتے ہیں اور تمام مذاہب خاص طور سے مذہب اسلام اور اسلامی حکمرانوں کے دشمن ہیں اور ان کے متعلق برے خیالات رکھتے ہیں اور ہر قسم کے انسانی اور بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

۲۔ فرانسیسی تمام مسلمانوں کے معزز اور محترم خلیفۂ اسلام کی تحقیر کرتے ہیں اور ان کے خلاف حملہ کرتے ہیں اور ایک ایسے ملک میں ظالمانہ لڑائی میں مشغول ہیں کہ جو اسلام کے مقدس یادگاروں کا مرکز ہے۔

۳۔ آج کل انگریزوں اور عثمانیوں کے درمیان فرانسیسیوں کے خلاف جو دوستی

[1] اس دوسرے مکتوب اور ان کے حواشی والے نوٹ کے بارے میں ملاحظہ ہو بلٹن فوڈو نمبر ۱۰۔۱۱ و نیز ملاحظہ ہو ص ۶۴۲

[2] حکمت بایور ص ۶۴۳

[3] منٹگمری مارٹن کی مذکورہ کتاب ج ۱ فصل XXIV کے موافق اس مراسلہ کی تاریخ ۱۶ جنوری ۱۷۹۹ء ہے۔ ملاحظہ ہو بلٹن ۲۵۰۲ (نوشا)

موجود ہے وہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے۔

۴۔ پادشاہ عثمانی آپ (ٹیپو سلطان) اور فرانسیسیوں کے درمیان انگریزوں کے خلاف جو دوستانہ تعلقات ہیں اس سے خوب واقف ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ آپ فرانسیسیوں کے متعلق متنبہ ہو جائیں کہ یہ لوگ حضرت پیغمبرؐ کے مقدس روضہ کو پامال اور آپ کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں لہٰذا وہ یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں سے نہ ملیں۔

آخر میں گورنر جنرل ٹیپو سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کے دینی پیشوا کی نصیحتیں آپ کو صلح کا راستہ دکھائیں[1]

ٹیپو سلطان کا جواب سلطان سلیم کو[2]

ٹیپو سلطان اپنے اس مراسلہ میں جس کو ایک پرائیویٹ قاصد کے ذریعہ استانبول بھیجا چاہتا تھا اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ فرانسیسیوں نے عثمانی اراضی پر یلغار کر کے سب مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا لیا ہے اور اس کے ساتھ وہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف اپنے کارنامۂ جہاد سے بھی بحث کرتا ہے اور عثمانی پادشاہ کی یقینی امداد پر امید کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد ٹیپو سلطان اس بات کو زور دے کر بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں کافر لوگ کس طرح حیلوں اور ظلم کی بساط بچھا رہے ہیں اور کیسی فتوحات میں مشغول ہیں۔ اس مرتبہ وہ انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ایک ساتھ ملامت کرتا ہے۔

چونکہ ان دنوں ہندوستان میں انگریزوں کا دبدبہ تھا اس لئے ٹیپو سلطان نے آخری صورت حال کو بیان کرتے ہوئے انگریزوں کی خاص طور پر شکایت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ سارے ہندوستان پر قبضہ جمالیں اور اسلام کو ختم کر دیں۔

---

[1] ماخذ مذکور ص ۶۵۰

[2] ایم مارٹن، ماخذ مذکور ج ۷ فصل ۔۔ میں اس کی تاریخ ۴ رمضان ۱۲۱۳ھ ۹ فروری ۱۷۹۹ء ہے لیکن حکمت بالپور کے مطابق اس جواب ذکر نامہ دفتری میں نہیں ہے ملاحظہ ہو ۶۵۰ نوٹ (۲) شاید یہ وہ مفصل مراسلہ ہوگا جسے سلطان نے علی محمد کی معرفت بھیجا کیونکہ جو مطالب یہاں بیان کئے گئے ہیں اس مراسلۂ مندرجہ "حملات حیدری" میں نہیں ملتے ہیں۔ مراد یعقوب

اس کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس نے تیرہ سال پہلے سلطان عبدالحمید اول کے ہاں اپنا ایک سفارتی وفد بھیجا تھا اس پر انگریز ڈر گئے کہ مبادا ان کے خلاف اسلامی اتحاد قائم ہو جائے، اس لئے اس (ٹیپو) کے خلاف ہندوستان میں سرگرمیاں شروع کر دیں نظام حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد کر کے اس کے خلاف جنگ شروع کر دی۔

ٹیپو سلطان اس مراسلہ میں ۱۷۹۰-۹۲ء کی لڑائیوں اور معاہدۂ سرنگاپٹم کا ذکر کرتا ہے اور نیز اپنے ان مراسلوں کو بھی ذکر کرتا ہے جو حکومت فرانس اور افغانستان کے شاہ زمان کے نام لکھے تھے اور یہ بھی ذکر کرتا ہے کہ ان حکومتوں سے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے انگریزوں نے اس کے خلاف جنگ شروع کر دی۔

اس کے علاوہ ٹیپو سلطان نے اپنے مراسلہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کا خیال ہے کہ اپنے بیٹے کی قیادت میں ایک بڑا عسکری دستہ حجاز کے وہابیوں کے خلاف، جو وہاں گڑبڑ پھیلا رہے ہیں، بھیجے[1]۔

گزارش

۱۔ میں محکمۂ آثار قدیمہ (آرکیٹولوجیکل ڈپارٹمنٹ) اور خاص کر ان کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر محترم ڈاکٹر عبدالغفور صاحب اور لائبریرین صاحب کا نہایت مشکور ہوں جنہوں نے مجھے ترکی بلٹن (حکمت بالیوز کا مقالہ) سے متعلقہ مواد کو ترجمہ کرنے اور متعلقہ دستاویزات کو نقل کرنے کے لئے خاص سہولتیں دیں۔

۲۔ ٹیپو سلطان اور سلاطین عثمانی اور دوسرے مسلم سلاطین کے درمیان جو سفارتی تعلقات قائم ہوئے وہ تاریخ کا ایک فراموش شدہ مگر اہم باب ہے اور اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے کے لئے کافی گنجائش ہے مجھے افسوس ہے کہ کراچی میں بعض ضروری ماخذ نہ ملنے اور وقت کی کمی کی وجہ سے حسب دلخواہ تحقیق نہ کر سکا ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ آئندہ اس موضوع پر پوری توجہ دوں اور ایک کتاب مرتب کروں۔

[1] ملاحظہ ہو حکمت بالیوز بلٹن ص ۱۵۶ اور ضمیمہ نمبر (   )

ضمیمہ

ٹیپو سلطان اور عثمانی سلاطین کی خط و کتابت

متن عرضداشت جو ٹیپو سلطان کے سفیر کی طرف سے جو ابھی ہندوستان میں تھا سلطان عبد الحمید اول کے نام بھیجا گیا (نامہ دفتری ۹-۴ ۱۷۷)

شہنشاہ اسکندر شان سلیمان قدر دارا دربان

جناب والے نعمت

عرضداشت بندگان عبودیت نشان غلام علی خان رشاہ نوراللہ ولطف علی بکباغور لالی متلالی آداب ارادت وجواہر زواہر داب عقیدت را نثار بارگاہ عرش اشتباہ . . . . ساختہ بعرض شطری از واردات این مملکت دبدختی از ودایع پرداختہ می شود کہ بمقتضای انقلاب دوران واتفاقات زمان از مدت ممتد سلطنت تیموریہ در اقلیم ہندوستان بضعف تام انجامید وازان طبقہ پادشاہی اولی العزم ذی قدرت اورنگ نشین فرمانروائی نگردید بنا علیہ نصاری شقاوت نشان کہ در بنادر ہندوستان بلباس بیع وشرای اقمشہ واجناس درصدد شورش وطغیان بودند باتفاق بعض حکام از حق غافل ومحو باطل تمالک وسیع المسالک بنگالہ ونصفی از مملکت دکن بجیز

تصرف خود آورده ابواب جور و جفا عموماً بر روی جمهور انام باز و دست تطاول خصوصاً
بناموس اهل اسلام دراز ساختند حتی که از مساجد و معابد ارباب ایقان بانگ اذان و
تلاوت فرقان مفقود و به صداهای سامعه گزای ناقوس و شور و غوغای انجیل پرستان
سراسر مالوس آثار کلیسائی موجود شد آخر کار بحر مواج دین متین ختم المرسلین سیلاب
تازه جلوه‌گر گردانید و بنیاد کفر و الحاد را آب رسانید یعنی بمیامن الهامات غیبی و تائید
لاریبی جوهر صمصام صلوبت نخل بند گلستان مهابت بانی مبانی فرمان دهی و کشورستانی
سایهٔ فضل و مکرمت یزدانی حضرت حیدر علی خان بهادر جنت مکانی بالشکر گران و
توپخانهٔ آتش سامان همت بجهاد و استیصال ارباب الحاد گماشتند و باندک فرصت
در اکثر حصن حصین و مساکین رزین کفره نجره علم فتح و فیروزی برافراشتند هر جا گروه
ضلالت پژوه مخالفین تیره درون باراده باطله مقابله و مجادله مانند خس و خاشاک
سرمایهٔ جمعیت می اندوختند فروغ شمشیر برق نسب نازیان موکب ظفر کوکب خرمن
هستی آنها پاک می سوختند مدت چهار سال سیف مسلول مجاهدین غیر (غیور) از غلاف
رنگین خون معاندین کسوت نیام نپوشید و توسلهٔ محابس و زندان از کثرت اسارای
فرنگی تنگی ورزید درین اثنا از مشیت ایزدی طلبناآن مؤسس اساس غزا به گلگشت
بهشت شتافتند و مناصب رحمت و مغفرت حق دریافتند بعد وقوع این سانحه
جلوس مبارک خلف الصدق آن رهگرای عالم بقا در دریای جود و سخا شیر بیشهٔ شجاعت
و دلیری آفتاب آسمان کیاست و روشن ضمیری یکه تاز معارک وغا صف شکن نبرد آزما
جوان بخت جوان سال پیر خرد عدیم المثال رافع اعلام ملت روشن قاطع بنیان ملحدان
جهنم موطن ظل سبحان حضرت ٹیپو سلطان ادام الله ظلال سلطنته سریر فرمان فرمائی
والد ماجد را زیب تازه بخشید و بیش از پیش نایره عدو سوزی و دشمن گدازی مشتعل گردید
درین هنگام میمنت توجه خاطر اعلی به تخریب مسکن قدیم نصارای تیمم که بر کنار دریای شرقیه واقع
دست از تیر بختیهای فنگ کج رفتار اخبار انتشار جمعیت پنج هزار نصرانی و پانزده از تفنگچیان[1]
هندوستانی بجانب دریای غربیه دست تصرف یافتن آنها بدار الحکومت حیدرنگر

[1] پانزده هزار تفنگچیان

بسازش و آمیزش نمک حرامان بدسیر بسمع اقدس رسید معاً خود بدولت و اقبال باشکر نکال[1] ببیل یلغار بر سر وقت درمائیان شور بخت رسیده ذوارق وجود آں غرق لجۂ آب تیغ بیدریغ فرمودند و برادران کفرہ بقیۃ السیف بواسطۂ اعتصام بحبل المتین دین مبین امان جان یافتند والمنۃ للہ کہ حصن حصین بلدہ مسطور و دیگر قلوع متعلقہ آن بیک حملہ غضنفرانہ مفتوح گشت و نقش این فتح نمایاں بر صفحۂ روزگار درست نشست۔

ہنوز عزم والا عارج معارج اعتلاء و ارتقا است الحق ہمت بہیچ[2] مرتبہ راضی نمیشود "بکجا فرازنیست سپہر بلندما۔" ازآنجا کہ تفصیل این اجمال ازاندازۂ تحریر و تطہیر افزون است لہٰذا جناب خداوندی جہت تشریح و توضیح مقدمات فتوحات و غوامض مکنونات ما بندہ ہا را محرم آستان کعبہ نشان کہ مرجع سلاطین ذی ایمان است فرمودہ اند انشاءاللہ کشتیان در ماہ شوال فرخندہ فال باسفاین سرکار دولت مدار و چند زنجیر فیل و معہ عماری نقرہ بدایای این دیار بہ بندر بصرہ یا جدہ میرسیم بمقتضاے عنایات شاہنشاہی و تفضلات ظل اللّٰہی بنام بنادر مذکور احکام جہان مطاع شرف نفاذ یابد کہ مکانی جہت سکونت عبودیت سرشان تعیین ساختہ پیشتر بابدرقہ عازم جبہ سائی سدہ سنیہ نمایند بالفعل عثمان خان وغیرہ را بنا بر التماس کیفیت عزیمت ما بندہ ہا روانۂ بارگاہ سلیمان جاہ نمودہ شد مستعد جبہ سائی عتبہ علیہ خواہند گردید زیادہ عبداللہ؟

مراسلہ نمبر (۲)

متن مراسلۂ ٹیپو سلطان عبدالحمید اول کے نام (نامہ دفتری ۹۔م ۲۰۹۔۲۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواہر زواہر ستائش بیرون از قیاس ولالی متلالی نیایش لاانتہائی اساس نثار بارگاہ مالک الملکی کہ توقیع وقیع دولت و کامگاری سلاطین سپہر اقتدار را بطغرای غرائی "انا جعلناک خلیفۃ فی الارض" موشح گردانید و نگین خاتم حشمت و فرمان روائی

---

[1] در ترجمہ ترکی ظفرسگال

[2] در ترجمہ ترکی بہیچ

خواقین نامدار را از نقش همایون "قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء" بزینت رسانید. حاکمی که بر پشت کرسی حکم محکمش خسرو زرین علم یعنی نیر اعظم بدستیاری کانیغ دو دم کشیده بر سیاه ظلم لی تازد و عادلی که بآبیاری سحاب معدلتش سلطان بهار بامحمود و خنجر غنچه و سوسن بنیاد هستی خس و خار را که لشکر شحنهٔ خزان است با خاک یکسان می سازد دستمی که بانتقام شکست مینا تیغ خاراشگاف بر سر کوه گذاشته و پادشاهی دشحنه مکافاتش به پژمردگی برگ گل آفتاب را در محبس حیاء مغرب انداخته قله قاف قدر تش ازان رفیع ترکه عنقای اندیشه بگردش بال و پری تواند افشاند و بادیه کنه کمالش ازان وسیع ترکه سمند وہم و خیال خوش تگ را به سرحدش تواند رساند اگر خورشید خاوری ذره صفت چشم براه فیض نامتناهیش نمی دوخت آن قدر سرمایهٔ افاضت نمی اندوخت که قریب و بعید و پست و بلند در نظر همتش یکسان آید و اگر ابر آذری از نمد پوشاک پوسی عطائش نمی بود صدا انعام عام لآلی و گوهر بگوش عمان و قلزم در نمی آید

تعالی چه شان و جلالست این	تقدس چه قدر و کمالست این
روان بر فلک موکب عزتش	کشان بر زمین دامن رحمتش
زبس هست بحر عطائش فراخ	سبد پر کند غنچه از جری شاخ
عطا کرده از گنج انعام خویش	بدل یاد خویش ملبب نام خویش
نفس در میان شد چنان بیکون[1]	که یک در درون است و یک برون[2]

و صلوات زاکیات و تحیات بابرکات و نفف رو نننرا ماس کرسی حاس شاهنشاهی که نسبت رفعت جنابش در ته گنبد سپهر پیچیده و لمعات که بر کمالش چشم بصیرت جواہر مجرده را خیره گردانیده امی لقبی که ام القری از شرف قدم همایونش بر آبای علوی می نازد و هاشمی نسبی که ابوالبشر در محفل قدمش از حدیث "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" رنگ می باند (می یابد) دریای اخضر سپهر با آن همه پهناوری نیلوفریست از محیط اعظم جبروتش نو خواسته و وسعت آباد زمین با آن قدر وسیع الفضائی کریست از ره گذر حیاد شان عظمتش بر دامن روزگار نشسته محمد که شمع ازل نور او ست قلم اولین حرف منشور او

---

[1] با سکون؟

[2] که یک اندرون است و یک در برون؟

است سرپروران تاج آزادگان سپهسالار خیل فرستادگان مه البطحی نبز منبرنی کش (نی کش)[1]

آن مشرقی است ابن مغربی خرد تشنهٔ فیض تعلیم او ترشح کش از چشمهٔ میم او جهان را مطاع و

خدا را مطیع اسیران روز جزا را شفیع و درود محمود نا معدود و ایثار ارواح طیبه پیشوایان

صراط المستقیم دین مبین الحباب ستارگان راه هدا کواکب دری فلک مجد و اعتلا ازدیا :

پس از تحریر حمد خالق اکبر و تسطیر برخی از فضائل آن سرور سخن و زیب عنوان ذریعة الاخلاص

نیازمند درگاه توان شد ثنای ظل الله عالم پناه خورشید سریر عطارد بس بهرام سطوت

فریدون رقبت برجیس طلعت[1] جمشید حشمت سلیمان شوکت کیوان وقار کردون اقتدار

سکندر رجعت، فلک تخت ملائک سپاه عرش بارگاه انجم حشمی است که سلاطین روزگار را

اعتقاد و استظهاری استوار تر از آن نیست آفتاب مکرمتیکه لمعات انفال جهانگیرش

در بسیط بر و بحر قریب و بعید عالی و سافل را بقدر استعداد و قابلیت از خاک .....

سحات (سحاب) مرحمتش رشحات افاضات بی منتهایش تشنه لب در بادیه ناکامی فرو نگذاشته،

عدالت آئینی تا همای معدلتش سایهٔ امن و امان بر مفارق ساکنان خطهٔ غبرا انداخته شاهین

تطاول روزگار در آشیانه عدم خزیده، خورشید نگینی که تا صبح صادق عالم و عالمیان

را بنور انصاف منور ساخته و هر تیره درون بساط ظلمت ظلم از شبستان جهان

برچیده. شهنشاه عادل[2]

.... محض لطف خدای فرازندهٔ چتر ظل اللهی فروزندهٔ بزم شاهنشاهی

بهنیز دی دولت لشت اونگین سعادت در انگشت او ندیده لبعد دیده دن سپهر

نظیرش در آیینه ماه و مهر بدرگاهش از بندگان کمین چه فغفور ماچین چه خاقان

---

[1] در ترجمه ترکی مشتری

[2] حکمت بایور میں یہاں تک فوٹو نمبر ۲ اور مراسلہ نمبر ۱ ہے

حکمت بایور نے پورے مراسلہ کو تین فوٹوز (نمبر ۲، ۳، ۴) میں نشر کیا ہے اور

ہر ایک فوٹو کو الگ نمبر (۱-۲-۳) بھی دیا ہے حالانکہ یہ سب کا سب ایک مراسلہ

ہے جس کے ساتھ نامہ دفتری کا اوریجنل ترکی ترجمہ بھی نشر کیا گیا ہے لیکن یہ ترجمہ مراسلہ کا

ہو بہو ترجمہ نہیں ہے "داونیور"

چنین مؤید شأن السلطنة الکبرا مشید مبانی الدولة والعظمة والحشمة والشوکة والابهة والصولة والقدرة والعدالة والنصفة والشفقة والمرحمة والرافة والعز والامتنان والسلطان ابن السلطان والقاان ابن القاان ابن القاان خلد الله ملکہ وسلطنتہ وحشمتہ ونصفتہ ما دامت الادوار والازمان ام ابعد مرفوع ضمیر منیر آفتاب تخمیر باریافتگان سرادق عزو علا انکہ پیش[1] ازین بچہار بعد ضعف سلطنت تیموریہ و نا مآل اندیشی بعض حکام در اقلیم ہندوستان نصارای بدکیش قطعۂ زمین بسواحل دریای شور بحیلۂ تجارت حاصل کردہ و از جمیع کیفیت وکمیت این کشور آگاہ گشتہ بتدریج جماعۂ کثیر کلا ہ پوشان از سفاین — اکثر بلاد و ممالکت سی و پنج کرور روپیہ سالیانہ مثل بنگالہ وغیرہ از غدر و تزویر بحیز تصرف خود آوردہ حکام غافل از انجام منکوب را بیدخل و معطل ساختند و بانہدام مساجد و مقابر اہل ایمان پرداختند حتی دہ ہزاران اناث و ذکور اہل اسلام را بجبر و بیداد بکیش خود کشیدند و بعنوانہا خلل انداز آئین دین متین شدند بنا علیہ نیازمند درگاہ بپاس حمیت دینی با فواج بسیار و طدپخانۂ صائقہ بار کمر جہاد بہ تنبیہ نصاری نکبت بنیاد بربست و مدت چہار سال با دامت جدال و قتال پرداختہ شیرازۂ جمعیت آن بدکیشان می شکست ازان کردہ خذلان نبردہ نصار ابیشمار[2] واصل دارالبوار و اکثری بطوق و زنجیر گرفتار گشتند آخر الامر نصاری شقاوت انتما از افعال شنیعہ خود نادم و پشیمان گشتہ بعجز و الحاج تمام ملتجی مصالحت شدند نیاز مند درگاہ زنہار باقبال و ایجاب التجائے آنہا نمی پرداخت چون دیگر سرداران ہندوستان واسطۂ اطفائے نائرۂ مجادلت و بانی مبانی مصالحت شدند پاس خاطر آنہا ملحوظ شد لیکن بسبب عداوت دینی و خبث باطنی ہنوز خیالات فاسدہ بخاطر نصارا بہ سیر مکنون و مضمر و بے اعتدالی این فریق ضلالت طریق از حد بشیر است ممکن نیست کرشمۂ ازان بحیز تحریر کنجد لہذا سرداران عمدہ و جہان دیدہ و جنگ آزمودہ عالی جاہ و معلی جایگاہ و شمع افروز انجمن مجد و اعلا نخلبند گلستان حشمت و اعلا سلالہ خانیہ ذکا الاحترام نقاوہ دودمان سادات کرام شیر دلپذیر[3] متقرب والا تدبیر سید غلام علی خان

[1] اینکہ پیش؛
[2] بیشماری
[3] دلپذیر؟

بہادر و شاہ نوراللہ خان بہادر و رفعت و عوالی پناہ شہامت دستگاہ لطف علی بیگ خان را
کہ در مجادلۂ نصاریٰ شریک و رفیق و معدر نزد نبیہ گروہ شقاوت طریق بودند بنا بر
عرض حالات دواردات واستصلاح وتقویت دین مبین و قلع و قمع نیۂ شقاوت
گزین باتحائف و ہدایا ئے این دیار عازم سدہ سنیہ نمودہ شد۔ مفصلاً و مشروحاً
بعرض خواہند رسانید ماموں دہ بپاس دین متین ملتمسات مشارالیہم مقرون بشرف
اجابت گردد، و بانجاح آں توجہات مرعی و مبذول شود۔ ازانجا کہ اہل کمپنی انگریز بمکر و غدر
بی اطلاع آقای خود متصرف ممالک حکام اہل اسلام شدہ مرتکب اقسام فتنہ و فساد ہستند۔
لہٰذا جہت دریافت ماہیت واظہار این ہمہ کیفیت سرداران مذکور را تاکید کردہ شد
کہ بپیش راجہ انگریز بروند و نیز فرانسیس ازمدت با نیازمند درگاہ ارتباط دادہ و در مجادلہ
و مقاتلۂ فوج راجہ منظور شریک و رفیق بود بنا بر استطلاع خیریت سرداران مزبور بپیش
راجہ فرانسیس و انگریز باید فرمود و بعہد ہائے سلطنت عظمیٰ حکم شود کہ بعد سوال و جواب
از ہر دو راجہ مرقومۃ الصدر سرداران سابق الذکر بحضور پرنور بیارند بسر کار خیر آثار این
نظر کردہ درگاہ سفاین بیشتر ست ۔ برای تجارت تجار این مملکت اگر بندر بصرہ مقرر بہا
آمدہ شد سفاین وارسال صندل و فلفل و پیل بمداومت بعمل خواہد آمد و ہر چہ از تحائف
این دیار مطلوب باشد ارشود کہ بجان منت ارسال دارد۔ نیز بسیار بنادر بسواحل دریای
این نواح واقع ازان ہر بندری کہ منظور باشد حاضر تا خلق اللہ از تحائف و نفایس ہر دیار
محظوظ و بہرہ ور باشند نیت ارادت[له] طویت مصروف است نہر یکہ در نجف اشرف
ناقص ماندہ است آں را تا درگاہ حضرت یعسوب الدین ساقی کوثر امیرالمومنین مرتب
سازد لہٰذا از ملازمان خود چندکس را روانہ کردہ شد بوالی بغداد حکم محکم قضا توام لمعہ
نفاذ باید کہ ممد و معاون باشد تا کار نہر مذکور زود باتمام رسد آفتاب عالم پروری از
افق کفر سوزی و مشرق اسلام افروزی طالع ولامع باشد[له]۔

[له] یہاں تک فوٹو نمبر ۲ اور مراسلہ نمبر ۲

[له] یہاں تک فوٹو نمبر ۲ اور مراسلہ نمبر ۲ ہے۔

مراسلہ نمبر (۳)

ٹیپو سلطان کا وزیر اعظم ترکی کے نام فارسی مراسلہ کی متن (ماخوذ از بیرونی ملفوفات نمبر ۷۷۔ تصنیف محمد جودت پاشا) فوٹو اصلی خط کا ہے۔

.... "طاق مسند زبر جد فام سپہر موجود فابیض الجود خسرو درایتی مولای مہر مزین و منور وزنہکاہ جہان امکان شحنۂ عدل عالم آرایان و الانکوه رشک فرمای فلک اخضر ست[۱] گلستان عظمت و اقبال چمنستان شوکت اجلال وزارت و فخامت مرتبت نشان و ابہت منزلت، رفیع القدر عظیم الشان صاحب الفضل والاحسان مطلع انوار فیوضات الہی مطمح انظار تاییدات نامتناہی عالی مکان آصف دوران رشحات سحاب مکرمت ایزد سبحان سرسبز و ریان باد، بعد از گلدستہ بندی گلزار محبت و اخلاص و چمن طرازان ریاض مودت و اختصاص سمند خوش جولان خامہ را در میدان بیان جلوه ریز می نماید در نیولا عالی جاه معلے جایگاه شمع افروز انجمن مجد و علا نخلبند گلستان حشمت و اعتلا نقاوهٔ دودمان سادات کرام سلالہ خواتین[۴] ذوی الاحترام مشیر دلپذیر مقرب والا تدبیر سید غلام علی خان و سید نور اللہ خان و رفعت اعوان[۲] (رایوان) پناه لطف علی خان را جہت اکثر مراتب دینی با بیانامہ و تحائف و ہدایائے این دیار عازم سدہ سنیہ سلطان البرین و خاقان البحرین ملجاء السلاطین الکرام معاذ الخوانین العظام خدام خوندکار روم[۳] ادام اللہ خلال رافتہ علی مفارق العالمین الی یوم الدین نموده شد مع الخیر خواہند رسید امید از توجہات بیغایات آن آصف دوران کہ خوانین مرقومہ الصدر را باستصواب خود بہره اندوز جبہ سائے عتبہ علیہ نموده و صمیم مراتب مودوعہ بعرض رسانده خوانین معطور را بہ نیل مقصود باز روانہ این حدود فرمانید ہر آئینہ این معنے موجب مزید محبت و اتحاد خواہد گردید زیاده ایام شادمانی مدام باد۔

۱؎ در ترجمۂ ترکی اخضر اولی

۲؎ در ترجمہ ترکی اعوال پناه

۳؎ 〃 〃 〃 پادشاه عالم پناه روم

۴؎ 〃 〃 〃 خواتین۔

مراسلہ نمبر (۴)

انگریزی سفیر کی رپورٹ (ترجمہ)

"ٹیپو صاحب (اصل میں ایسا لکھا ہوا ہے) جس نے ان دنوں آستانۂ عالیہ کو اپنا سفیر بھیجا ہے وہ خان متوفی حیدر علی خان کا بیٹا ہے۔ یہ حیدر علی خان ہندوستان میں میسور نامی مملکت کے حکمراں کی خدمت میں رہ کر عظیم قوت کا مالک بن گیا تھا اور مذکور حکمران کو ختم کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا اور کچھ عرصے حکومت کرنے کے بعد پچھلے سال وفات پائی[1] بعد میں اس کا مذکور بیٹا تخت نشین ہوا۔ اس مملکت کے دارالخلافہ کو سرنگاپٹن Serinkapatan کہا جاتا ہے۔ اس کے آس پاس کے ایک حصہ میں مغل حکمراں محمد علی خان اور کچھ حصہ میں مرہٹہ کے حکمراں اور دوسرے حصہ میں انگریز حکومت کے ماتحت صوبۂ مدراس واقع ہے۔ ٹیپو سلطان مشار الیہ بڑا امیر آدمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مملکت میں ہیرے، سونے اور چاندی کی کانیں موجود ہیں۔ اس کے پاس بحری بیڑا نہیں ہے وہ صرف تین اور چار کشتیوں کا مالک ہے، لیکن اس کی ساری طاقت بری فوج (قوت) پر مبنی ہے۔ اور ضرورت کے وقت پچاس ہزار سے زیادہ سپاہی جمع کر سکتا ہے"

مراسلہ نمبر (۵)

عثمانی پادشاہ عبدالحمید یکم کا ٹیپو سلطان کے نام جواب (نامہ دفتری ۷۹ ۲۱۹ ۲۲۰)

اصناف بدایع حمد و سپاس و اجناس صنایع شکر بیقیاس حضرت آفریدکاری را که شہاب ثاقب مصادقت حکمداران دین را رجم افئدۂ اعدای شیاطین آئین گردانید و آفتاب عالمضیای مخالصت فرمان فرمایان دیندار وسیلۂ رفع ظلام وجود دشمنان ملت پیغمبری فرمود و صلوٰت و سلام بحید و شمار و درود نامعدود و بسیار بر روضۂ سردار اجناد وجود و قافلۂ سالار کاروان جود محمد الموعود بالمقام المحمود و بر آل لازم الکمال و اولاد واجب الاجلال و اصحاب جلی الافضال حائز و واصل باد۔

[1] وہ ۱۷۸۲ء میں وفات پائی ہے

جناب امارت مآب ایالت نصاب حکومت اکتساب دولت انتساب ناصر الاسلام
والمسلمین عون الغزاة والمجاهدین حامی ممالک تمن و هندوستان علی الشان ٹیپو سلطان
لازالت رایات نصره مهتزة بنسایم الاقبال وما برحت اعلام عزه مفتوحة باسباب الاجلال
بعد از ابلاغ صنوف دعوات ذاکیات شاهانه و از اهدای ضروب تسلیمات وافیات بادشاهانه
که از اشعهٔ بارقه ان مجالس یگانگی و اخلاص و محافل اتحاد و اختصاص رشک مشرق خورشید
و محسود مطلع بدر مستنیر ابدبر بین هویدا باد که صحیفهٔ شریفهٔ و نمیقه منیفه که مطلع آفتاب
محبت و وداد و منبع انهار صافیه مودت و اتحاد بود در اشرف ازمان و الطف آوان
بمصحوب سفارت مفاخر الامرا الکرام مراجع الکبرا القمام سید غلام علی خان و شاه نور الله
ولطف علی بک دام عزهم پیرایه پوش سمت وصول داد بعادی (بغجاوی ؟) عبارات رنگین و
استعادات موالف تضمین انکه رایحه دوستی بمشام موالات میرسد دماغ حب و ولا معطر
و مضمون بلاغت تضمینش مستحضر و باطلاع مشمول گردید، اشعار یکه از ضعف اولاد تیموریه
و مآل ناقهمی بعض حکام در اقلیم هندوستان نصارئ بدکیش قطعهٔ زمین بسواحل دریا بحیلهٔ
تجارت استحصال نمودند، بتدریج بنادر عظیمه هندوستان را بحیطهٔ تسخیر درآوردند و
جون بذات حمیت آغاز و جلادت طراز پیهم ممالک بتن دلارا و سریر حکومت ان
حدود و داتخار آراسته و زینت تمام یافته از یمن نیت خالصه و عزیمت صادقه از
شمشیر فتوح جیوش منصور تارک نامبارک کفار از پر قهر و اضمحلال حاصل گردید و بمقتضای
ولا یحیق المکر السیئی الا باهله شیرازهٔ جمعیت ان بدکیشان شکسته و گروه بیشمار از دشمنان
دین واصل دار البوار گشته نگاشته کلک بدایع آثار گردیده ذریعه جمیله حصول ارتیاح و
فرحت و وسیلهٔ جلیله نمو شادی و مسرت شد الحمد لله الذی صدق وعده ونصر عبده
واعز جنده جون در فاتحه ظهور از کمال اخلاص ان جناب عبور اینگونه فتوحات زر نمود
مقدمهٔ انواع خیریت و براعت الاستهلال نمایت فوز و نصرت خواهد شد امید صادق
و رجای واثق است که پس ازین اجمال عرایس نصرت در جهاد و شاهد فوز و نهایت
آنچنانکه خاطر خواه کافهٔ اهل ایمان و مسندهای جمله موحدان است بسبیل سله حصول
و مجلائی مامول جلوه گر گردد آنچه درباب مقدمات رفع مخاصمت از میان اهل اسلام و کفره سم
تمهل تبلیغ و صفوت مجرد بملاحظهٔ پاس خاطر سرداران هندوستان که واسطه اطفای مجادلت
شده مستعمل ؟

وبانی مصالحت شدند حاصل شد نگارش پذیر قلم اظهار شده بود بعنوان الصلح خیر وقوع اینگونه امر موجب رفاه انام و باعث تقویت اهل اسلام میشود ان الله الملک الغیور و شرحی که بار دوم مشرکین اگرچه سررشته سلم و صفوت منعقد شده لکن بسبب عداوت دینی و خبث باطنی هنوز خیالات فاسده بخاطر نصاری بد سیر مکنون و مضمر و بی اعتدالی این فریق از حد بیشتر است رقم پذیر اظهار بگشت اگر آن کرده مکروه عقد مسالمه و مصالحه را بانگشت تزویر منحل و جویبار سلم و صفوت را بخاشاک غدر و احتیال مغبر و مختل سازند شامت نقض عهد و تحقیر مواعد درباره خود پیدا در خساره فحوای و مکروا و مکر الله والله خیر الماکرین در آئینه ظهور جلوه نما گردد و آنچه درباب اجرای نهر مشهد شریف نوشته بود این هم از جمله آثار عقیدت راسخه ان دیده اهل صلاح و اعتقاد همت جون تفصیل کیفیت او برایینه اطلاع جهره نموده و فتق و رتق مصالح موالی عراق بپیچیده انامل استبداد والی والاشان بغداد بوده جهت بیان لکن ریلیغی بدستور مکرم وزیر سلیمان پاشا والی بصره و شهرزور را ادام الله اجلاله سمت اصدار یافت رسالهٔ اجمالش بشروح و تفاصیل تبویب و تبیین و رموز عباره اش توضیح و تعیین میاید. چون دولت قوی شوکت عثمانی و سلطنت والی قدرت خاقانی از طلوع بتاثیر صبح ظهور و نیر جهان تنویر سلطنت معالی و فور همیشه بتائید دین مبین احمدی و تشیید ملت محمدی شمشیر جهاد را بغلاف اهمال ادخال نکرده سمند همت و نهمت را بمیدان نسیج غزا تازیده کوی نصر و فتوح را بجوکان و نصرناهم فکانوا هم الغالبین حائز و بسر حد الا و لئک حزب الله الا ان حزب الله هم المفلحون واصل و فائز گشتند این محب نیز از کمال همت طریق غزا و منهج اجداد و آبا را مسلوک داشته روسیه سیه روکه رو به صفت حیل و خدعه بیترا پیشه و لیل و نهار اغفال اسلامیان را خیال و اندیشه سازند بر مهمانی توفیق و الله عزیز ذو انتقام باکفره روسیه مظاهره حرب و قتال و ترتیب محافل بیکار و جدال رانیت و با قشون انجم شمار و باجیوش دشمن شکار بولایت آن کافر بدتبار و خزلان شعار هجوم فرمایم بمعاونت فضل الهی برا قلیم اعادی شریعت حبیب اللهی رایت فوز و نصرت را قرین اهتزاز سازیم انشاء الله تعالی عون و عنایت باری یاوری و توفیق و فضل کردگاری دستگیری میکند که ازان قوم ضال و فرقهٔ اهل ضلال اخذ انتقام می کینم جون جون دیانت اسلام فیما بین جهتنا وحدت و یکرنگی و حسن عقیدت جامع وجوه اتحاد و صفوت طرفین

بوده ازاں سبب مقدمات مذکوره را قلمی وبجانب ان صحیح العقیدت را اعلام نمودیم تاکه بمقتضائے خلوص طویت وبمقتضای صفوت ودیانت بمنصوری عسکر اسلام ومقهوری جنود کفار ولئام باتوجه وحضور خاطر از سادات وعلماء وصلحای آن دیار خیریت آثار استجلاب دعوات خیریه می کنند ساقی مراتبی که بانفرید سفرای معزی الیهم مفهوم گشت صورا جوبه شان در صحیفهٔ اذهان ان عالیجاهان از جانب وکلای این دولت قوی شوکت نگارش پذیر بیان شد بر پیشگاه ضمیر از تعزیر ایشان مکشوف خواهد شد چون غرض طرفین ازاں سال نامه وسفیر فتح ابواب آشنائی جانبین وکشاد دروب موالات طرفین بود ولله الحمد والمنه حصول پذیرفت سفرائی مومی الیهم هر یکی خدمات مامولهٔ خود را بسر حد کمال ایصال کردند و مامورون نحو دو انصراف ان جانب نال (نائل؟) شدند چون مقاصد جانبین و مآرب طرفین بصفایح خواطر وصحایف ضمایر مرسوم ومرمونات وموهومات ظاهر ومعلوم میگشت دواعی میل ومحبت ومقتضیات دیانت وعقیدت محرک سلسله بود را تجا وکشت این نامه اخلاص اختتام سمت اصدار یافت پس ازین مامول انجنان است که ریاض محبت ووداد را بامراسلات ومکاتبات لطافت پذیر نمایند واحوال وکیفیات لازمه را بوساطت والی والاشان تحریر کرداند بسمت وصول خواهد رسید باقی همیشه اعلام اسلام منصور والویهٔ کفر وضلال مقهور باد۔

مراسلۂ نمبر (۶)

در سنه ... وراست ترجمه مکتوب انگریزی که ... لا از پارسی بانگریزی نقل کرده شد بود"

فارسی ترجمه از انگریزی مترجم از عربی مکتوب سلطان خوندکار روم موسومه شهریار دکن ٹیپو سلطان محررهٔ هشتم شهر ربیع الثانی سنه ۱۲۱۳ هجری که از سرکار سلطان موصوف بمسٹر اسپنسر اسمتھ رزیدنٹ دربار سلطان ممدوح از طرف پادشاه انگلستان است حواله شده بود" (نقل از کارنامهٔ حیدری موسوم به تواریخ گزیده ص ۹۷۶، ۹۸۴)

بران سلطان برادر قدیم وان واضح باد در یں روزها که قوم فرانسیس با اکثر ریاسات ولایت فرنگ جنگ وجدل در پیش داشتند ما بدولت بهیچ نوع در قصد معاندت قوم مزبور شریک دیگران شده بپاس اتحاد قدیم که با قوم مزبور منوط و مربوط بود سلوک طریق صلح کل وعدم جانب داری اختیار نمودیم بلکه در بارهٔ آنها چنان

شفقت و الطاف بظهور رسانیده بودیم که موجب شکایت دیگر سرکارات بود بمقتضای
بیلیر قسم صداقت خاطر شفقت مظاهر ما بدولت که در روی آنیا مستبدل بلاد و نیز بجهت
اینکه اعتماد ما بدولت بر اظهارات دوستی آیات آن قوم محکم بود سوالات چند از جیند
و تهدیدات مملو الاستغفات سرکار ما بدولت بر آنکه از طرف سرکارات جنگ آرا
مشروط بجانب داری لعمل آمده بود بسمع رضا اصغا ننا نخیم بلکه نظر بر اقتضای قوانین
حلم و حق بینی که دستور العمل ما بدولت است تا عدم وقوع نبیی صریح از منافشه آنها
اجتناب و رزیدیم و بر ثابت قدمی در جادهٔ بی طرفداری مستقل ماندیم چنانچه این همه
مراتب بر تمامی عالم ظاهر و آشکار است و درینمیان بحالت که اهالی قوم فرانسه
دلائل عظیمه شفقت های ما بدولت را مشاهده نموده بودند و ما بدولت را جامی اسد
انتظار این بود که بجا آوردن آن از طرف آنها نیز همان قسم سلوک مجبانه مرعی خواهند گردید
برغم این چشمداشت درین وقت که هیچ یک امر موجب موجب تخلل سررشتهٔ آشتی و مصالحت
فیمابین مطلق عارض نشده بود اهالی آن قوم فرانسه ناگهان باظهار حرکات دغا و فریب پرداخته
اند اول در تولون یکی از بنادر متعلقه ملک فرانسیس به تیاری جهازات نظر بکیراً ادراک
غایت آن دور از وهم و خیال دیگران بود پرداخته بعد انجام سرانجام ذلوا اتم روانگی جهازات
فرانسه فوجی عظیم برآن جهازات نشانیدند

و نیز بعض مردم دیگر را که در زبان عرب مهارتی داشتند و سابق در
ملک مصر رفته بودند همراه دادند و سرکردگی آن بموسی بونا پارتی که نیز نشان از آن قوم است
مفوض ساختند چنانچه موسی مزبور مع جهازات و غیره مرقوم القصد بسمت جزیرهٔ مالطه
رهگرا شده در آنجا رسیده آن را به تحت تصرف در آورده و از آنجا بطرف اسکندریه
روانه شده بتاریخ هفتم شهر محرم الحرام سنه ۱۲۱۳ هجری محاذی آن رسیده ناگاه تمامی
فوج همراه خود را در آنجا فرود کنانیده بزور داخل شهر گردید بعد اندک روز در میان
جمیع فرق آنجا اشتهار نامجات بزبان عربی بدین مضمون مشتهر ساخت که عزیمت ما هم آرائی
بر سرکار عثمانیه نیست صرف تنبیه و سزای بیگ های مصر که در اوقات ماضیه نسبت
بتاجران قوم فرانسیس بجور و جفا و ظلم شده بودند منظور است و رابطه صلح و آشتی
با سرکار ممدوح بدستور بر قرار پاینده است و از مردم عرب کسانیکه با قوم فرانسیس موافقت

شوند سلوک مستحسن در حق آنها مرعی خواهد بود و کسانیکه طریق مخالفت اختیار نمایند بعقوبت
مرگ گرفتار خواهند شد و نیز در بعضی جاهای دیگر علی الخصوص در ممالک سرکارات خیرخواهان
ما بدولت ایشان بسبیل کنایه شایع گردانیدند که بهم پیوستگی با اطلاع و استصواب ما بدولت
بعمل آمده و حال آنکه این معنی نزد ما دروغ محض است بعد از این شهرت واقعه را تنفر در
آورده بنتیجه که نوبت جنگ با افواج عثمانیه رسید که از شهر قاهره در کمک آنها رسیده که
متعین شده بودند درمیان جمیع اقوام و ترسا سالت قاعده البته مستمر که در اوقات
ابقای صلح بر تعلقات یکدیگر تعدی نمی نمایند و در صورت وقوع هیچ یک حادثه هم
که مقتضی بنا قضیت شود از اول امر دولت آن بیکدیگر اطلاع می سازند و تا آنکه اظهار
جنگ بطور رسمانیه بعمل نیاید [illegible] تاخت بر تعلقات یکدیگر مبادرت نمی کنند لیکن درینگاه
در حالیکه در میان سرکار ما بدولت و سرکار قوم فرانسیس بنسبت [illegible] صلح و
آشتی مطلق [illegible] بظهور نرسیده و هیچ گونه آثار ناموافقت میانه بوقوع نیامده بود
قوم مزبور چنین حرکات [illegible] خاطر [illegible] موجب ازدیاد [illegible] بظهور رسانیدند
دور از [illegible] بر حضرت ما بدولت [illegible] ایمانی قوم مزبور [illegible] داشت و سرزمین مصر
بسبب قرب [illegible] مکه معظمه که قبله مسلمانان است و نیز [illegible] مدینه منوره که مرقد مطهر
پیغمبر علیه افضل الصلوة والسلام است درمیان جمیع اهل اسلام معزز و محترم و هم سرچشمه
و [illegible] حرمین الشریفین است [illegible] از مضامین بعض خطوط آنها که گرفته شد [illegible]
عزیمت آنها چنین بوضوح پیوست که ملک عرب را در سرکارات [illegible] منتشر نمایند و با
مسلمانان بقصد استحصال [illegible] دین و تخریب آن بمحاربه دریائی پیش آیند و بعد فتح ممالک
مسلمین [illegible] از روی [illegible] منتشر سازند لیکن بمقتضای این همه وجوهات که بالا مذکور شد
بخاطر ما بدولت [illegible] یافت که توکل بر خدای عز و جل که سرچشمه عون و اعانت است با همه
در شفاعت آن [illegible] فخر انبیاست تکیه نموده بمدافعت این اعدا پردازیم و هر گونه
تدارکات جهت دفع این [illegible] بکار آریم از آنجا که در حقیقت سوای
وابستگی [illegible] روابط یگانگی و اتحاد با آن برادر قدردان که در کمال پاسداری دین و
[illegible] مشهور آفاق اند [illegible] استقامت و استدامت تمام دارد [illegible] عالم اتحاد
مرسوم است [illegible] فیما بین ما بدولت و آن برادر در [illegible] آمده و بذریعه آن رشته

ارتباط مابین ممالک طرفین استحکام تمام پذیرفته است دریذ صورت رجا بخاطر واثق از والامنشی آن برادر آندارد که بمقتضای ثابت قدمی و میلان خاطران برادر مهربان در باب اصلاح این حال عرق حمیت دینداری بجوش آمده دریم عزمی مابدولت حتی الامکان بتقدیم لوازم شراکت و امداد از طرف آن برادر دریغ نخواهد گشت و بسمع مابدولت رسید که درین روزها قوم فرانسیس در اضلاع متعلقه سرکار انگریز در کشور هند بر حسب اقتضای ضوابط مستمرهٔ خود در اخفا انواع سازش بر دوانده و در ضمن آن فیمابین قوم مزبور و آن برادر مرافقت کلی بعمل می آید چنانچه اهالی قوم مزبور وعده نموده اند که برای نوکری سرکار آن برادر والا قدر جمعیت انواع از راه مصر متعین خواهند ساخت مابدولت را یقین متصور است نتایج و مقاصد تدابیر قوم فرانسیس که درین روزها بظهور میرسانند از نظر فراست مظهر آن برادر مخفی و محتجب نخواهد بود و نیز بر اظهارات مکرآبات ان قوم توجه مصروف نخواهند داشت و چون از یکطرف اهالی سرکار انگریز بر سر مهم قوم مزبور مصروف اند و از طرف دیگر مابدولت در مدافعت شرو فساد آنها متوجه ایم از بسکه قوم فرانسیس معاند هر دو سرکار اند پس بمقتضای یگانگی فیمابین لازم که اهالی هر دو سرکار در تقدیم هرگونه اعانت و امداد یکدیگر که مقتضای مشارکت است سرگرم باشند و این معنی مشهور عالم است که اهالی قوم فرانسیس همت نکبت سرشت در اضمحلال و انهدام جمیع دین و مذهب برگماشته مسلکی جدید را موسوم باسم آزادی بنا نهاده اند و خود طریق دهر اختیار نموده تا آنکه دست تطاول از ممالک پاپای روم که از ائمهٔ متقدمین ان سرزمین و در میان جمیع اقوام ولایت فرنگ محترم و معزز است باز نداشته اند و نیز ریاست بیش گران؟ هم که از قبیل ریاست الاجماع بود باوجود اینکه اهالی ان ریاست در مهم فرانسیس از مخالفت آنها اجتناب داشتند در اثنای آن خدمتهای قوم فرانسیس نموده بودند تمامی ممالک آن ریاست از دست تصرف اهالی مزبور باتفاق دیگران انتزاع نموده در میان خود تقسیم کرده گرفتند و نام آن ریاست را از دفاتر روزگار محو ساختند و درین معنی شک و شبه نیست که از تاخت قوم مزبور بر ممالک سرکار عثمانیه و نیز از ارادهٔ مابعد آن که بمقتضای طمع دولت و خزاین هندستان در سر آنها پیچیده مقصود همین است که ببهانه ضرر رسانی نسبت

بقوم انگریز تمامی ممالک هند را خدا نخواسته مسخر و هر یک مسلمان را از ان بدر سازند و قصد
آن قوم همین است که یکمرتبه در ممالک هند دخل یابند تا مرکوزات و مکنونات خاطر
از مکمن قوة بفعل آرند چنانچه در هر جا که دخل یافته اند همانقسم بعمل آورده اند خلاصه
اینکه فرانسیس قومیست که سازش مکارانه و داعیه های غدر انگیز آنها حد و حصر ندارند
و سوای تطویل دست تطاول بر جان و مال مردمان و اضمحلال بنیان مذاهب و ملل
در هر جا که قابوی آنها میرسد خیال دیگر ندارند پس هرگاه اینهمه مدارج باطلاع آن برادر
قدردان خواهد در آمد امید قوی است که برحسب قوانین دین اسلام در اعانت
و امداد جمیع هم مذهبان خود بلکه جهت محفوظ بودن ملک هند هم از شر تسدیلات
قوم فرانسیس لوازم تنبهی و تردد دریغ نخواهند داشت، درصورتیکه اشتهار
مربوطی روابط موافقت و مرافقت فیمابین آن برادر قدردان و قوم مزبور که بسمع
ما بدولت رسید اصلی داشته باشد امید چنان است که حسن و قبح مراتب و نتائج حال
و استقبال را که از روی اینقسم روابط منتج میتواند شد در میزان عقل سنجیده آن
برادر قدردان از ان احتیاط ورزند و احیاناً اگر خیال مشارکت قوم فرانسیس یا قصد مهم آرائی
بر انگریز در خاطر ان برادر قدردان راه یافته باشد رجا که اینقسم اراده را از دست خواهند
داد والغرض بالتحقیق استدعای ما بدولت اینست که آن برادر قدردان از ارتکاب
قصد مهم آرائی بر انگریز دست بردار شوند و اظهارات قوم فرانسیس بسمع قبول اصغا ننمایند
درصورتیکه آن برادر را جای شکایت بر سرکار انگریز باشد از کیفیت آن ما بدولت را اطلاع دهند
که هرگونه سعی محبانه از طرف ما بدولت جهت تصفیه آن مرعی خواهند یافت تمامی خواهش
ما بدولت اینست که موافقت ان قدردان با قوم فرانسیس بمرافقت سرکار انگریز
مبدل گردد و ما بدولت را انتظار کلی باینمعنی است که آن برادر بعد غور و تامل مراتب
مندرجه این مکتوب و ضرورت اعانت جوامع مهم هم مذهبان درین جهاد نیز در لوازم
مشارکت جهت استخلاص اضلاع مبارک از دست معاند بدکیش بمقتضای دینداری
همگونه تدبیر باعانت این مهم که مقدمه سرکارات است بتقدیم رسانیده بذریعه ان
اتحاد و یکجهتی قدیمانه که بوجه احسن فیمابین سرکار ما بدولت و آن برادر قدردان منوط و
مربوط است مستحکم و مستدام سازند زیاده چه -

مراسلہ نمبر (۷)

جواب مکتوب نمائندگان دولت عثمانیہ از شہریار دکن ٹیپو سلطان (اصل متن عربی)

الحمد للہ الذی زین الاسلام بضبط رؤساء النظام وشید اساس الدین بتمکین السلاطین الکرام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ مؤیدی طریقۃ خیر الانام

اما بعد فلا یخفی علی جناب وارث المرتبۃ السلیمانیۃ جامع رموز الحکمۃ اللقمانیۃ مظہر القدرۃ الالٰہیۃ مورد الکرامۃ الغیر المتناہیۃ مجمع العلوم والحکمۃ معدن معالی الہمم مقدمۃ جنود الفتح والظفر منتخب کتاب القضاء والقدر سلطان البر والبحر خلیفۃ الرسول فی الارضین سلطان الروم خلد اللہ ملکہ وخلافتہ ان کتابکم العالی المتعالی متضمنا علی ذمائم القوم الفرنجاویان ومعاداتہم لاہل الاسلام وارادۃ استیصالہم بجمیع الملل والنحل من العالم وحمایۃ القوم الانکلتریان وعزیمتہ جنابکم العالی علی التکفل لرفع المنازعۃ بیننا وبینہم وامرتنا لم المتعالی لنا بیان سبب المعاندۃ الواقعۃ بیننا وبینہم وصل الینا فی احسن الاوقات وعلمنا کل مطویاتہ لیس مخفیا علی جنابکم ان ہمتنا الجہاد فی سبیل اللہ وتنظیم امور دین اللہ الحق ما تعلم ان القوم الفرنجاویان قوم لیس لہم وفاء ونحن نعلم ذمائمہم ولکن فی ہذہ الاوقات قدم القوم انکلتریان علی حربنا ومہیا اسباب الحرب والضرب فلہذا وجب علینا الجہاد بل علی جمیع اہل الاسلام فالرجوع من جنابکم ان یدعولنا فی خاصۃ الاوقات ویعاونوا بلغکم وہمتکم وہو المسئول منکم واللہ یکفی لنا وکل ارسلنا المکتوب قبل ہذا الزمان بصحابۃ سبیہ علی محمد ومدار الدین وفصلنا فیہ امورنا باحسن التفصیل وایضا ارسلنا المکتوب الثانی بوساطۃ یوسف وزیر من طریق المدینۃ المنورۃ وسیظہر علی جنابکم تمام المرکوزات مشروحا ومجملا وصلی اللہ علی النبی محمد والہ واصحابہ الابرار (نقل از کارنامۂ حیدری ص [illegible])

مراسلہ نمبر (۸)

وہ مراسلہ جس کو ٹیپو سلطان کو ایک عثمانی سفیر کے توسط سے بھیجنے کی غرض سے سلطان سلیم سوم کی طرف سے لکھا گیا تھا یعنی اختلاف تحت بستہ مراسلہ مورخہ ۸ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ سے یکرنگ ہے (نامہ دفتری ج ۸، ص ۲۸۶، ۲۸۹)

اعتنا و بدایع حمد و ثنا و صنایع شکر بیقیاس حضرت آفرینگار بیہمتا کہ شہاب ثاقب مصادقت حکمداران دین را رجم اندیشہ اعدای شیاطین آئین گردانیدہ و از تعالی عالمضیای مخالفت فرمان فرمایان دیندار وسیلۂ رفع ظلوم وجور دشمنان ملت پیغمبری

زواید صلوة و سلام المجید و بی‌شمار و درود نامعدود و ثنای بسیار بر روضهٔ منور ازکی اجداد
و جدود و قافله سالار کاروان وجود محمد المحمود بالمقام المحمود و بر آل اکرم الکمال و اولاد
واجب الاجلال و اصحاب علی الافضال جاری و واصل باد

عالی جناب معالی نصاب جلادت نصاب نجدت انتساب معارف اکتساب
جامع آیات حصافت و دینداری رافع رایات ابهت و کامکاری حارس قصر الاسلام
فارس مضمار الاقتحام حامی ممالک زمین هندوستان المستغنی شانه عن التوصیف
والبیان تیپو سلطان لازالت نیران نجدته طالعة من مشارق العز و الاقبال و شموس عزته
مصونة عن وصمة الکسوف و الزوال پیش ازین جمهور متهور و منفور فرانچه با اکثر دول
ملل ترسایان در حالت دشمنی را باز و به پیکار و کارزار بهای سخت آغاز کردند. از
جانب این دولت علیه نصفتمند بسبب مراعات آشتی دیرینه و اعتبار مصافات قدیمه
معامله بطریق اختیار و بران دوستی ثابت قدم و برقرار بودیم بنابرین الی هذا الحین اعانت
عنایتی که از طرف این دولت ابد صولت بان طائفه شائنه بی مروت و بهره از حد بیرون
و از حصر افزون تر شده بجایی که باری (دلشکنی) دوستان و باعث دلگیری دیگران
بوده و هرچند دول سائره دوستان این بداندیشان حاسده انواع شکایتها و اصناف گلهها
و مواعید سودمند بهانه بسیار و فواید و منافع بی حد و شمار که ثمره بدل کردن مصافات بمحا
دانست عرض این درگاه معلی بیان کردند بمقتضای نصفت و بمقتضای حقانیت نقض عهد
و فسخ معاهده صحیح و هیچ گوش گذار معلوشان سلطنت سنیه را سزاوار نداشتیم و نیز بجهت
جنان (بجهت چنان) معاونت و هشیاری از ایشان دوستی و راستی پایداری و یکتا دلی
المثل و مروت کاری همواره سپاسداری پنداشتیم و هیچ نوعی خاطره بدخواهی ازان بخاطر
نداشته بودیم لیکن برطبق مصداق اتق شر من احسنت الیه آن قوم لئام درلیمان شانکه
ملعون تام است بترتیب و تجهیز جمعی از سفائن مشحونه بادوات حرب و عساکر ملعونه را
مباشرت و پیش از اطلاع حاصل کردن بیگانه و آشنا که کجا میروند و کدامین دیار میخواهند
با تمامی مسارعت و بعضی از مفسدت شعاران زبان عربی آموختگان از اسافل و اراذل
در آنکای مصر تربیت یافتگان را مستصحب کردند بسرکردگی جنرال نکوهیده خصال بونا
پارته از خذلون باد بانها کشتیهای ابلهانه نها گشاده از یخت بجزیره مالطه رسیده
گرفتند و برباد ساختند بعد ازان بجانب اسکندریه مصر روانه و در هفده هم محرم الحرام

امسال جنایت خیانت کرده بابیکار اسکندریه را استیلا گویا دعوای بی معنای شان اینست که این عزیمت و حرکت ما ناشی از خصومت دولت پر صولت نیست هنوز آشتی دیرینه بر قرار و دوستی قدیمه استوار است بلکه از بر داشتن و رفع کردن تغلب امرار مصر و تحصیل ماندهٔ اموالی که دائماً بقهر و تکدیر و ظلم و تحقیر از تاجران و
مارا غصب کردند امده ایم دیگر این مکتوب ببینید کرده بدینشبه ؟ مگر اندیشه رای اغوای مفتر بوسعید کان اعراب بیانناها طبع کرده بزبان عربی نشر و اشاعت که مجمل مال و دروغ اشتمالش این عزیمت باذن و رخصت دولت علیه برای قهر و تدمیر امرار مصریه است و موافقان را اکرام و مخالفان را اعدام کنیم فحاش لله عما یفترون بعد ازان عنان عندل بسوی رشید مصر و آنرا نیز غلبه و استیلا و با لشکر اسلامیان مقاتله که بیرونست از کتب بر دا ملا جبارت کردند و معلوم ذهن و فار شمامات آیین دیرینه پادشاهان و قواعد مرعیه شاهان است در هنگام آشتی و زمان دوستی بممالک یکدیگری موجب تعرض و دخل و بناگاهی و بی آگاهی هجوم و ضرب و قتل نکنند اگر بسبب ظهور بعض مقدماتی که منتج مخاصمة و محاربه و معادات باشدان دوستی و مصافات مبدل شود بمناقشه و منافات اولا اظهار فسخ و مصالحه و معاهده و اعلان مخاصمه و محاربه پس ازان تعرض و دخل کردن و دیگری بولایت دیگری تاختن معلوم عامه انام از خواص و عوام است بعد میانه دولت علیه ما و جمهور مقهور فرانچه غیر از مصافات و موالات مخالف دوستی و منافی آشتی قاطبه و قتضا هیچ اماره رو نما نشده اکنون این بی ننگان و بی عاران یسان دزدان در کمینان در رهزنان فرصت اسیران حرکات بی برکات و ناهموار و غازات با خسارات پر شور و شرارت ایشان محض خیانت و عین اهانت دانیدن مستغنی است از بیان الکای مصر برکت ارتسام که بقبله گاه همه اهل ایمان و اسلام که مکرمه شرفها الله الی یوم القیام را و بمدینه منوره خیر الانام نورها الله الی انقضاء الایام منسوب و مربوط و لذال عذول اهالی حرمین محترمین بان سرزمین فرخنده رهین مقصود و منوطست مرام این بی دینان قسدرت طینتانست که اهالی آن دیار و همه عربستان و رفته رفته همه اهل اسلام و ایمان را در سلک سربست و محبودیت جمهوریت منتظم دارند و نام و نشان دین محمدی و ملت مصطفوی را از صفحه روزگار بردارند از کاغذهای گرفته ان مکراندیشان چنین نمایان گشته است ومکروا ومکر الله والله خیر الماکرین جون رفع و دفع این غائله هائله بر دین مبین سید الکونین بر هر مومنی و موحدی فرض عین شده دولت علیه صانها الله

عن البلیۂ مستعینا باللہ القہار ومتوسلاً بنبیہ سید الابرار تشمیر ساعد جد اہتمام بمقابلہ و مقاتلہ: ان غداران لئام کرد باسفاین نصرت معاین کہ بطنہای اژدر پیکر وضبرہا: مانندۂ نہنگا (شکلی؟) ہفت شیر اراستہ لافواج شیر دلان مجاہدین دین وامواج ملک صولتان غنان موحدین پیراستہ وافزودہ تر ازین ہم از سوی باری بمامورییت فاقتلوہم این ما وجدتموہم سپہ سالاران نامداران ورزم آزمایان باسرعسکری ظفر رہبری وزیر دلیر شجاعت سمیں جزار احمد پاشارا تعیین کردہ بودیم لیکن پس ہر چند ماہ دراواسط ذی القعدہ الشریفۃ امسال سیزدہم ہجرۃ نبویہ علیہ افضل التحیہ را بالنفس وزیر اعظم و سردار اکرم کوہر شاہوار شجاعت ظفر مقرون کنجور ساجعل لی وزیراً من اہل ہارون رافع رایت ورفعناہ مکاناعلیاً رقیع بمال ہب لی من لدنک ولیا یوسف پاشا ایدا اللہ بالیشد را باجیوش دریا خروش اتراک فتاک عرب دافراد اکراو دیگر شجعان یوم التقی الجمعان را تعیین تا از بحر وبر ہر کجا یابند ودوشار (ددچار)؟ شوند باامداد جنود مجندہ خداوند آن بدکرداران راطعمۂ جان کنند این علامات نصرت وظفر از مقدمہ عساکر نصرت مظاہر شاہی وازخروج۔

ظفر سعادت ظل اللہی تابانست کہ مدتیست کہ ہر روز کوکب اقبال آن فرقہ ضلال کشتہ وادی کفر وطغیان درسقوط وپای آن سرگشتگان ہارہ بخذلان مربوط است بہر جای می دوانند منہزم ومغلوب وبہر جانبی کہ رخت می کشند مقہور و مسلوبند وبرہان آن اینست کہ بیش ازین بدو سال جزیرہ ہائے سیدۂ وقلعہا وبقعہا حصین کہ ددکورفس وندیک واقع کشتہ اند واعظم آن جزیرہ تورقہ کہ بنیانت ورصانت وعلو قلل مشاکل فلک رحل است بجبر وقہر از ایشان ضبط کردہ بودند بعون یزدان وہمت این سال مبارک فال سران غزاۃ نامدار وشیران باکشتیہای ہیبر ہیاکل دابر مشاکل بضرب دست بر "داور شکم ارضہم ادیارہم واموالہم" ان ہمہ جزیرہ وقلاع وبقاع وآراضی واصقاع را بحوزۂ تصرف اسلامیان آوردند وہمہ سران لشکر ومقدمات عسکر شان بدست اہل ایمان ماسور کشتند کنون ان دیار مواقع خیام ومواضع شعار اسلام شدہ از الطاف نامتناہی الہی امید واریم کہ درنزدیک مصر قاہرہ رانیز از لوث وخبث ازین حبشان بہ منشان تطہیر دطعمۂ شمشیر قہر وتدمیر شوند زیرا ندرین مدت بر باری کہ مقابل لشکر ومنیف اثر اسلام شدید شکستہ وپریشان ومخذول وبرکشتہ کشتند والحاصل حرکت

بی برکت شان این وقت حرکت مذمومه و مایوسانه است اما جناب حمیت مآب و
دیانت نصاب که بنیر از جهت جامعه اسلامیه از قدیم میانه
دولت علیه و ذات بهیه انتما محبت و ودادی که بنیان مرصوص الارکان موسس و استقرار
مودت و ودادی که کرارا آمده و مرارا اظهار آثار آن از جانبین بدیهی و پدیدار شده بمقتضای
یک دلی و یکجهتی را اجرا و باعانت دولت علیه عثمانیه را بوجوه شتی قیام و اهتمام کردن
مامول خسروانه و مطلوب ملوکانه ذارم زیرا غیرت و حمیت و صلابت و دیانت و
مروت و فتوت خصیصه از آن معالی سمات شما بودن مجزوم دادرانه؛ ما ابت لیکن بمسامع
علیه رسیده که فرانچ لویان برای ضبط و استیلاء و قطع سود آوری و تجارت های بعض ممالک
انکلتره لو یا انکه از جانب هندوستان است نمونه؛ از صور تشریفات و ترغیبات و نشمه؛
از تعلیقات و تمویهات و از جانب مصر فرستادن شرذمه؛ از لشکریان فتنه انگیزان
بجانب ستابط دیان و بسبب آن در میانه: شما دانان بعض روابط مستبان شده اینک
حال بدنشان ان روبه منشان و فسادنیات و مقاصد ایشان چون مشتمل زهن وقاد و فکر نقاد
کشته ظاهر و هویدا است که هرگز بمعاملات روبهانه و خرافات الهیانه ان غیظانان را حواله چشم
اعتبار ننفرمایید دیگر دولت علیه برای دفع تسلط این بلیه را تشمیر ساعد همت کرده هم نیز دولت
انکلتره که الیوم دشمن شوکت فکن آن قوم بمحاربه و مقاتله ایشان دامن در میان شده اند،
بسبب این یکجهتی و مشارکت با یکدیگر لوازم معاضدت و معاونت را رعایت کردن لازم آمد
و معلوم باشد که مراد این مکراندیشان از آئین نوپیدای ایشان که سربستیت مطلقه است
رفع همه مذاهب و ادیان و انکار یزدان و پیغمبران و نابود کردن فرمان فرمایان جهاند
تا انجنان غارتگران عهدشکن و بی پیمانند که پیش ازین ریم پاپا که مقتدای همه ترسایان
وازمتعلقان ایشان بوده مالکیش (مالکش) حلول کردند همه رهبانان و برهمنان
را کشتند و اویختند و کنشتهای مشهورش را زیر و زبر ساختند و همچنان الکای جمهور وندیک
را که همجنس ان شیاطین دانند هرچند بی طرفی اختیار و دوستی و معاونت اظهار کردند فائد
نداشت انجام کار بسد بار برتر از الکای ریم پاپا از بیتها دگرگون دهار رسانیدند، و دیار شان را با دیگران
تقسیم و نام و نشان و دیگرا در جهان نابود و ناپیدا گردانیدند. خصوص سوء قصدی و کین
و حقدی که با اهل اسلام و ملت سیدالانام دارند از عقل بیرون و از قیاس افزون است
زیرا که شهره آفاق و مستغنی از سیاه کردن روی اوراق است که خاصة مراد یافساد آن

نجره از هجوم بی هنگام بسوی مصر قاهره حذانکرده باد اگر با استیلای تام دسترس باشند بدوسیله؛ ماده؛ انگلتره لویان از بحر سویس بوجه اسانی لشکر بسیار بجانب هندستان روانه کنند باین تقریب رفته تاب و توان گیتی ستانی یافته سرتاسر ممالک هند را ضبط و مسخر و منافع ان دیار بهجت آثار را بخویشتن مقصور و منحصر و همه اهل اسلام را مقهور و مدبر سازند که هر ولایت و قلعه و محل و بقعه که ضبط و تسخیر کردند و هر جا بمکر و حیله و خدعه و دسیسه کرفتن معلوم آفاقست والحاصل هرجای که پانهادهٔ: خباثت داده؛ خویش بدکیش راکرد ند. از نهب اموال و قتل رجال و رفع ادیان و انکار یزدان و پیغمبران و فتنه و فساد و عزور و عناد خالی نشدند چون احوال این بی دنیان معلوم درین مرسوم شماکشت امید داریم از همت کامله: دلیرانه و غیرت شاملهٔ شیرانه شما بهجت - (بهجت ؟)

اسلامیه اخوت دینیه و حمایت برادران دینی دستیاری و اعانت شرع سنی راکه از فرائض عالیه و واجبات دینیه است اظهار و نگهداری و محافظه اقلیم هندوستان از مکاید و مکاره این دشمنان بدمنشان قوت و اقتدار را دریغ نداری اگر

آن روابط و علاقه: معهوده که میانه شما و فرانچه بوده مطابق: انفسحت لسبب آن: نفاق شما و فرانچه لویان حرکتی بر طائفه انگلتره لویان منوی و مصمم شده است بر عقل سلیم و طبع مستقیم خفی و پنهان نیست که این حرکت و حالات برای مصلحت حالیه این اوقات موجب منافات بنابرین تغیر کردن ان نیت و تصمیم در نزد ملوکانه م بی شک و ارتیاب امر مقرر است و بعد ازین لازم آنست بهذیان ان طائفه: بی ادبان اماله سمع سفا و آن حرکت را روا نفرمایی دیگران روابط مذکوره موجب چندان مضرات عاجله و محدث هزاران محاذیر آجله بودنش در آئینهٔ ضمیر منیر شما نمایانست و مخصوص ملتمس شاهانه است که هر حرکات و اسبابی که از انگلتره لویان باعث دلشکنی و دلگیری آنجناب وهاب کشته بخامه شکیں علامه: صفوت شعاری تحریر و بجانب شوکتمداری ماتسییر فرمایند بعون خدا صرف همت تاجداری حیر دفع خاطر خراه جلادت شعاری همه را دفع جاری: اختلاف و بیگانه کی بمقاصد استلاف و یگانگی مبدل و رابطه: مذکوره را بطرف انگلتره لویان را منقول و محول شود حقیقت شعارا پیش ازین بچندماه مضمون این نامه حقیقت علامه را بصوب صواب مآب باوساطت ایلچی انگلتره قسمت عواقبه بالخیر را فرستاده بودیم لیکن از افق تق محبت لایح دار گلستان مودت فایح کشت بفرستادن ایلچی فضائل شمائل ممدوح الشیم اقامحل

مظہر کمال توفیق منتظر اعمال تحقیق از جانب دولت ابد صولت خاقانی بطرف باہرالشرف آن صلابت نشائیہ برای تشیید مبانی وفاق بعہود و محہود و میثاق و توشیح قلادۂ نو عروس اتحاد و تزئین جمال مخالصت و وداد را اکنون لدی سعد الوصول چون ترئین ذہن وقایق اکاہی عالی جاہی گشتہ بر مقتضای صلابت و متانت دینیہ حمیت نشان و مبتغای تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان بجا یہ بیضہ اسلامیہ از شائبہ شکست آوری خدعہ کفار لئام بغیر تکاری و جلادت شعاری ہر بار کوشش واقدام نمایند و ابواب مراسلات بجہتی بسجانرا برسم سابق کشادن منتظر شاہانہ است باقی ہمیشہ اعلام اسلام منصور و مظفر والویہ کفر و ضلال برگشتہ و مدمر باد برب العباد تحریراً فی الیوم الثالث من شہر محرم الحرام السنۃ اربع و مائتین والف[1]

(۹)

ذیل کی دستاویزات اس بارے میں مزید روشنی ڈالنے کے لئے درج کی جارہی ہیں۔

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کے لئے ایک مختار نامہ بھی دیا تھا۔ اس میں اس نے جو ہدایات لکھی تھیں وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

قلم اول: سرکار خداداد و سلطان روم[1] کے درمیان شمس و قمر کے دورِ قیام تک دوستی و یک جہتی قایم رہے گی۔

قلم دوم: بندرگاہ بصرہ و ملحقہ ملک معہ ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے۔ اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائے گا۔

قلم سوم: اس کے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائے گی۔ اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہوتی رہے گی۔ جس کے سبب دین متین احمدی کو روز افزوں

---

[1] حکمت بالیور نے یہ تاریخ غلط قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ۱۲۱۴ ہونا چاہیئے۔ دیکھو ۶۴۹ نوٹ (۱)

تقویت ملے گی۔

قلم چہارم: ترکی سلطنت ہماری تائید کے لئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے روانہ کریگی اس کے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کرے گی اور جس وقت ترکی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہوگی تو اس فوج کو جہازات پر سوار کرکے سلطنت خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائے گا۔

قلم پنجم: سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں۔ لیکن اور چند بندوق، توپ اور قمارہ سازوں کو جو ماہرین فن ہوں۔ ترکی سے بھیجے جائیں۔ اور ان کے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کی جاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرارنامہ کی صورت میں قلمبند کراکے سلطان روم کا اس پر دستخط لیا جائے اور اس کی ایک نقل ہمارے دستخط کے لئے بھیجی جائے[1]۔

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ دو ماہرین معدن گندک اور چند ماہرین معدن طلا و چاندی اپنے ساتھ لے کئے اور چہ میں توپیں بھی خرید کی جائیں[2]۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہد نامہ (ب) کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان ٹیپو نے میر غلام علی کو ایک اور مشورہ دیا۔ جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے کہ اس میں سلطان نے لکھا تھا۔

۱۔ اس اتحاد کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگال کو جس کے محاصل ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک کرناٹک کو جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں۔ جو پادشاہ ہندوستان کی ملکیت میں ہیں مقامی حکام سے سازش کرکے پچیس یا تیس سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں اور اکثر اہل اسلام کو

---

[1] محمود بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد ص ۲۷۴ بحوالہ ولکس، موڈرن میسور

[2] ماخذ مزبور

گرفتار کرکے ان کے مساجد و مقابر کو تباہ کر کے اپنے کلیسا تعمیر کئے ہیں اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے سلطان ان سے جنگ کرنے میں مشغول ہے اس جہاد میں آپ کی تائید چاہیئے۔

۲۔ نصاریٰ کے قلع قمع کے لئے جہازات کی سخت ضرورت ہے۔ اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے لیکن ان جہازات کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کے لئے بندرگاہیں چاہیئے اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکے گی۔ اور اس کے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔

۳۔ بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو دی جائے گی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ترکی سلطنت کا اگر ایک بندرگاہ ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہازات ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے اور اس طرح نصاریٰ کی آمد و رفت کا قلع قمع ہوجائے گا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی سلاطین ان کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

۴۔ نصاریٰ ہر طرح سے یعنی صنعت و حرفت تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ دول اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔ سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کرچکی ہے اس لئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بے شمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ گھڑیاں، ظروف چینی، دوربینیں، آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں۔ سلطنت ترکی کو اپنے یہاں ان اشیاء کی ساخت کے لئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جاسکتے ہیں اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔ انہیں بخوشی یہاں ملازمت دی جائیگی۔ اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں۔ انہیں بخوشی یہاں ملازمت دی جائے گی۔ اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں تو انہیں واپس جانے کا

اختیار ہوگا۔

۵۔ چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کی وجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے دریای فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کرے گی اور منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجدیا جائے گا۔ یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کے بھی کام آئے گا۔"

(ج)

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا تھا کہ بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہونچے اور راستے میں مقامات مقدسہ میں جن چیزوں کے ضرورت ہوان سے سلطنت خداداد کو آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اس کے متعلق میر غلام کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا اس کی نقل بجنسہٖ زبان فارسی میں دی جاتی ہے۔

نقل حکم تازہ: "آنکہ در اثنای راہ چہ در ملک عرب و عجم و روم درگاہ بزرگان و پیغمبران باشند، رفتہ از طرف سرکار غلاف و نذر و شیرنی بردہ فاتحہ نمودہ و بقدر مناسب از نقد خیرات نمایند و از شریف مکہ و سلطان روم وغیرہ دریافت نمودہ بحضور معروض دارند۔ در مکہ شریف و در مدینہ شریف و درگاہ حضرت پیران پیر و در نجف اشرف و در کربلای معلی و نذر درگاہ حضرت امام رضا رضؓ برائی نذر کدام چیز مقبول و پائدار است۔ و نیز اگر دروازہ اے نقرہ فرستادہ شود در مکانہای موصوف نصیب خواہد شد یا نہ و ہم درگاہ رو بروی درگاہ اگر کلان بستہ و بران بالاخانہ تیار کردہ نقارخانہ گذاشتہ شود بہتر است یا نہ؟ مرقوم پانزدہم حیدری سال جلوس از مقام متصل ظفرآباد ۱۲۰۰ھ ہجری"[1] دیکھو صحیفہ ٹیپو سلطان۔ ص ۲۶۰-۲۶۲

ڈاکٹر بی۔ شیخ علی
(استاد تاریخ یونیورسٹی آف میسور)

ٹیپو سلطان کی خارجہ پالیسی پر ایک طائرانہ نظر

حیدر علی اور اس کا مشہور بیٹا ٹیپو سلطان، تاریخ ہند پاکستان کے صفحات پر اس وقت نمودار ہوئے جب مغلیہ سلطنت کے انحطاط کی بدولت آپس کی خانہ جنگیاں شروع ہو چکی تھیں، اس وقت یورپی اقوام اپنا اقتدار قائم کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں، مرہٹہ حکومتیں عروج پر تھیں اور مغلیہ سلطنت روز بروز کم زور ہوتی جا رہی تھی، حیدر علی نے اسی زمانہ میں ریاست میسور کی بنیاد ڈالی، کم و بیش چالیس (۱۷۶۰ — ۱۸۰۰ء) سال تک یہ ریاست انگریزی اقتدار کے خلاف جنگ کرتی رہی اور "لیڈن ہال اسٹریٹ کے لئے ہوا بنی رہی"۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں وہ "ہندوستان کے لئے فن حرب کی تربیت گاہ تھی"۔ یورپی افواج کا جو ڈر ابتدا میں یہاں کے لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا تھا، وہ اب غائب ہو گیا، حیدر آباد کے انگریزی سفیر جیمس گرانٹ نے ارل آف سٹیلبورن کو ۱۷۸۰ء میں یہ الفاظ لکھے: "ایک انگریزی فوج جو ان افواج سے کہیں زیادہ طاقتور ہے جس کا پچیس سال پیشتر کلایو یا لارنس کی سرکردگی میں ہونے کا ذکر ہندوستانی افواج بلکہ

بعض یورپی ممالک کو خوف زدہ کر دیتا تھا، پہلی مرتبہ ایک ہندوستانی فوج کے مقابلہ میں بھاگتی نظر آرہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدر علی کے ایک معاصر کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں ! حیدر ہندوستان میں وہی حیثیت رکھتا جو چنگیز خان، تیمور یا نادر شاہ کی ہوتی اگر وہ دریائے کرشنا کے جنوب میں ہوتے !

عزم و استقلال اور ہمت و شجاعت میں، ٹیپو اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا، اس کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ میسور جیسی دور افتادہ ریاست کے ترکی، افغانستان اور ایران کی اسلامی حکومتوں سے روابط قائم کئے اس کی دور بینی اور بہادری کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ساری عمر انگریزوں کا مقابلہ کرتا ہے اور آخری وقت تک ان کے خلاف جنگ جاری رکھی، دین کی حفاظت اور آزادی کے حصول میں اس نے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ اس کا خیال تھا کہ یورپی اقوام کے تسلط، ان کی حربی برتری اور تدبر کے پیش نظر، قدیم نظریات میں انقلابی تبدیلی ضروری ہے۔ اس نے اپنے ہم وطن حکمرانوں سے اشتراک عمل کی ہر کوشش لیکن ان کی تنگ نظری اور خود غرضی نے اس کی تمام تدابیر کو ناکام بنا دیا۔ اسی اصول پر اس نے برصغیر کے باہر اسلامی حکومتوں کو احساس دلایا کہ مغرب کے استعمار کی بڑھتی ہوئی طاقت کس قدر خطرناک ہے، اس کے علاوہ ان روابط کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ بیرونی تجارت اور صنعت میں زبردست ترقی ہوئی۔ میسور کے تجارتی جہاز ان ممالک کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، چین، برما، مسقط، ارمینیا، جدہ، ہرموز اور کچھ کے بندرگاہوں میں بھی پہنچتے تھے۔

ترکی

ٹیپو نے ۱۷۸۴ء میں سلطان عبد الحمید کو لکھا کہ سلطنت تیموریہ کے کمزور ہو جانے کے باعث نصاریٰ نے ہندوستان کے بعض ساحلی علاقوں پر تجارت کے بہانے قبضہ کر لیا اور وہاں کے حالات معلوم کرنے کیلئے رفتہ رفتہ بحری راستے سے یہ لوگ کثیر تعداد میں یہاں پہنچے اور کافی شہروں اور قصبوں پر مثلاً بنگال کے علاقہ میں ان کا اقتدار قائم ہو گیا صرف اس علاقے سے ان کو پینتیس کروڑ سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ ٹیپو کی خواہش تھی کہ ترکی کی حکومت سے وہ ایک باقاعدہ معاہدہ کرے، اس کی تجاویز میں یہ شرائط شامل تھیں :

" سلطان ترکی کی فوجیں بذریعہ جہاز پہنچیں گی ان کے جملہ

اخراجات ٹیپو برداشت کرے گا، اور جب کبھی سلطان ترکی اپنی فوج کو واپس بلانا چاہیں گے ان کو واپس بھیج دیا جائے گا اور اس کا خرچ ٹیپو کے ذمہ ہوگا؛ مختلف قسم کے کاریگروں کے لئے بھی اس نے سلطان سے درخواست کی تھی اور اس سلسلہ میں اس نے لکھا تھا کہ عیسائی اقوام نے دنیا کے مختلف ممالک پر جو برتری حاصل کی ہے، وہ تجارت اور صنعت میں تفوق کی بدولت حاصل ہوئی ہے، مسلم حکمران بھی اپنے دین کی خدمت اسی کے ذریعہ کر سکتے ہیں؛ ترکی حکومت نے ٹیپو سے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا، کیوں کہ جس طرح ہندوستان کے لئے انگریزی تسلط کا خطرہ تھا اسی طرح روسی استعمار ترکوں کے لئے خطرناک تھا، چنانچہ سلطان عبدالحمید نے اس کو جواب میں تحریر کیا کہ "آپ کا یہ دوست بھی انتہائی بہادری کے ساتھ اپنے اجداد کی روایات قائم رکھتے ہوئے جہاد کی راہ پر گامزن ہے؛ سیاہ رو روسی، جو دینی اوصاف کے راستے سے منحرف ہو گئے ہیں اور جنہوں نے مکاری کو اپنا پیشہ بنالیا ہے: وہ دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو ذلیل کریں ..... ہماری فوجیں ان بدکردار کفار کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہیں"۔

فرانس

فرانسیسیوں سے ٹیپو سلطان کے تعلقات دوستانہ تھے، انگریزوں کی دشمنی نے میسور اور فرانس کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیا تھا، ٹیپو کے سفراء کا شاہ فرانس نے بہت گرم جوشی سے استقبال کیا، اس استقبال کے لئے خود بادشاہ نے اپنے قالین بھیجے تھے، ۱۰ راگست ۱۷۸۸ء کو ان سفراء کی شاہ فرانس سے ملاقات ہوئی، لیکن اس سفارت کی کوششوں کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا، حقیقت یہ ہے کہ فرانس اس وقت ایک عظیم انقلاب کے دروازے پر پہنچ چکا تھا اور اس کا معاشرے اور اقتصادی زندگی میں انتشار کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔ ۱۷۹۷ء میں ٹیپو نے ایک اور کوشش کی اور جزیرہ ماریشس کے گورنر ملارٹک کو لکھا کہ اگر تم اس وقت ہمارا ساتھ دو گے تو ہم انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں گے، میں نے تین سونوں کو حرکت دی ہے انہوں نے اس علاقے کے لوگوں کو متحرک کر دیا ہے ہمارے دوست انگریزوں پر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ٹیپو کے اس اقدام کے نتائج بھی اس کے لئے مضرت رساں ثابت ہوئے۔

افغانستان

ٹیپو نے شاہ افغانستان زمان شاہ سے بھی رابطہ پیدا کیا۔ زمان شاہ کا خیال تھا کہ برصغیر میں داخل ہو کر مغلیہ سلطنت کے اقتدار کی بحالی میں مدد دے۔ ٹیپو کے سفراء نے اس پر زور دیا کہ اپنے اس منصوبہ کو جلد عملی جامہ پہنائے۔ زمان شاہ کا جواب نہایت حوصلہ افزا تھا: "ہم اپنی فتحمند افواج کے ساتھ بہت جلد وہاں جانے والے ہیں تاکہ وہاں کے لوگوں کو امن اور آرام کی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔" ۱۷۹۸ء میں ہم کو لارڈ مارننگٹن کے ایک خط میں ٹیپو اور زمان شاہ کے اس اتحاد کا ذکر ملتا ہے، لیکن عملی طور پر یہ منصوبہ بھی ناکام رہا۔ زمان شاہ حسب وعدہ اپنی فوجوں کے ساتھ پنجاب میں داخل ہوا اور دسمبر ۱۷۹۸ء میں لاہور تک پہنچ گیا۔ لیکن یہاں سے اس کو جلد واپس جانا پڑا۔ لارڈ مارننگٹن نے مراد آباد کے رہنے والے ایک شخص، مہدی علی خان کو ایران کے حکمران کے پاس بھیجا اور اس کی کوششوں سے وہاں کی سرحد پر بغاوت شروع ہو گئی۔ ان حالات میں زمان شاہ کو پنجاب سے واپس لوٹنا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر زمان شاہ کی فوجیں آگے بڑھتی چلی جاتیں تو ہندوستان کے بہت سے سردار اس کے ساتھ ہو جاتے، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جاتا۔

ایران

ٹیپو نے ایران سے بھی اشتراک عمل کی پوری کوشش کی، ۱۷۹۷ء میں ایران کا شہزادہ اپنے باپ سے لڑ کر سرنگا پٹم آ گیا تھا، یہاں ٹیپو نے اس کو خوش آمدید کہا اور اپنے پاس رکھا۔ جاتے وقت اس نے شہزادہ سے کہا "اپنے دار السلطنت کے معاملات طے کرنے کے بعد میری خواہش ہے کہ تم میرے، اور زمان شاہ کے ساتھ مل کر ہندوستان اور دکن کے مسائل حل کرو"۔ شہزادہ اس کے لئے راضی ہو گیا۔ ٹیپو نے خود شاہ ایران کے پاس اپنے ایک قاصد کے ذریعہ بھی تجویز بھیجی، اس کے علاوہ اس کی خواہش تھی کہ تجارت کا قدیم خشکی کا راستہ جو ایران میں ہو کر یورپ تک جاتا تھا، اس کو دوبارہ جاری کرے، لیکن اس کی مدت حکومت اس قدر مختصر تھی کہ وہ اس منصوبہ کو عملی شکل نہ دے سکا۔

حیدر آباد

نظام سے ٹیپو کے دوستانہ تعلقات قائم نہ ہو سکے حالانکہ اس نے اس کی پوری کوشش کی، نظام نے اپنی پالیسی کی بنیاد میسور کی مخالفت ہی کو بنایا تھا، لیکن اس کے

باوجود اس نے نظام کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا' اس کے دربار میں سفراء بھیجے اور یہ بھی کوشش کی کہ میسور اور حیدر آباد کے حکمران خاندانی قرابت کے سلسلہ میں منسلک ہوجائیں' نظام نے اس تجویز کو اس بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ٹیپو ایک نیچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا' واقعہ یہ ہے کہ حیدر آباد کی حکومت کوتاہ اندیش اور تنگ نظر تھی' اور نظام دوستی کی بجائے ٹیپو کی مخالفت کرتا رہا۔ آخری جنگ میسور میں بھی ٹیپو کو شکست دینے اور تباہ کرنے میں اس نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔

مغلیہ سلطنت

مغلیہ سلطنت بے حد کمزور ہوچکی تھی' لیکن ٹیپو نے اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا شاہ عالم کو ایک خط میں اپنے مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے لکھا: "خدا کی مدد اور اس کے فضل کے ساتھ میں نے اب مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ دین کے دشمنوں کا مکمل طور پر استیصال کروں' اس کا مطلب انگریزوں ہی سے ہے۔ دوسرے خطوں میں بھی اس نے اپنی ان کوششوں کا ذکر کیا ہے۔

مرہٹے

نظام کی طرح مرہٹوں سے بھی ٹیپو دوستانہ روابط قائم کرنے کا خواہشمند تھا' لیکن وہ اس کی مخالفت ہی کرتے رہے اور انگریزوں سے لڑائیوں میں ان ہی کا ساتھ دیتے رہے ۱۷۸۷ء میں اس نے مرہٹوں کو شکست دی لیکن دوستی قائم کرنے کی امید میں اس نے ان کو روپیہ بھی دیا اور کچھ قلعے بھی دیدیئے' اگر مرہٹوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور جنگ میں انہوں نے لارڈ کارنوالس کا بھی ساتھ دیا۔ نانا فرنویس کو آخری وقت تک یہ اندازہ نہ ہوسکا کہ اس کا اصلی دشمن ٹیپو نہیں انگریز ہے' بعد میں جب ٹیپو شہید ہوچکا تھا' اس کو صحیح نقشہ نظر آیا' اس کا بیان ہے "ٹیپو ختم ہوگیا' انگریزوں کی قوت برابر بڑھ رہی ہے' اب سارا مشرقی ہندوستان ان کے قبضے میں آجائیگا اب پونہ ان کا نیا شکار ہوگا' برا زمانہ سر پر ہے' تقدیر کے ہاتھ سے بچنا ممکن نہیں" یہ پیشین گوئی جلد ہی پوری ہوگئی' لیکن ان نتائج کا ذمہ دار خود نانا ہی تھا۔

ٹیپو کی زندگی کا اولین مقصد یہ تھا کہ ہندوستان پر سے انگریزوں کا تسلط ختم کیا جائے۔ اس کی حکومت کی ابتدا بھی ان کے خلاف جنگ سے ہوئی اور انتہا بھی' انگریز اس کے عزم و استقلال سے نہایت پریشان تھے' وہ جانتے تھے کہ ٹیپو نہ دوسرے نوابوں اور راجاؤں کی

طرح ان کے زیر اثر آنے پر موت کو ترجیح دے گا۔ اس کا ایک مشہور قول ہے کہ شیر کی طرح ایک دن کی زندگی لومڑی کی سو سالہ حیات سے بہتر ہے۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہا، انگریز چین سے نہ بیٹھ سکے، وہ پہلا حکمران تھا جس نے ان کی مخالفت میں اپنی جان کی بازی لگائی۔ ٹیپو کی عظمت کا عکس ہم کو ایک بلند مقصد کے لئے خلوص سے کوشش کرنے، اس کے منصوبوں کی بلندی اور ان کو عملی شکل دے کر انگریزی استعمار اور حکومت کی توسیع کو روکنے میں نظر آتا ہے۔

بیرونی ممالک اور ہندوستان کے حکمرانوں سے روابط پیدا کرنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ اپنے دفاع کو مستحکم تر بنائے، بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اس اتحاد کے ذریعہ سے اپنے وطن کو بیرونی اقتدار سے نجات دلائے۔ یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس نے ایک ناممکن مقصد کے لئے کوشش کی، کیوں کہ فرانس سے جو انقلاب کے دروازہ پر کھڑا تھا، یا ترکی سے جو انحطاط سے دوچار تھا، یا مرہٹوں سے جن کی ہوس اقتدار ختم نہیں ہوئی تھی یا نظام سے جو ایک کمزور حکمران تھا یا زمان شاہ سے جو ایک متلون جو مزاج بادشاہ تھا کسی قسم کی امداد کی امید کرنا سراسر غلط تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ٹیپو سیاسی تصویر کے دوسرے رخ کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کا باپ بیرونی امداد حاصل کر چکا تھا، اور وہ خود جنگ کے میدان میں انگریزوں پر متعدد بار فتوحات حاصل کر چکا تھا، ان حالات کے پیش نظر اس کی کوششوں کو بے وقوفی اور دیوانگی سے تعبیر نہیں نہیں کیا جا سکتا،

اس کی ناکامی کے اسباب بین الاقوامی حالات اور خود اس کے کارندوں کی غداری میں ملینگے انگریزوں کے وسائل اس کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع تھے، تین بڑے صوبوں پر خود ان کی حکومت تھی، اس کے علاوہ نظام اور مرہٹے جو اس وقت کی بڑی ریاستیں تھیں ان کی مدد کے لئے ہر وقت تیار تھے، انگلستان سے بھی ان کے لئے ہر وقت فوجیں آ سکتی تھیں لیکن پھر بھی اس نے ان کا مقابلہ کس دلیری سے کیا اس کا اندازہ ہم ان فتوحات سے لگا سکتے ہیں جو اس نے تیسری جنگ میں کارنوالس کے خلاف حاصل کیں۔ ڈھائی سال کی کامیاب نبرد آزمائی کے بعد اس کو شکست ہوئی اور وہ بھی شب خون میں، اس جنگ سے اس کی قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، میسور کا شیر باوجودیکہ ۱۷۹۲ء کی جنگ میں اس کے پنجے بے کار ہو چکے تھے، ولزلی کی نظر میں انتہائی خطرناک تھا، آخر میں یقیناً اس کو شکست ہوئی لیکن اس شکست اور ناکامی سے اس کی پالیسی کی اہمیت اور وقار میں کمی نہیں آتی۔ جنگ آزادی کے میدان میں اس کا مقام ہمیشہ صف اول کے جانبازوں میں رہے گا۔

ثناء الحق ایم اے (علیگ)

ٹیپو سلطان کی مذہبی پالیسی

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلےٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز — ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں — محفل گداز گرمئ محفل نہ کر قبول
صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

علامہ اقبال کے یہ وہ ولولہ انگیز اشعار ہیں جو انہوں نے اپنے مجموعہ کلام "ضربِ کلیم" میں سلطان ٹیپو کی وصیت کے عنوان کے تحت شامل کر کے ایک طرف اس مردِ مجاہد کے کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسری جانب اس کے مجاہدانہ عقائد و تصورات کو نظم کا جامہ پہنا کر مسلمان نوجوان میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

جس دورِ انحطاط میں ٹیپو نے جنم لیا تھا اس وقت مسلمانوں کے دینی افق پر جو تاریکی چھائی ہوئی تھی وہی آج بھی اپنی پوری شدت کے ساتھ مستولی ہے۔ اس لئے اس وقت ٹیپو نے جس جذبۂ ایمانی کو بیدار اور جس جذبۂ جہاد کو مسلمانوں میں عام کرنا چاہا تھا اسی کی مسلمانوں کو آج بھی ضرورت ہے اس وقت بھی جبکہ اس کے مادی وجود کو نیا دالوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوئے ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے

اس کے جذبات وخیالات اور جوش وولولہ الفاظ کا جامہ پہن کر فضا میں گونجتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں سلطان شہید دکن کی تاریک افق پر ایک روشن ستارہ کی طرح طلوع ہوا اور کچھ عرصہ تک اس پوری افق کو منور کئے رہا۔ لیکن بالآخر ظلمتوں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے اس کو چھپا دیا۔ اب اگرچہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے تاہم اس وقت بھی اس کی کرنیں تاریک قلوب میں نفوذ کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

سلطان شہید میں یہ جوش وولولہ اور یہ جذبہ جہاد وحریت دراصل اس کی للہیت، دین داری اور خدا ترسی کی وجہ سے تھا۔ وہ ایک مرد مومن تھا۔ ایمان واسلام کی جڑیں اس کے قلب کی گہرائیوں میں پہنچی ہوئی تھیں۔ خدا کا خوف اور ڈر اس کو جادۂ اعتدال سے بھٹکنے نہیں دیتا تھا۔ اور خدا پر بھروسہ اس کو بڑے سے بڑے کام کرنے پر اکساتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کے فرامین، مکتوبات اور تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ توحید پر یقین، رسالت کا احترام اور شریعت پر عمل اس کے عقیدہ کی بنیاد اور عمل کا محور تھے۔ اس نے کئی جگہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان سے بے حد متاثر تھا اور اسی گہرے تاثر نے اس کو اس قدر توحید پرست، قرآن وحدیث کا متبع بدعات سے روگرداں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صحیح تفسیر بنا دیا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں بعض باتیں ساحول اور زمانہ کے اثر سے ایسی موجود تھیں جو اسلامی نقطہ نظر سے مناسب نہیں سمجھی جاسکتیں لیکن ان کی تعداد بہت قلیل ہے۔ اور "ان الحسنات یذہبن السیات" کے تحت اگر وہ بہت خفیف ہوجاتی ہیں۔

سلطان ٹیپو ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اس کے دل میں خدا کا خوف اس کی ذات پر بھروسہ اور اس کی خوشنودی واطاعت کا تصور ہمہ وقت جاگزیں رہتے تھے۔ نہ آسائش میں کبھی خوف خدا اس کو حد سے تجاوز کرنے دیتا تھا اور نہ مصیبت میں کبھی یاد خدا اس کے دل سے نکل کر اس کے ایمان میں تذبذب یا تذلزل کی کیفیت پیدا ہونے دیتی تھی۔ وہ

دعاؤں کے اثر اور خدا کی بے پایاں قدرت کا دل سے قائل تھا۔ لیکن خدا کی اس سنت پر بھی اُس کا یقین پختہ تھا کہ وہ اپنی رحمتیں اُسی فرد اور قوم پر نازل کرتا ہے جو اس کے احکام پر اپنے عمل کی بنیاد رکھے۔ سلطان نہ صرف خود ان باتوں پر کاربند تھا بلکہ دوسروں کو گفتگو اور تحریر کے ذریعہ ان امور پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا رہتا تھا۔

۱۵ اکتوبر ۱۷۸۶ء کو سید محمد قلعہ دار پٹن کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"تم نے اپنا جو خواب لکھا ہے۔ اُمید ہے کہ خدائے برتر و بالا کی تائید سے اُس کی تعبیر پوری ہو گی"۔

"خدائے ہر دو جہاں کا یہ قانون شروع سے رہا ہے اور رہے گا کہ وہ اپنے ان بندوں کو حکومت دیتا ہے جو اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں"[1]

۱۵ اکتوبر ۱۷۸۶ء ہی کو ایک خط سید محمد اشرف، دیوان فیض حصار کو لکھتے ہوئے رقمطراز ہے۔

"اُمید ہے کہ خدائے پاک اپنے کرم و شفقت سے جلد بارانِ رحمت بھیج دے گا"[2]

سلطان اتباع سنت میں دوسرے لوگوں سے بھی اسلام کی ترقی کے لئے دعاؤں کا طالب ہوتا تھا۔ چنانچہ ۲۱ دسمبر ۱۷۸۶ء کو ایک خط سید احمد صاحب کے نام خاص اسی غرض سے تحریر کیا۔

"خواہش ظاہر کی جاتی ہے کہ آپ دعاؤں میں دین اسلام کی ترقی اور اُس کے دشمنوں کی تباہی کے خواہاں ہوں"[3]

---

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان حصہ دوم مؤلفہ محمود خاں بنگلوری ص ۶۶۔۶۷

[2] " " " " ۶۸

[3] " " " " ۵۹

خدا کی بزرگی و عظمت کا قائل ہونے اس کے خوف کو دل میں جگہ دینے اور اس کی رحمت و قدرت پر بھروسہ رکھنے کے ساتھ ساتھ سلطان اپنے دل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا بھی بہت گہرا نقش لئے ہوئے تھا۔ چنانچہ مختلف مواقع پر وہ دربار رسالت میں اپنی گہری عقیدت کے ارمغان و ہدایہ پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔

۱۳؍ اکتوبر ۱۷۸۶ء کو جو مکتوب سید احمد صاحب وغیرہ کی خدمت میں ارسال کیا اس میں اُن حضرات کو مُطلع کیا کہ

"خدا کے فضل و کرم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسلامی سواروں کے گھوڑوں کے سموں نے تیرہ بخت اعدائے دین کو اس طرح کچلا ہے کہ اُن کی حالت نہایت شکستہ و زبوں ہوگئی ہے[1]"

۲؍ اگست ۱۷۸۶ء کو محمد بیگ خاں ہمدانی کو ایک خط میں لکھا۔

"مسلمانوں پر جو بُرا وقت آیا ہے۔ اس کا بڑا سبب سلطنت ہندوستان (دہلی) کی کمزوری ہے۔ اگر مسلمان اب بھی متحد ہو جائیں تو اگلی شان و شوکت پھر واپس آسکتی ہے اور اس وقت ان کافروں کو کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ لہٰذا امیرانِ اسلام کو ایسی کارروائی نہ کرنی چاہیئے کہ روز جزا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار ہوں[2]"

سطور بالا سے جہاں اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ سلطان شہید کو خدا اور رسول کی خوشنودی کا بیحد خیال تھا وہیں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے دل میں اسلام کی ترقی اور اس کی دیرینہ شان و عظمت کو پھر سے قائم کرنے کا کس قدر جذبہ تھا۔ اس کی بعض اور تحریروں سے بھی اس کے اس جوش و جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلام کی ترقی کی دھن اس کو نہ دن کے وقت آرام کرنے دیتی اور نہ رات کو چین کی نیند سونے دیتی تھی۔ چنانچہ

---

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم مؤلفہ محمود خاں بنگلوری ص ۹۰

[2] " " " " ص ۱۰۰

جس مکتوب کا اقتباس اوپر پیش کیا گیا ہے اسی میں سلطان نے یہ بھی تحریر کیا ہے۔

"آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کے اس دوست نے کس طرح حال میں بے دین نصرانیوں کی سرکوبی کی ہے۔۔۔۔ اب فی الوقت میں بعض مسلمان رئیسوں کی سرزنش کر رہا ہوں جو شریعت اسلام کے خلاف کافروں کے ساتھ اتحاد کر رہے ہیں جس کی وجہ سے میں نے حال میں خدا کے احکام اور پیغمبرؐ کی احادیث قلم بند کر کے تمام ملک میں بطور پمفلٹ تقسیم کئے ہیں۔"[۱]

۶ رنومبر ۱۷۸۶ء کو ایک خط میں لکھا۔

"آخر میں خدائے برتر و توانا کی تائید سے میں نے دشمن کو متعدد شکستیں دے کر اس کو مجبور کر دیا کہ دریائے کرشنا کے اس پار فرار ہو جائے۔ دشمن نے نہایت الحاح و عاجزی سے صلح کی درخواست کی اور میں نے انسانی جانوں کے بیجا اتلاف سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی شرائط بیشتر اُن سے منوالیں اور اب میرا مصمم ارادہ ہے کہ ان لوگوں کی سرزنش کروں جو مسلمانوں کو مسجدوں میں اذان دینے سے منع کرتے ہیں اور جو کافروں میں سب سے زیادہ سخت اور ناقابل رواداری ہیں۔ اس لئے آن جناب سے توقع ہے کہ جاں بازان اسلام کی فتح کی دعائیں مانگیں گے تاکہ یہ بدعقیدہ لوگ تباہ ہو جائیں اور دین محمدی سرسبز ہو۔"

دیگر اثرات کے علاوہ سلطان کے ان عقائد میں مضبوطی قرآن کریم اور احادیث نبوی کے گہرے مطالعہ نے پیدا کی تھی۔ ممکن ہے وہ فلسفہ اور منطق کی موشگافیوں میں نہ پڑنے کی وجہ سے اصطلاحی معنوں میں عالم نہ بن سکا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی

تعلیم کے اصل ماخذ یعنی قرآن وحدیث سے اس کا تعلق استوار تھا اور یہ تعلق ایام شہزادگی تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ سلطان کے شہادت کے وقت تک قائم رہا۔ امور سلطنت اور جنگی مہمات میں گھرے ہونے کے باوجود اس کا یہ معمول رہا کہ

"علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوتِ قرآن مجید کرتا۔"[1]

سلطان کے فرامین اور مکتوبات میں جس کثرت سے قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے ملتے ہیں ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے دین کے ان اصلی ماخذ کو سمجھنے اور ان پر اپنے عقائد واعمال کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی تھی۔

چونکہ سلطان شہید کے عقائد پر اسلام کی گہری چھاپ تھی اس لئے وہ عبادات معاملات اور سیاست مدن کسی چیز میں بھی اسلامی اصولوں سے انحراف کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ وہ نماز کا بیحد پابند تھا۔ اکثر اوقات نماز با جماعت ادا کرتا تھا بلکہ کبھی کبھی امامت کے فرائض بھی انجام دے لیتا تھا۔

یہاں ایک واقعہ بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ سلطان کی زندگی کے اس پہلو پر اچھی طرح روشنی پڑ سکے۔

"سلطان ہر روز بلاناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا اور نماز کا اس قدر پابند تھا کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے اس وقت بڑے بڑے علماء اور مشائخ آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر سلطان نے کہا۔

"الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں۔"

۱۔ تاریخ سلطنت خداداد میسور مولفہ محمود خاں بنگلوری

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔[1]

سلطان کی عملی زندگی بھی اسلامی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کے اختلال کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ سادگی کو چھوڑ کر عجمی تکلفات میں پھنس گئے ہیں اور جب تک وہ اس طلسم سے نہیں نکلیں گے۔ اس وقت تک ہرگز راہ ترقی میں گامزن نہیں ہو سکتے یہ محسوس کر کے اس نے اپنی پوری زندگی کی بنیاد سادگی پر رکھی۔ اس نے نشست و برخاست آداب وسلام اور تحریر و تقریر ہر چیز میں سادگی کو اپنا شعار بنایا۔ مغلیہ دربار کے اثر سے جھک کر سلام کرنے اور زمین بوسی کے جو مذموم اور غیر اسلامی طریقے رائج ہو گئے تھے سلطان نے ان سب کو موقوف کر دیا۔ اور السلام علیکم کہنے کا اسلامی طریقہ رائج کیا۔ مسجدوں میں امیروں کی تعظیم کی جو بدعت شروع ہو گئی تھی اس کو بھی سلطان نے روکنے کی پوری کوشش کی۔ چنانچہ وہ خود مسجد میں ایک علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہو جاتا تھا اور اس غیر شرعی کام کی خود جانچ پڑتال کرتا تھا۔ سلطان کا لباس بے حد سادہ ہوتا تھا۔ اس میں بھی شرع کی پابندی ضروری تھی۔ وہ اپنی ٹھوڑی اور دستار کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ پالکی اور ہوادار کی سواری سے بے حد متنفر تھا۔ صرف گھوڑے کی سواری کو پسند کرتا تھا۔

شرم و حیا جو ایمان کا جزو ہے وہ بھی سلطان میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ محمود بنگلوری "نشان حیدری" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> "سلطان اس قدر کامل الحیاء تھا کہ سوائے اس کے پیر کے ٹخنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمانؓ کے

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد (میسور)، مصنفہ محمود خاں بنگلوری ص ۵۰۴

بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان کی دوسری حیرت انگیز مثال تھی۔[1]

ایک مطلق العنان حکمران ہونے کے باوصف سلطان شراب نوشی، عیاشی اور بدکاری میں کبھی ملوث و مبتلا نہیں ہوا۔ اس کے محل میں بیگمات کی تعداد بھی دیگر امراء اور حکمرانوں کی طرح کثیر نہیں تھی۔ بلکہ اس معاملہ میں بھی وہ شریعت کا پوری طرح پابند تھا۔ چنانچہ محمود بنگلوری ولکس کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں رہیں سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوئی تھی۔ سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی۔"[2]

سلطان شہید میں جوش جہاد بے پایاں تھا۔ مسلمانوں میں مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے راحت طلبی اور عیش پسندی بہت بڑھ گئی تھی اسی نے ان کو جہاد کی روح سے عاری کر دیا تھا اور خانہ جنگیوں میں پھنس کر وہ اپنی طاقت کو زائل کر چکے تھے۔ سلطان نے جہاد کو مسلمانوں کی ترقی کا واحد ذریعہ سمجھا اور صحیح اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ان کو جہاد پر آمادہ کیا۔ وہ اسلام اور آزادی کو دو الگ الگ چیزیں نہیں سمجھتا تھا اور اسی لئے اس کے نزدیک اسلام کو سربلند کرنے یا آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے جہاد بالکفار لازمی شے تھا۔ اس نے "فتح المجاہدین" میں تفصیل سے مسائل جہاد بیان کیے ہیں۔

۱۷۸۶ء میں سلطان نے جو اعلان جہاد کیا اس سے اس کی دینی حمیت اور جذبۂ ایمانی کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے۔ یہ اعلان ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

"خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مسلمانوں کو جو احکام

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد ص ۵۰۵

[2] " " ص ۵۰۶

دیئے گئے تھے انہوں نے ان احکام کو بھلا دیا جس کی وجہ سے ان
پر زوال آگیا۔ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے ہم ان احکام کو
اپنے دستخط اور مہر سے مسلمانوں کی آگاہی کے لئے دوبارہ جاری
کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے ہدایت پائیں۔[1]

اس کے بعد آیات قرآنی جو جہاد سے متعلق ہیں دے کر مسلمانوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ جہاد کب فرض ہوتا ہے اور یہ کہ اس فرض کی ادائیگی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

سلطان نے اپنی پوری زندگی جس طرح جہاد کی نذر کی اس کا ذکر برصغیر کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر مسلمان باعزت طریقہ پر رہ کر اسلام کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا اور دوسروں کے آگے سر اطاعت خم کر کے زندہ رہنے پر مجبور ہے تو ایسی زندگی سے موت بدرجہا بہتر ہے۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ جو اس نے پہلے بھی کئی بار دوہرائے تھے اور اس وقت بھی اس کی زبان پر جاری تھے جب انگریزی افواج نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اس کے اسی عقیدہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

"شیر کی حیاتِ یک روزہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے"۔

سلطان شہید نے جہاں اپنی نجی زندگی میں بڑی حد تک اسلام کو داخل کر لیا تھا وہاں اس کی یہ بھی کوشش تھی کہ سلطنت خداداد میں رہنے اور بسنے والے تمام مسلمانوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اور مسلمانوں کے معاشرے کو پوری طرح اسلام کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ نیز انہیں جہاد کی طرف راغب کیا جائے تاکہ اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ وہ بے عملی، عیش و تعیش اور خانہ جنگی کی لعنت سے بچیں۔

دکن میں مسلمان عرصہ دراز سے آباد تھے۔ لیکن ہندوؤں کے اثر سے ان میں

---

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان حصہ دوم ص ۱۴۱

بہت سی غیر اسلامی باتیں رائج ہو گئی تھیں۔ ان کی معاشرت کلیتاً بدل چکی تھی۔ بیاہ شادی پیدائش اور موت کے مواقع پر عجیب عجیب رسمیں کی جانے لگی تھیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے دلوں سے یہ احساس ہی ختم ہو گیا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ڈ اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کی سلطنتوں کے انتزاع کے بعد وہاں سے جو مسلمان سلطنت خداداد میں آ کر آباد ہوئے وہ تو اسلامی روح سے قطعاً ہی عاری تھے۔

سلطان حیدر علی نے مسلمانوں کی گمراہی کو دور کرنا اور ان کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا چاہا۔ لیکن اس کا دور حکومت جنگ و پیکار کی نذر ہو گیا اور وہ کوئی مؤثر اقدام نہ کر سکا۔ ٹیپو سلطان نے تخت نشینی کے کچھ ہی روز بعد اپنی مسلمان رعایا کی اصلاح حال کے لیے حسب ذیل قانون بنائے۔ ان میں سے بعض غیر مسلموں پر بھی لاگو تھے۔

۱۔ منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کے لئے تھا اس معاملہ میں سلطان اس قدر سختی برتتا تھا کہ جب اس کی فرانسیسی فوج کے افسر جنرل موسیو لالی نے اپنے کیمپ میں فرانسیسی سپاہیوں کے لئے شراب کی ایک دوکان کھولنے کی اجازت چاہی تو سلطان نے اس کو جواب میں لکھا۔

> "شراب فروخت کرنے کے لئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دوکان کی اجازت نہ دی جائے اور یہ امتناعی حکم دیا جائے کہ سوائے یورپین لوگوں کے دیسیوں کے ہاتھ شراب کی ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ مکان پر سرکاری پہرہ رکھ دیا جائے۔ اس لئے کہ سلطنت خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جا سکتی[1]۔"

---

[1] تاریخ سلطنت خداداد ص ۲۹۱

شراب کے علاوہ نشے کی اور تمام چیزوں کو بھی سلطنت سے خارج کرنے کے انتظامات سختی سے کئے گئے۔ خشخاش کی جس سے افیون تیار ہوتی ہے کاشت بند کردی گئی اور اس حد تک اس پر عمل درآمد کیا گیا کہ لوگوں کو اس کے پودے اپنے باغوں میں لگانے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ صندولے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے تمام سلطنت خداداد سے کٹوا دیئے گئے۔ اور آئندہ کے لئے اس درخت کو بونے سے روک دیا گیا سلطان کے اس اقدام سے سلطنت کی آمدنی میں کمی واقع ہوگئی لیکن اس نے اس نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

سلطان کے اس اقدام کی انگریزوں نے بھی تعریف کی چنانچہ بورنگ لکھتا ہے۔

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دے کر ایک عاقل رفارمر کا کام کیا تھا۔"

۲۔ ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے جن کے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی مقدمات فیصل کرنے کے علاوہ ان کا فرض یہ بھی تھا کہ وہ خصوصیت سے جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں۔ نیز ان کو منشیات کے استعمال سے روکیں۔

"قضا کے لحاظ سے سلطان نے اپنی پوری سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کر کے چار سر قاضی، سرنگا پٹم، بنگلور، نگر اور چتل درگ میں مقرر کئے تھے۔ باقی شہروں اور گاؤں میں جو قاضی مقرر تھے وہ علاقے کے لحاظ سے انہیں چار سر قاضیوں کے ماتحت تھے۔ اور یہ پورا محکمہ قاضی القضاۃ کے ماتحت تھا۔[1]"

سلطان نے قاضیوں کو جو احکام دیئے تھے ان کی تفصیل محمود خاں بنگلوری نے اپنی گرانقدر تالیف صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم میں دی ہے۔

۳۔ مسلمانوں کو مذہبی اصولوں سے آگاہ کرنے کے لئے کتاب "فتح المجاہدین" کے

---

[1] صحیفۂ ٹیپو سلطان حصہ دوم ص ۲۷۴

پہلے باب کی ہزار ہا نقلیں سلطنت خداداد اور بیرون سلطنت یعنی حیدر آباد، مرہٹہ واڑی اور بنگال میں تقسیم کرائیں۔ اس باب میں عقائد، نماز، جہاد، ترکہ وغیرہ کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی جمعہ کے وہ خطبے بھی شامل ہیں جو سلطان نے مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینے کی خاطر خود تدوین کرائے تھے۔

۴۔ اُن لوگوں پر جو پیری مریدی کو پیشے کے طور پر چلا رہے تھے سخت پابندیاں عاید کر دیں۔

۵۔ محرم کی بعض اُن رسومات کو جو ہندوؤں کے اثر سے مسلمانوں میں رائج ہو گئی تھیں اور عرصہ دراز سے دکن میں اُن پر عمل کیا جا رہا تھا ممنوع قرار دیدیا۔

۶۔ حسب ونسب کا امتیاز بہت شدت اختیار کر گیا تھا۔ سلطان نے اس کو اسلامی روح کے منافی سمجھتے ہوئے اُس کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔

اسلامی معاشرے اور سوسائٹی کی اصلاح اور امور مملکت کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے علاوہ سلطان اتحاد بین المسلمین کا بھی بے حد خواہاں تھا۔ چنانچہ اس نے انتہائی کوشش اس امر کی کہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لایا جائے اور مسلمان حکمرانوں میں دوستی کے روابط پیدا کئے جائیں۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ اس دور انحطاط میں مسلمان حکمران اپنے ذاتی مفادات کو پورا کرنے کی دھن میں سلطان کی اسلام دوستی کی قدر نہ کر سکے بلکہ اُن میں بعض ایسے بھی نکلے جنہوں نے اُس کے اور اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مل کر اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔

سلطان نے اس سلسلہ میں برصغیر کے مختلف حکمرانوں کو جو خطوط لکھے ان میں سے کئی صحیفہ ٹیپو سلطان میں درج ہیں۔

سلطان نے صرف برصغیر کے مختلف حکمرانوں سے ہی اتحاد کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس نے دیگر اسلامی ممالک کے سربراہوں کے پاس بھی اسی غرض سے وفد بھیجے چنانچہ ایک وفد میر غلام علی کی قیادت میں عثمانی خلیفہ کی خدمت میں قسطنطنیہ بھی بھیجا گیا تھا۔

بعض حضرات نے سلطان کی اس قدر دینداری اور مذہب اسلام کے ساتھ ایسی والہانہ شیفتگی کو دیکھ کر اور بعض دیگر مصلحتوں کے پیش نظر اس پر متعصب ہونے کی بیجا تہمت لگائی ہے لیکن جن لوگوں نے تعصب کی عینک کو اُتار کر اور ذاتی مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر ایمانداری سے سلطان کے کردار کا جائزہ لیا ہے وہ اُسے ایک رواداری حکمران کہے بغیر نہ رہ سکے۔ گاندھی جی کے ایک مضمون کے درج ذیل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان شہید ایک انتہائی روادار حکمران تھا۔ اُس نے اپنی غیر مسلم رعایا کا ہمیشہ اُتنا ہی خیال رکھا جتنا مسلمانوں کا۔ یہ مضمون گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں شائع کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو شہید غیر ملکی مورخوں کی نظر میں ایک ایسا مسلمان تھا جس نے اپنی ہندو رعایا کو زبردستی مسلمان بنایا۔ لیکن یہ سب بہت بڑا جھوٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات نہایت ہی دوستانہ تھے۔ اُس کے کارنامۂ زندگی کی یاد دل کے اندر خوشی اور مسرت کی ایک لہر پیدا کر دیتی ہے۔ اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا۔ اور ہمیں نہایت ندامت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُس نے اس فدائے آزادی کو دھوکا دے کر دشمنوں کے حوالے کر دیا۔

ٹیپو نے ہندو مندروں کے لئے نہایت فیاضی سے جائیدادیں وقف کیں اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے قریب شری وینکٹا رامنا سرنیواس اور شری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں[1]..."

[1] ٹیپو سلطان مرتبہ ایم عبداللہ ص ۶۲ اور تاریخ سلطنت خداداد ص ۵۲۰

اصل بات یہ ہے کہ لوگ دینداری اور مذہبی تعصب کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں اور اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اسلام جہاں مسلمانوں کو اُدخلوا فی السّلم کافۃ کی عملی تفسیر بننے کی ترغیب دیتا ہے وہیں اس کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ جو غیر مسلم سلطنت اسلامیہ میں امن و امان کے ساتھ رہنا چاہیں ان کے ساتھ پوری رواداری برتی جائے اور ان کی جان و مال، عزت و آبرو ہر چیز کی اسی طرح حفاظت کی جائے جس طرح ایک مسلمان کی کی جاتی ہے سلطان شہید اسلام کے اس اصول کو اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ اس نے جہاں ان دشمنان دین کے ساتھ جہاد کرنے پر بے انتہا زور دیا ہے جو مسلمانوں کے چین و اطمینان کو مختل کرتے تھے یا دین متین میں رخنے ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہیں اس نے اپنی اس غیر مسلم رعایا کو پوری طرح مذہبی آزادی دے رکھی تھی یہی نہیں بلکہ وہ ان کے جان و مال مذہب اور عبادت گاہوں کی حفاظت کو بھی اپنا دینی فریضہ سمجھتا تھا۔ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ مذاہب کی تاریخ میں رواداری کا ایک نادر نمونہ ہے۔

مسلمان حکمرانوں پر یہ الزام عموماً لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے مندروں کو منہدم کیا اور غیر مسلموں کے ساتھ وحشیانہ سلوک روا رکھا۔ اگرچہ دیگر مسلمان فرمانرواؤں پر بھی یہ ایک بہتان عظیم ہی ہے تاہم سلطان شہید کے سلسلہ میں یہ بالکل ہی بے بنیاد ہے۔ اس نے مندروں کو منہدم کرانا تو کجا ان پر کسی قسم کی قیود بھی عاید نہیں کیں بلکہ ان کی حفاظت کے مکمل انتظامات کئے اور ان کے لئے جاگیریں اور اوقاف مقرر کئے۔ جیسا کہ گاندھی جی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے بعض مندر سلطان کے محلوں سے بالکل ملحق تھے۔ لیکن بقول گاندھی جی۔

"شہید قوم سلطان شہید جس سے بڑا شہید ملک و قوم کوئی دوسرا نہیں، اپنی عبادت میں مندروں کی گھنٹیوں سے پریشان نہیں ہوتا تھا"[۱]

اور یہ سب کس لئے تھا؟ محض اس لئے کہ دین متین نے سلطان کو غیروں کے ساتھ

---

[۱] ٹیپو سلطان مرتبہ ایم عبداللہ بٹ ص ۱۴۴

رواداری کا سبق دیا تھا۔

سلطان شہید کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مذہبی آزادی اور ان کے معابد کو جاگیریں اور اوقاف دینے کے علاوہ اُن کے مذہبی رہنماؤں اور بزرگوں کی ویسی ہی تعظیم وتکریم کرتا تھا جیسی مسلمان علماء، صلحاء اور مشائخ کی۔ انتہا یہ ہے کہ کبھی کبھی اُن سے دعاء خیر تک کا طالب ہوتا تھا۔ یہاں یہ بات بتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ "سرینگری کے مندر میں سلطان کے جو خطوط اور فرامین موجود ہیں اُن میں اُس نے دوسرے خطوط کے برعکس سرینگری کے گروجی کا نام پہلے اور اپنا نام بغیر القاب کے بعد میں تحریر کیا ہے"۔

یوں تو سلطان کی رواداری کی بیشمار مثالیں اُس کے فرامین اور مکتوبات میں موجود ہیں لیکن بخوف طوالت چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

میسور کی تیسری جنگ میں انگریزوں اور مرہٹوں نے سرینگری کے مندر کو بھی لوٹ اور غارت گری سے باقی نہ رکھا۔ اس ظلم کی شکایت مندر کے گروجی نے سلطان کو لکھ بھیجی اُس پر سلطان نے گروجی کو یہ جواب دیا۔

> "ہم اُن دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں۔ آپ کی ذات تقدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا اور مندر کے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کے لئے خدا سے دعاء کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش وخرم رہے"۔

ایک خط میں اُن ہی گروجی نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کیا اور مندر کا ساز و سامان لوٹ کر لے گئے۔ نیز ساردادیوی کے بت کو اُس کی جگہ سے اٹھا کر پھینک گئے۔ اس کے بعد سلطان سے استدعا کی تھی کہ حکومت کی جانب سے ساردادیوی کے بت کو دوبارہ نصب کیا جائے۔ سلطان نے

لہ صحیفہ ٹیپو سلطان حصہ اول ص ۷۸

جواب میں لکھا ۔

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی سے باز نہیں آتے یقین ہے کہ اس کلجگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملے گا۔ لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔ گردوں سے دغا بازی خود اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے"[1]

اسی کے ساتھ سلطان نے نامہ نگر کے آصف کو لکھا کہ وہ گروجی کی مدد کرے اور گروجی کو تحریر کیا

"آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کر لیں اس رقم اور اجناس سے سارداریوی کے بت کو نصب کراتے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کریں"[2]

گروجی نے سلطان سے پوجا کے دنوں میں مالی مدد چاہی تو سلطان نے لکھا۔

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیج دیا گیا ہے"[3]

سوامی جی نے سمندر پر غسل کے لئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو سلطان نے ضلع نگر کے عامل کو لکھا ۔

"سوامی جی سمندر کے غسل کے لئے جانے والے ہیں۔ انہیں دورانِ سفر

---

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان حصہ اول ص ۷۹

[2] " " " " ص ۷۹

[3] " " " " ص ۸۰

میں تمام ضروریات مہیا کی جائیں[1]"

سوامی جی نے خواہش ظاہر کی کہ وہ مرہٹہ پیشوا کے مابین جاکر اس سے مندر کا لوٹا ہوا مال واپس لانا چاہتے ہیں۔ سلطان نے فوراً سوامی جی کے سفر کے انتظامات کرنے کے لئے احکام جاری کئے۔

"دوران سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کی جائیں[2]"

سوامی جی کو اپنے اس سفر کے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ سلطان کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً لکھا کہ آپ واپس چلے آئیں۔

"آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کے لئے ہمیشہ عبادت و ریاضت میں غرق رہتے ہیں۔ جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارش اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپ کو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنا کام انجام دے کر جلد اپنے ملک میں واپس آئیں[3]"

۱۷۹۸ء میں جب سوامی جی کے پونا سے واپس آنے کی اطلاع ملی تو سلطان نے اپنے افسروں کو حکم نامہ جاری کیا۔

"راستہ میں سوامی جی کی تمام ضروریات مہیا کی جائیں۔ نیز سوامی جی کے تمام اعزاز و مراتب کا خیال رکھا جائے[4]"

---

[1] صحیفہ ٹیپو سلطان حصہ اول ص ۸۱

[2] " " " ص ۸۲

[3] " " " ص ۸۲

[4] " " " ص ۸۲۔

اس کے بعد سلطان نے سوامی جی کو لکھا کر

"آپ پایۂ تخت میں تشریف لاکر درشن دیں" ۔

یہ تھی سلطان کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری غالباً یہ اسی رواداری کا نتیجہ تھا کہ اس کی غیر مسلم رعایا اس کی اس قدر گرویدہ ہو گئی کہ پورے دورِ حکومت میں سلطان کو اس کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ اور جب اس عادل اور رعایا پرور حکمراں کے خلاف غداروں کی ایک جماعت قائم ہوئی جس نے سلطنت خداداد کو اغیار کے ساتھ مل کر ختم کرا دیا تو غیر مسلموں میں سے بہت کم لوگ غداروں کے اس گروہ میں شامل ہوئے۔ حالانکہ اگر اس وقت کے اعداد و شمار کو سامنے رکھ کر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں کی تعداد کم از کم پندرہ گنی تھی۔

سلطان شہید کی مذہبی پالیسی ایک صحیح مسلمان حکمران کی پالیسی تھی۔ یہ اس قسم کی پالیسی نہیں تھی جس کا نمونہ ہمیں اکبر کے یہاں ملتا ہے۔ سلطان اپنی ذات اور مسلمانوں کی حد تک اسلامی اصولوں سے سرِ مو انحراف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا لیکن غیر مسلموں کے ساتھ وہ ذرا بھی جبر و تشدد نہیں برتتا تھا۔ ان کو تقریباً وہی حقوق حاصل تھے جو اسلام نے ذمیوں کے لئے متعین کئے ہیں۔

آخر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے کردار، مذہبی افکار و خیالات دینداری اور رواداری پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک مضمون کا کچھ اقتباس پیش کر دیا جائے۔

"شخصی حیثیت سے سلطان ٹیپو ایک بہترین شخص تھا۔ غیر ذمہ دارانہ پادشاہی کے اختیارات رکھنے کے باوجود وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اسلامی قانون کا احترام ملحوظ رکھتا تھا۔ قانون کی خلاف ورزی سے اس نے اکثر پرہیز کیا۔ اپنے وعدوں کی پابندی کی، رعایا کے ساتھ عدل و انصاف

لہ ٹیپو سلطان ص ۸۳

سے پیش آیا۔ رعایا کی دولت کو اپنی عیاشی پر نہیں لٹایا بخلق خدا کے
ساتھ رحم کا برتاؤ کیا۔ غیر مسلم جو اس کی حفاظت میں تھے اُن سے
انتہائی رواداری اور فیاضی کا سلوک کیا۔ ایک مسلمان حکمران کے
اصلی فرائض بڑی حد تک بجالانے کی کوشش کی۔ غیر مہذب لوگوں
کو جانور سے آدمی بنایا تعلیم پھیلائی۔ بداخلاقیوں کو دور کرنے کی
کوشش کی۔ غلط رواجوں مثلاً کثرت ازدواج، بے ستری دیوداسی
وغیرہ کو مٹانے میں پورا پورا زور صرف کیا لڑائیوں میں اپنے دشمنوں
تک سے وہ برتاؤ کیا جس کی ہدایت اسلام نے دی ہے؎ :

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان سب اوصاف کے باوجود سلطان ناکام کیوں رہا؟ اس
کا جواب کسی صاحب نے دیا ہے کہ "ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہوا تھا۔"
لیکن درحقیقت اس کے جوش ایمانی، مذہبی سرگرمی، رواداری اور اتحاد بین المسلمین
کے جذبہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ صحیح اور مناسب جواب یہ معلوم ہوتا ہے۔
"ٹیپو اس زمانہ کے بہت بعد میں پیدا ہوا جب اس کے ان جذبات کو
سراہا جاتا اور جب اس کی یہ کوششیں برگ و بار لاسکتیں":

؎ ٹیپو سلطان ص ۱۸۴

ہندو دھرم کا محافظ[1]

ٹیپو سلطان

انگریز حکومت اور دانشوروں نے ہند پاکستان کی تاریخ کو اس بری طرح مسخ کیا ہے کہ اصلی تصویر نہیں پہنچائی جاتی۔ وہ واقعات کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں غلط استنباط

[1] مندرجہ بالا عنوان پر ایک قابل قدر تحقیقی مقالہ ڈاکٹر بی۔ اے سالیتور کا "میڈیول انڈیا کواٹرلی" علی گڑھ کے شمارہ اکتوبر ۱۹۵۰ء (جلد اول شمارہ ۲) میں شائع ہوا تھا ہمارا ارادہ تھا کہ اس مقالہ کا اردو ترجمہ "بصائر کے ٹیپو سلطان نمبر" میں شائع کریں اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی مگر افسوس کہ ہمیں اس سلسلہ میں کامیابی نہ ہوسکی۔ شیخ عبدالصمد صاحب نے ڈاکٹر سالیتور کے مقالہ کو بنیاد بناکر یہ مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اور اصل حوالہ جات ڈاکٹر سالیتور ہی کے ہیں؛ اس طرح جو رائے دی گئی ہے اور نتائج اخذ کئے گئے ہیں ان کی ذمہ داری بھی اصل مصنف ہی پر ہے۔

نتائج کرتے ہیں اور خاص طور سے مسلم حکمرانوں، سپہ سالاروں مدبروں اور دوسرے زعماء کی تصویر بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور اگر اتفاق سے دیندار مسلمان حکمران ہے تو اس کے حالات بگاڑنے میں تو وہ کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے ہیں۔ تحقیقات کے وہ نادر نمونے پیش کرتے ہیں کہ ع

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

ہند پاکستان کے بساط سیاست وحکومت پر آخر زمانے میں دو حکمراں حیدرعلی اور ٹیپو سلطان نمودار ہوئے ان دونوں کا مقابلہ انگریزوں سے ہوا کیسا مقابلہ ان کا مقصد حیات ہی غیر ملکی نصرانی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تھا اور انہوں نے انگریزوں کو وہ ناک چنے چبوائے کہ ان کو اپنا مستقبل تارک نظر آنے لگا مگر حالات وزمانہ انگریزوں کا ساتھ دیا اور وہ کامیاب ہو گئے اور ۶ر مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم پر انگریزوں کا جھنڈا لہراگیا۔ انگریز فاتح تھے اب انہوں نے اور ان کے ہواخواہوں نے حیدرعلی اور ٹیپو سلطان پر جو تاریخیں لکھیں اس میں جو چاہا سو لکھا۔ یہاں ہم صرف اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ حیدرعلی نے اور اس کے بعد ٹیپو سلطان نے خاص طور سے اپنی ہندو رعایا کو نہ صرف پوری پوری مذہبی آزادی بلکہ ان کے مندروں کو جاگیریں تحائف اور دوسری امداد دی، ان کے مذہبی رہنماؤں کی مدد دی بعد مذہبی مراسم جو بند تھے وہ جاری کئے اور اس طرح صحیح معنوں میں ٹیپو سلطان ہندو دھرم کا محافظ تھا مزے کی بات یہ ہے کہ ان واقعات سے انگریز مورخین بھی انکار نہ کر سکے مگر انہوں نے ان امور کی ایسی توجیہہ کی جس سے ان کی بدنیتی کا اندازہ ہوتا ہے اسمتھ لکھتا ہے[۱]۔

"ٹیپو سلطان کٹر مسلمان ہونے کے باوجود عالم خوف وہراس میں برہمنوں کے دیوی دیوتاؤں سے بغرض استمداد رجوع کیا کرتا تھا اور ان کے مندروں اور عبادت گاہوں کے لئے تحفے تحائف بھیجتا تھا۔"

[۱] ونسنٹ اسمتھ، آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا، ص ۵۸۵ (آکسفورڈ ۱۹۲۳ء)

اس سے اس انگریز مصنف نے ٹیپو کو خود مسلمانوں کی نظر میں ذلیل کرنا چاہا ہے حالانکہ اگر ٹیپو سلطان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی تجزیہ کرے تو اس کی زندگی میں مشکل ہی سے کوئی فعل اسلام کی روح کے منافی مل سکے گا۔

ٹیپو سلطان سے پہلے اس کا باپ حیدر علی بھی ہندو مذہب کا بہت خیال رکھتا تھا اور اس نے مندروں اور متھیوں کی حفاظت کی ہے کنڑی زبان میں تین طلا کار سرکاری فرمان اس بیان کی تائید کرتے اور یہ فرامین آج تک سرن گری مٹھ میں موجود و محفوظ ہیں۔ یہ فرمان حیدر علی کے حکم سے مٹھ کے گروہ کے نام لکھے گئے ہیں ایک فرمان کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

"سری سرن گری سوامی گوالورج"

یہاں سوامی کا نام نہیں بتایا گیا کہ اس کے بعد حیدر علی نے سوامی کو تعظیم پیش کی ہے یہ فرمان ۱۷۶۹ء میں جاری ہوا ہے۔ نواب نے اپنی خیریت کی اطلاع دی ہے اور سوامی کے روحانی اقتدار کا دوام چاہا ہے اس زبان کی دلچسپ تفصیلات یہ ہیں۔

"آپ (سوامی) ذی مرتبت اور مقدس ہستی ہیں ہماری درخواست کا مقصد آپ کے حضور میں اپنے دلی جذبات کا پیش کرنا ہے رگھوناتھ راؤ آپ سے ملاقات کے متمنی ہیں اور اظہار عقیدت کا موقعہ دیں گے۔ راماجی کے ذریعہ ایک ہاتھی پانچ گھوڑے، ایک پالکی، پانچ اونٹ بھیج چکا ہوں۔ دیوی کے لئے زریں پارچہ جات، سرن گری کے کے جھنڈے کے لئے پانچ ریشمی کپڑے، ایک جوڑا شال آپ کے لئے اور ساڑھے دس ہزار روپے تو خرچے کے لئے ارسال ہیں اس کے علاوہ کپڑوں کے نو جوڑے پھر بھیجے جا چکے ہیں"[1]

[1] میسور آرکیولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء ص ۷۱-۷۲-۷۳ آئندہ بھی سارے حوالے میسور آرکیولاجیکل رپورٹ ہی کے ہیں۔

اس فرمان میں خاص بات یہ ہے کہ رگھوناتھ راؤ کا ذکر ہے جو پونا کے پیشوا بالاجی کا سخت دشمن تھا لیکن حیدر علی سے تعلقات استوار تھے۔ سوامی کا نام خط میں مذکور نہیں ہے اس زمانے میں سرن گری کے پجاری "ابھی ناو ناز سما بھارتی" تھے وہ ۱۷۶۷ء سے ۱۷۷۰ء اس منصب پر رہے۔

ایک دوسرے خط میں جو سرن گری متھ میں موجود ہے مہاپجاری کو حیدر علی نے یقین دلایا ہے کہ وہ حسب دستور سابق قیام پذیر رہیں ان کو انعامی آراضیات بحال رہیں گی، اور اس خط میں ان تحائف کو قبول کرنے کی درخواست ہے جو سوامی جی کو بھیجے گئے ہیں۔ اس وقت سوامی جی اپنے مرکز سرن گری متھ سے دور کسی مقام پر تھے۔ ڈاکٹر بے رے سالیتور کا خیال ہے کہ سوامی جی مرہٹوں کی پے در پے سورشوں کی وجہ متھ سے چلے گئے تھے۔

نواب حیدر علی کا تیسرا حکم نامہ ۱۷۸۰ء کا ہے اس میں عمال حکومت کو صریح ہدایات ہیں کہ مندر کے ملازمین جاگیرات کی تحصیل وصول میں نرمی جائے۔

نواب حیدر علی کی اس پالیسی کا نمایاں فائدہ ہوا اور نواب کا ہندو نوازی کا طرز عمل اس کے پورے دور حکومت ۱۷۶۹ء تا ۱۷۸۰ء جاری رہا۔

یہ تو نواب حیدر علی کی اس پالیسی کا نمایاں فائدہ ہوا اور کی ہندو نوازی اور ہندو مذہب کی محافظت کرنے کا ذکر کیا جاتا ہے اس سلسلے میں کنڑی زبان ٹیپو سلطان کے تین خطوط و فرامین سرن گری متھ میں ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان اپنی ہندو رعایا اور ان کے معابد اور مذہبی رہنماؤں کی کس قدر عزت کرتا تھا۔

یہ خطوط ۱۷۹۱ء تا ۱۷۹۸ء کے درمیان یہ خطوط طرز تخاطب اور اسلام و دعا کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ جب ان خطوط کے مخاطب سرن گری کے گرو ہوتے ہیں تو اس صورت میں ان کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

"بنام سچدانند بھارتی۔ سوامی سرن گری اور دیگر مروجہ القاب وغیرہ جیسے "سری مت پرما ہنسا" اور اسی قسم کے دوسرے تعظیمی القاب درج ہوتے ہیں اور جب ان خطوط کا مخاطب سوامی کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے تو یوں آغاز ہوگا۔

"جل وعلا ھو الملک المنان۔ ٹیپو سلطان بادشاہ غازی خلد اللہ

ملکہ وسلطنتہ"۔

ان تمام خطوط میں سلطان ٹیپو خود کو اسی سرزمین کا فرزند سمجھتا ہے جس کا

کہ وہ حاکم ہے۔ یہ بات آج کی بیسویں صدی کے لئے سخت تعجب خیز ہے۔

سلطان ٹیپو اپنے دشمنوں کی بربادی کے لئے ہندوؤں کی مذہبی رسومات کی

ادائیگی کی طرف بھی توجہ دیتا ہے جیسے "رتا کنڈی جپا" اور "ساسہرا کنڈی جپیا"

وغیرہ۔ مثلاً اپنے ایک خط مورخہ ۲؍ ۱۲۱۹ھ میں وہ تجویز کرتا ہے کہ غداروں کی تباہی

کے لئے ستا کنڈی جپیا اور "سہسبارا کنڈی جپیا" نامی رسومات کی ادائیگی کی جائے

اور ساتھ ہی سوامی سے گذارش کرتا ہے کہ ان رسومات کی ادائیگی خاص طور پر

انجام دیں تاکہ دشمن کے تینوں گروہ انگریز۔ مرہٹے اور نظام نیست ونابود ہوجائیں۔

اخراجات کا تخمینہ فوری بھیجدیا جائے تاکہ رسومات کی ادائے گی میں کوئی رکاوٹ

باقی نہ رہے۔ اس خط کا کاتب "ہوزر" منشی نرسیا تھا۔ سرین گری "گرو" حکم سلطانی پر

عمل درآمد کرتا رہا ہے۔ اس کے ثبوت میں ۱۲۱۹ھ مولودی سال مطابق ۱۷۹۱ء کے

خطوط پیش کئے جاسکتے ہیں اور اسی سال کے نوشتہ اور چار خط بھی اس بیان کی تائید

میں اور موجود ہیں۔ محولہ دو خطوط میں ٹیپو سلطان رسومات کی ادائیگی کے لئے

اخراجات کے تخمینہ کی وصول یابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور سوامی کے فیصلہ پر اجنبی ——

دشمنوں کی تباہی اور ملک کی بہبودی کے لئے رسومات کی ادائیگی پر خوشنودی کا اظہار

کرتا ہے۔

پھر چند ملازمین کو فوری طور پر سرین گری پہنچنے کے احکام دے دیئے گئے ہیں۔

ان کا کام تمام اسباب کا فراہم کرنا اور سرین گری متھ کے سوامی کے حضور پیش کرتا تھا تاکہ

سوامی حسب دستور مروجہ رسومات کی ادائیگی کرسکیں۔ برہمنوں کو دیئے جانے کے

لئے تحفے تحائف بھی بھیجے گئے اور یہ تاکید تھی کہ ایک ہزار برہمنوں کو ہر روز کھانا کھلایا

جائے۔ ایک دوسرے خط میں جو اسی سال یعنی ۱۷۹۱ء کا ہے اس میں بھی سلطان ٹیپو

سوامی سے بعض مراسم کی ادائیگی کی درخواست کرتا ہے۔

ایک دوسرے خط میں جو ۱۷۹۱ء کا لکھا ہوا ہے سلطان ٹیپو، سوامی سے گذارش کرتا ہے کہ وہ خدا سے دشمنوں کی تباہی اور ملک کی بھلائی کے لئے دعا کریں۔ اس بات کی اور زیادہ وضاحت ۱۲۱۸ مولودی مطابق ۱۷۹۱ء کے ایک خط میں بھی موجود ہے جس کا مخاطب سرینگری مٹھ کا سوامی ہے۔

خط کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں جو ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں۔ آپ کی ذات تقدس مآب اور تارک الدنیا ہے اس لئے یہ آپ کا اور مندر والے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کے لئے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش وخرم رہے۔ اور آپ ہمیں اپنی خیر وبرکت سے نوازیئے"

ایک اور خط جو ۱۲۱۹ مولودی مطابق ۱۷۹۱ء کا ہے اس میں بھی سلطان ملتجی ہے کہ وہ ملک کی عام بھلائی اور دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا گو رہیں۔ بقول ڈاکٹر بی۔ اے سالیتور "

" ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کوئی شہنشاہ ایسا نہیں گذرا جس نے اپنے اور اپنی رعایا کے مفاد کو ایک جانا ہو، جیسے سلطان ٹیپو نے سمجھا تھا اور اس کے سارے خطوط جو سرینگری گرو کے نام بھیجے گئے ہیں وہ بھی انہیں جذبات کے آئینہ دار ہیں"۔

ٹیپو سلطان کے کردار کا یہ رخ خاص طور سے قابل تعریف ہے کہ جب سرینگری مٹھ کے اطراف وجوانب میں۔ جب مرہٹوں نے ہولناک تباہی پھیلائی تو اس وقت ہم سلطان ٹیپو کو ہندو دھرم کے زبردست پشت پناہ اور محافظ کی حیثیت سے پیش پیش پاتے ہیں۔

اس نے اس زمانے میں ہندوؤں کے تعلیمی اور روحانی مراکز کے تحفظ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ یہ وہ سرگرمیاں ہیں جس میں ہم مرہٹہ سپہ سالار پر   کو خوفناک تباہیوں میں سرگرم عمل پاتے ہیں۔ جو ٹیپو کی سلطنت کے مغربی علاقوں کو ہڑپ کرنے کے لئے انگریزوں سے ساز باز کر رہا ہے۔ یہ واقعات ۲-۱۷۹۱ء کے ہیں۔

جون ۱۷۹۱ء میں مرہٹہ جرنل پراسور مبھاؤ نے چیتل درگ کی طرف پیش قدمی کی۔ مگر اس کو فتح نصیب نہ ہو سکی۔ اس نے اطراف کے علاقہ کو تاراج کر دیا۔ اور اس سال ماہ دسمبر میں "شی موگا" پر حملہ آور ہوا۔ اور مہم میں کامیاب ہوا! ور مہم میں کامیاب رہا۔ وہ "شی موگا" کے وسط تک قابض رہا اور پھر اس کے بعد بدنور کی طرف اس کے قدم بڑھنے لگے۔ اس زمانہ میں اس نے اپنا دستِ تعاون لارڈ کارنواس کی طرف بھی بڑھایا تھا جو اس وقت سلطان ٹیپو کے مستقر اور پائے تخت سرنگا پٹم کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

ہمیں فی الحال مرہٹہ جرنل پاراسوا مبھاؤ کی ان سرگرمیوں کا ذکر کرنا ہے جو خاص طور پر ہندوؤں کے مذہبی معبد سرینگری مٹھ کے خلاف رہیں۔ سلطان ٹیپو نے سرینگری مٹھ پر مرہٹوں کے تسلط کو ختم کر کے ان کے تباہ کن اثرات کو زائل کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کیں اس کا تذکرہ ضروری ہے۔ سلطان کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مرہٹوں سے سرینگری مٹھ کے صدر مقام پر سخت تباہی مچائی تھی۔

جرنل پراسورامبھاؤ کی سرکردگی میں مرہٹہ فوجوں نے مٹھ کی عبادت گاہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ دیوی شاردا کی مورتی کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور مٹھ کی دولت کو جو ساٹھ لاکھ روپے سے کم نہ تھی خوب جی بھر کر لوٹا۔

خط کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔ یہ خطوط ماہ ساری سال مولودی ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۷۹۱ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "مرہٹہ سوار فوجوں نے سرینگری مٹھ کو خوب تاخت و

تاراج کیا۔ لاتعداد افراد اور برہمنوں کو قتل اور بری طرح زخمی کیا۔ دیوی شاردا کی مورتی کو اکھاڑ پھینکا۔ اور جو کچھ مٹھ کی دولت میں سے ہاتھ لگا اپنے ساتھ اٹھا لے گئے۔ اور سوامی جی نتیجتاً مٹھ کو چھوڑ کر چلے گئے اور اب وہ اپنے چار چیلوں کے ساتھ کارکالا (جنوبی کرناٹک ضلع مدراس) میں قیام پذیر ہیں اور انہوں نے ہی سلطان ٹیپو کو ان سب تفصیلات سے آگاہ کیا اور سلطان سے گذارش کی کہ بغیر حکومت کی مدد کے دیوی شاردا کی مورتی کی دوبارہ تنصیب ناممکن ہے۔

اس عرض داشت کے جواب میں سلطان ٹیپو نے جو خط لکھا وہ یہ ہے۔

"جس کسی نے بھی اس مقدس مقام کی بے آبروئی کی ہے یقین ہے کہ وہ اپنے کیفر کردار کو بہت جلد پہنچے گا"

سلطان کی طرف سے ناگر کے آصف کے نام ایک حکم منسلک ہے کہ وہ ۲۰۰ راحتی نقد دے اور ۲۰۰ راحتی (سلطانی اشرفی) کی مالیت کے اجناس حکومت کے حساب میں روانہ کرے تاکہ دیوی شاردا کی تقدیس اور پرتشٹھا عمل میں آوے اگر روپئے کے عوض اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی مہیا کرے۔

سوامی سے درخواست کی ہے کہ

"دیوی شاردا کی تقدیس اور برہمنوں کے بھوجن کے بعد خدا سے دعا کیجئے کہ وہ ہماری خوش حالی میں اضافہ کرے اور دشمنوں پر فتح نصیب ہو"

ایک دوسرے خط میں جو ماہ جعفری ۱۷۹۱ء کا لکھا ہوا ہے ٹیپو سلطان کنایتاً مرہٹوں کی تباہی کا ذکر سوامی سے کرتا ہے۔

"ہم ایک ہاتھی آپ کی خدمت میں روانہ کر رہے ہیں۔ خدا کی مہربانی سے بدکار بہت جلد تباہ ہو جائیں گے جنہوں نے دیوی اور گرو کو تکلیف دی ہے۔ اور ملک کو تاراج کیا ہے۔ وہ خدا کے عذاب

کے ہاتھوں بہت تباہ ہوں گے جنہوں نے آپ کے مال اسباب، ہاتھی
گھوڑے، پالکی وغیرہ کو لوٹا ہے۔ نرسما شاستری کے ہاتھوں مقدس
دیوی کے لئے کپڑے روانہ ہیں۔ دیوی کی پرستش میں جلدی کیجئے خدا
سے ہماری بھلائی اور دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا فرمائیے۔"

ٹیپو سلطان اپنے ایک اور خط میں جو ۱۷۹۱ء ہی کا ہے سوامی کو لکھا ہے کہ وہ مرہٹہ جرنل پراسور بھاؤ کے نام ایک حکم جاری کریں اور اپنی اشیاء کی بازیافت کا مطالبہ کریں جن کی لاگت کم سے کم ۶۰ لاکھ ہے۔ سلطان ٹیپو سوامی سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ "شتایا سراکنڈی جپا" کی رسم حسب سابق انجام دیں جو ۴۸ دن تک تک رہتی ہے۔ اور اسی خط میں سوامی کو اس بات کی اطلاع دیتے ہیں کہ ناگر سے ایک پالکی دیوی کے لئے اور دوسری پالکی سوامی کے لئے بھیجنے کے احکام دے دیئے گئے ہیں۔ سلطان کا دوسرا خط جو ماد رحمانی ۱۷۹۲ء کا ہے اس میں نرسما شاستری کے انتقال کا ذکر ہے۔ جو مرہٹہ جرنل پراسو ابھاؤ کے تعاقب میں روانہ کیا گیا تھا۔ سوامی سے گذارش کی کہ وہ صبح شام اور دوپہر خدا کے حضور میں حکمران کی بھلائی اور ملک کی بہبود کے لئے دعا کریں تاکہ دشمنوں کے تینوں گروہ نیست و نابود ہو جائیں جو اندرون ملک گھس آتے ہیں ایک اور خط میں جو مولودی سال ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۷۹۳ء کا ہے اس میں سلطان نے مرہٹوں کی لوٹ مار سے پیدا ہونے والی صورت حال پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے اس خط میں سوامی کے خط کے وصولی کا ذکر بھی آگیا ہے سوامی نے اپنے روانہ کردہ حکم کے بے اثر ہونے کا ذکر کیا ہے، جو مرہٹہ جرنل کے نام بھیجا گیا تھا۔ سوامی نے اب پونا تک بذات خود جانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اس سلسلے میں سلطان سوامی سے خواہش کرتا ہے کہ وہ ہمارے پائے تخت سرنگاپٹم کو بھی ایک بار اپنے قدوم سے سرفراز کریں۔ تاکہ سوامی کے ساتھ اظہار عقیدت کا نادر موقع مل جائے۔ اور سوامی نان جان گرمعد اور کا بھی معائنہ کرلیں اور بعد اس کے پونا کے سفر پر روانہ ہو جائیں۔"

سرینگری کے گرو کے نام سلطان کے جو خطوط ہیں اس سے ان کے

سیرت کا ایک اور رُخ ہمارے سامنے آتا ہے۔ مٹھ کے گرو کی بھلائی کے لئے بالخصوص اور علم کے فروغ کے لئے بالعموم اس کی بے لاگ اور پُرخلوص جدوجہد دیکھنے میں آتی ہے۔ سوامی کے نام خطوط میں سلطان، سوامی کی تعظیم وتکریم کا بے انتہا خیال رکھتا ہے اور سوامی سے ملک اور مالک کی بھلائی کے دعاؤں کی درخواست کی ہے۔

ایک اور خط جو ماہ ساری سنہ ۱۷۹۱ء لکھا ہوا ہے ٹیپو سلطان تبرکات (پرساد) اور شال کی وصولی کی اطلاع دیتا ہے۔ جو سوامی نے سلطان کے لئے بھیجا تھا۔ سلطان سوامی کے لئے ایک جوڑا شالوں کا اور دیوی کے لئے علاوہ کپڑے کے ایک عدد چولی بھی روانہ کرتا ہے۔ ایک اور خط میں جو عمال کو حکم دیتا ہے کہ وہ مٹھ کے بیوپاریوں کی آمد و رفت پر کوئی روک ٹوک نہ کریں۔ علاوہ ازیں گرو کی جان اور مٹھ کے مال کی حفاظت کے لئے سلطان اپنے دوسرے خط میں جو ماہ ذکاری سنہ ۱۷۹۱ء کا ہے۔ لکھتا ہے کہ سوامی کی حفاظت خاص کے لئے ایک عملدار مامور کر دیا گیا ہے تاکہ وہ وقتاً فوقتاً دیکھتا رہے کہ کہیں کوئی شرپسند شخص فتنہ اور فساد کا باعث باعث تو نہیں ہو رہا ہے اور عملدار کی مدد کے لئے کچھ سپاہی بھی روانہ کر دیئے گئے۔ سلطان کا ایک حکم جو ماہ حیدری سنہ ۱۷۹۲ء کا ہے اس میں عمال سلطنت کو کو اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سوامی کا استقبال پورے تزک و احتشام سے کریں اور اس کی ساری ضروریات کی دیکھ بھال انتہائی توجہ سے کریں۔ ایک خط جو ماہ دینی سنہ ۱۷۹۳ء کا لکھا ہوا ہے اس میں سلطان نے سوامی سے اُن کے مقام سکونت کا پتہ مانگا ہے۔ اس کے بعد ایک اور خط جو ماہ رازی سنہ ۱۷۹۲ء کا ہے اس میں سلطان نے سوامی کو بڑی تعظیم وتکریم سے خطاب کیا ہے۔

سوامی کے خط کے جواب میں سلطان ٹیپو نے لکھا ہے۔

"آپ جگت گرو اور صاحب ادراک ہیں کل جہان کی بہتری اور خوشحالی کے لئے پراشچت (کفارہ) اپنی ذات کا دیتے رہے ہیں تاکہ ملک خوش حال اور لوگ فارغ البال ہوں۔ خدا سے دعا

کیجئے کہ ہماری خوشحالی میں اضافہ ہو۔ چاہے دنیا کا کوئی ملک
کیوں نہ ہو، جہاں کہیں آپ جیسی بابرکات ہستیاں ایسی ہیں
وہ ملک دھن دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ آپ ہم سے
اس قدر دور ایک غیر ملک میں کیوں اقامت گزیں ہیں۔ خدارا
اپنا کام جلد نپٹا کر چلے آیئے!"

ایک اور خط جو ماہ ربانی ۱۷۹۳ء کا نوشتہ ہے اس میں سلطان سوامی کو اطلاع دی گئی ہے کہ "سرینگری مٹھ میں دلیتا ؤں کے تیوہار آپ کے مجوزہ منصوبہ کے مطابق انجام دیئے گئے۔ اور ناگر کے آصف کو بھوجن پر رکھا گیا تاکہ زائرین خوب جی بھر کر کھائیں۔ اور سوامی سے آخر میں خواہش کی جاتی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنی خیریت کی اطلاع بھیجتے رہیں۔ سوامی سچدانند بھارتی کی ذات سے سلطان ٹیپو کو جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا ثبوت ہمیں مزید تین اور خطوط سے بھی ملتا ہے۔ ان میں سے پہلا خط جو ماہ احمدی ۱۲۲۲ھ سال مولودی مطابق ۱۷۹۴ء کا ہے اس میں سلطان ٹیپو سوامی کے خط کے وصولی کی اطلاع دیتا ہے جس میں سوامی کی روانگی کا ذکر تھا کہ وہ چاند کی پانچ تاریخ کو روانہ ہوں گے۔ سلطان خواہش کرتا ہے کہ سوامی اپنے ساتھ نارائن بھاٹ کو بھی لائیں۔ ماہ رازی ۱۷۹۵ء کے ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ سوامی کی صحت خراب ہو گئی ہے اور اس سے سلطان کو بے حد تردد ہوا۔ وہ خدا سے سوامی کی صحت یابی کی دعا کرتا ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ سوامی کے واپسی کے لئے فوراً راہ داری بھیجدی جائے۔ ایک اور خط جو ماہ جعفری ۱۲۲۴ھ مولودی مطابق ۱۷۹۶ء کا ہے اس میں سلطان سوامی سے خواہش کرتا ہے کہ وہ مقامات کی زیارت کے وقت بادشاہ کی بھلائی کے لئے دعا کرنا نہ بھولیں۔

اس سرزمین کی ذہنی بیداری میں سلطان نے جو غیر معمولی دلچسپی لی اس کا ثبوت ہمیں ایک اور خط سے بھی ملتا ہے۔ جو سوامی کے نام ماہ نازی ۱۲۲۵ھ مولودی مطابق ۱۷۹۸ء کو بھیجا گیا تھا۔ سلطان "کلیو کتا" سال کی جنتری جو حکومت کی نگرانی

بن نیار کی گئی تھی سوامی کے پاس بھیجتا ہے اور اُن سے اپنے استعمال میں رکھنے کی گذارش کرتا ہے اور ساتھ ہی دعائے خیر و برکت بھی طلب کرتا ہے سلطان، سوامی سے ذاتی طور پر ملاقات کرنے کے بے حد خواہش مند تھا۔ اسی لئے مولودی ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۷۹۶ء کے ماہ دئی کو یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ راہ داری سوامی کے لئے بھیجری جائے۔ اور سوامی کو آنے کی دعوت بھی دی گئی تھی۔

اوپر دیئے ہوئے ان گنت خطوط کے لاتعداد اقتباسات اس بات کا ثبوت ہیں کہ سلطان ٹیپو باوجود اپنی کوتاہیوں اور انسانی کمزوریوں کے، ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے ایک بڑے مقدس مرکز کا سرپرست اور محافظ تھا۔ چاہے وہ عالم امن ہو یا عالم جنگ اس کی دلچسپی اور سرپرستی ہمیشہ قائم رہی۔ اس نے ملکی مفاد اور رعایا کی دلچسپی کو ہمیشہ حتیٰ کہ عبادت اور ریاضت کے معاملہ اپنی ذات پر ترجیح دی۔

ان تمام فرامین اور خطوط سے ہمیں معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان نے میسور کے سب سے بڑے مرکز اور خاص مٹھ اور پجاری کے ساتھ کیا مراعات کیں اور کسطرح اس کی پرورش اور حفاظت کے فرائض انجام دیئے اب ہم ہندو مذہب کی خدمات کے سلسلے میں چند دیگر امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔

شہر میسور کے سری پرکالا مٹھ میں ایک سند محفوظ ہے جو کنڑی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس سے ٹیپو سلطان کے ان اصلاحات کا پتہ چلتا ہے جو اس نے بحیثیت قانون ساز کے ہندوؤں کے مذہبی امور میں انجام دی تھیں۔ ٹیپو سلطان علاوہ فارسی اور اردو کے کنڑی زبان سے بھی بخوبی واقف تھا اور بڑی روانی سے بات چیت کیا کرتا تھا۔ یہ سند، پایۂ تخت میسور کے شاہی مندر کے "منتظم" کیپا" کے نام لکھی گئی ہے سند پر شاہی مہر ثبت ہے، فارسی رسم الخط میں ٹیپو سلطان کا نام اور تاریخ درج ہیں۔ (تاریخ ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۷۲-۳ء ہے)

اس سند میں جو حکم موجود ہے اس کا تعلق خاص قسم کے دعائیہ بھجنوں

سے ہے جو اس زمانہ میں میل کوٹ کے ذیول میں پڑھے جاتے تھے یہ مندر ریاست میسور میں دریائے کلیآنی کے کنارے واقع ہے۔ اس حکم کا موضوع بحث یہ ہے۔

"مابدولت کے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ ایک شاہی عملدار آبنسے سوامی نے قدیم دستور کی خلاف ورزی کی ہے جو قدیم زمانے سے اس میل کوٹ کے مندر میں رائج تھا۔ یہ خلاف ورزی دعائیہ بھجنوں کے گانے سے متعلق ہے۔ اب مابدولت حکم دیتے ہیں کہ دعائیہ بھجن گانے کے دونوں طریقے اسی طرح جاری رہیں گے جیسے قدیم زمانہ سے گائے جاتے رہے ہیں جن کا آغاز "رامانوجادیا پترا" اور "سری سائی لادیاپترا" سے ہوتا ہے۔ مزید برآں حکم دیا جاتا ہے کہ شاہی منادر کا منتظم "کپیا" دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کرا دے "وادا گائی" اور "تن گائی" دو فرقے ہیں۔ جو قدیم العہد سے اس مندر کے پجاری ہیں۔ جو فرقے زمانہ دراز سے بھجنوں کو دونوں طرح سے گاتے اور الاپتے رہے ہیں۔ لہٰذا وہ حسب دستور قدیم جاری رکھیں۔ شاہی عہدہ دار "کپیا" کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ "پلا لوکاکر" کے اوتار کو اس مقام سے ہٹا دے جہاں اس کو حال میں قدیم جگہ سے لاکر بٹھا دیا گیا ہے یہ "تن کلائی" فرقہ کا اوتار ہے "کپیا" کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ قدیم دستور کے مطابق دیوتا "ترونا کاسترا" کو جلوس کی شکل میں نکالے۔ یہ جلوس مختلف پنڈالوں سے گذرتا ہوا "کیبوا سوامی" کے منڈپ تک جائے۔ جہاں حسب دستور قدیم بھینٹ چڑھا دے۔ تیرتھ جل وغیرہ تقسیم کر دیا جائے جو دیوتا کے

حضور میں عقیدت مند پیش کرتے ہیں۔ غرض سارے امور کی
بجاآوری نہایت تزک واحتشام اور رواج قدیم کے مطابق
ہو۔"

اس حکم کی ایک نقل صدر محاسب ریاست کے محاسب ریاست کے پاس مسل بند کرنے کے لئے بھیجدی گئی۔ اور اصل کو مندر میں محفوظ طور پر رکھ دیا گیا۔

ٹیپو سلطان کا قصد اس حکم کے ذریعہ سے گذشتہ زمانے میں جاری کردہ حکم کی تنسیخ کرنا تھا۔ "راجہ کانٹی رائے نرسیا اور دے بار نے دعائیہ بھجنوں کے گانے سے متعلق ایک خاص فرقہ کو مزید مراعات دے رکھی تھیں۔ اس مٹھ میں کانتی رائے نرسیا راجہ اودے بار کی سند اب تک محفوظ ہے۔ جو سنہ عیسوی کے مطابق ۲۴ر جون ۱۷۰۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ اس سند میں صرف "ذواگی" یا "وداگالی" فرقہ کو زیادہ مراعات دیئے تھے۔ انھیں میل کوٹ کے مندر میں "راما نوجا دیا پترا" نامی نامی دعائیہ بھجن گانے کے علاوہ تامل بھجن جو "پربھو داس" کہلائے تھے، الاپنے اور گانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے برخلاف تازہ سند کے ذریعہ سے سلطان ٹیپو نے مندر کی پوجا کرنے والے دونوں فرقوں کے لئے دعائیہ بھجن گانے کی رعایت یکساں کردی۔ مہاراجہ کا معتوب فرقہ "تن کالی" یا "تن گالی" فرقہ تھا۔

اس موقع پر خالصتاً مذہبی امور سے متعلق ٹیپو سلطان کے جاری کردہ اس حکم کے بارے میں قدرے تامل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ سب سے پہلی بات جو قابل غور ہے وہ سند کی زبان ہے۔ یہ حکم اور علاوہ دیگر احکامات کے جو اس مضمون میں جابجا پیش کئے جائیں گے سب کے سب سلطنت کی عوامی زبان کنٹری میں جاری کئے گئے تھے۔

ٹیپو سلطان کی یہ دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی رعایا کی رضاجوئی کا خاص طور پر خیال رکھے یہ سند سے خاص بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ سابق مہاراجہ کے جاری کردہ غیر منصفانہ حکم منسوخ ہوگئے اس سند کے آخری فقرے میں روزانہ کی پوجا پاٹ

کی تفصیلات کا بھی ذکر آگیا ہے جو اس زمانے میں مملکت کے دو مختلف گروہوں میں مروج تھے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سلطان ٹیپو مندروں کی پوجا پاٹ کی تفصیلات سے بھی واقف تھا اور ان نازک اختلافی مسائل پر بھی اس کی نظر تھی جو مدت سے اس مندر کی پوجا پاٹ کرنے والے دونوں فرقوں کے درمیان پائے جاتے تھے۔

(ب) مندروں کے نام تحفے تحائف: اب ہم اپنے موضوع کی دوسری شق کی طرف رجوع کرتے ہیں، ٹیپو سلطان کی مملکت کے چار مختلف حصوں میں چار جدا قسم کے مندر موجود تھے۔ ان کے وظائف اور تحائف بھی جدا کئے۔ رنگا ناتھ کا مندر، سرنگا پٹم ہیں، نرسما کا مندر میل کوٹے میں نارائن سوامی کا مندر میل کوٹ تعلقہ سری رنگا پٹم میں اور لکشمی کانتا کا دیول کلالی تعلقہ نان جان گڑھ میں واقع تھا۔ مشہور رنگا ناتھ مندر جو سری رنگا پٹم میں واقع ہے ٹیپو سلطان کی جانب سے، سات عدد چاندی کے پیالے اور سات عدد کا خوزدان بھیجے گئے اس کا ثبوت پیالوں پر منقوش عبارت سے ملتا ہے۔

ٹیپو سلطان نے نقارہ بھیجا تھا اس پر کندہ فارسی عبارت یہ ہے۔

" باکرار۔ قطعہ دوئم نقارۂ ظفر اثر علی حسن اہتمام سرکار حیدری سال بنا ۱۲۱۵ھ (مولودی) محمد وزن خام ہفت رطل سی و ہفت نیم دانگ"

لیکن میل کوٹ کی مروجہ روایت سے یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ نقارہ سلطان ٹیپو ہی کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔

لکشمی کانتا کے مندر واقع کالالی کے نام بادشاہ کی جانب سے جو تحفے بھیجے گئے تھے ان میں سے چار چاندی کے پیالے اور ایک نقرئی گلدان ہیں۔ نارائن سوامی کے مندر واقع میل کوٹے کے پاس صرف ایک چاندی کا گلدان بھیجا گیا۔

"سری کانتیں ورا" مندر واقع نان جان گڑھ کے لئے جواہرات سے مزین جو چاندی کا پیالہ بھیجا گیا۔ ان تحائف پر جو عبارت منقوش ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری اشیائے ٹیپو سلطان "پاشا" کی طرف سے مختلف مندروں کے نام بھیجی گئی تھیں۔ اور اس نے اپنے والد نواب حیدر علی کی روایت کو جاری رکھا۔

گوپال کرشنا کے مندر واقع ذلیو نایالی میں جو چاندی کا پیالہ ہے اس پر کندہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیالہ نواب حیدر علی خان بہادر کا گذرانا ہوا تھا یہ عبارت ۱۷۶۱ء کی لکھی ہوئی ہے۔

ٹیپو سلطان کی پیروی میں دوسرے مسلمان شاہی عمال بھی منادر کے نام تحائف بھیجنے لگے مثلاً ٹیپو سلطان کے عملدار "جعفر خان لوہانی" نے بھی دو گھنٹیاں سدھا لنگیشور کے مندر کے نام بھیجے تھے جو ادیور تعلقہ کنی گال میں واقع ہے۔ منقوش عبارت سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔

مسلم عملدار کی جانب سے بھیجی ہوئی دو گھنٹیاں دیوتا سدھا لنگیشور کے لئے بھیجے گئیں۔

مُسلم ضیائی

ٹیپو سُلطان کی ناکامی کے اسباب

اورنگ زیب کے بڑھاپے نے سلطنت مغلیہ کو بوڑھا کر دیا۔ اس کے جانشین محمد معظم بہادر شاہ کو پینسٹھ سال کی عمر میں بزرگوں کی روایت کے مطابق بھائیوں سے لڑنے اور ان کا خاتمہ کرنے کے بعد تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا۔ پیری اور صد عیب والی مثل پوری ہوئی۔ مغل سلطنت کو مرہٹے، راجپوت اور سکھ بڑھاپے کی بیماریوں کے مانند لپٹ گئے، ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا، پیر لڑکھڑانے لگے، سماعت جواب دینے لگی، آنکھوں نے سامنے کی چیزوں کو بھی دیکھنے سے انکار کر دیا۔ دماغ ماؤف ہو گیا۔ دوست منہ پھیرنے اور دشمن آنکھیں دکھانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغل سلطنت کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں چاروں طرف انتشار اور افراتفری کا دور دورہ ہوا۔ صوبیدار خود مختار ہونے لگے۔ دلّی کے شہنشاہ شطرنج کے بادشاہ بن گئے اور پھر بقول غالب " دلّی میں ہر اک ناچیز نوابی کرنے لگا"۔ لیکن یہ "نوابی" صرف دلی ہی تک محدود رہتی تو شاید اتنی بڑی تباہی نہ آتی وہ تو سارے ہندوستان میں وبا کی طرح پھیل گئی یہاں تک کہ نواب سراج الدولہ کے

بعد کلایو جیسے اٹھائی گیرے بھی 'نواب' کہلانے لگے۔

دلی کی محلاتی سازشوں، ایرانی و تورانی امراء کے درمیان اقتدار کے لئے کشمکش اور ملکی سیاست میں انتشار سے پریشان ہوکر، بوڑھے لیکن زیرک نظام الملک آصف جاہ کو دکن کی صوبیداری میں اقتدار ہی نہیں عافیت بھی نظر آئی جہاں وہ دلی کے خرخشوں سے دور امن و اطمینان کے ساتھ نہ صرف زندگی بسر کرسکتا تھا بلکہ حکومت بھی کرسکتا تھا، چنانچہ اس نے دکن کی طرف رخ کیا۔ یہاں اسے مرہٹوں سے مقابلہ کرنا تھا جنہیں اورنگ زیب کی زندگی ہی میں لوٹ مار کی چاٹ پڑ گئی تھی اور جہاں انہوں نے چوتھ وغیرہ وصول کرنے کے "حقوق" بھی حاصل کرلئے تھے اور اپنی حکومت قائم کرلینے کے باوجود ادھر ادھر چھاپے مارتے رہتے اور بنئے کے سود کی طرح چوتھ نعل بندی، سروس ٹکس اور ایسے ہی دوسرے "جرمانے" وصول کرتے رہتے تھے۔

اٹھارویں صدی کے ابتدائی دہے میں پرتگیزوں اور ولندیزوں کا زوال ہو چکا تھا۔ ان کے بجائے یورپ کی دوسری دو قوموں یعنی انگریزوں اور فرانسیسیوں کی تجارت اور اس کے ساتھ کشمکش میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ۱۷۳۲ء میں نواب سعادت اللہ خاں، نواب کرناٹک کے مرنے پر دلی کے مانند وہاں بھی اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوئی۔ سازشوں کا بازار گرم ہوا۔ دعویداران حکومت زہر اور تلوار سے مارے جانے لگے۔ حکومت کا انتظام ابتر ہوگیا۔ تنگ آکر نظام الملک صوبیدار دکن نے انورالدین خاں کو کرناٹک کا نواب مقرر کیا۔ اس طرح اگرچہ نائطہ خاندان کی حکومت ختم ہوگئی لیکن فساد پھر بھی ختم نہ ہوسکا۔

اسی اثناء میں نواب نظام الملک آصف جاہ چین قلیچ خاں کا انتقال (۱۷۴۸ء) اور اس کے ساتھ ہی دکن میں رہے سہے مغل اقتدار کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بیٹے ناصر جنگ اور نواسے مظفر جنگ کے درمیان دکن کی صوبیداری کے لئے خانہ جنگی شروع ہوگئی، اس جنگ میں انورالدین خاں نواب ناصر جنگ کے ساتھ تھا اور نائطہ خاندان

کا چندا صاحب مظفر جنگ کے ساتھ۔

اس خانہ جنگی نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک زریں موقع فراہم کر دیا چنانچہ انگریز ناصر جنگ اور انورالدین خاں کے ساتھ ہو گئے تو فرانسیسیوں نے مظفر جنگ اور چندا صاحب کا ساتھ دیا۔ اسی ہنگامہ کے دوران انگریز شاطروں نے دکن میں قدم جمانے کے لئے انورالدین خان سے مدراس کے قریب میلاپور کا علاقہ بطور جاگیر حاصل کر لیا۔ امبور کی جنگ میں مظفر جنگ اور فرانسیسیوں کی فتح ہوئی اور انورالدین خاں مارا گیا۔ اس جنگ نے فرانسیسی اسلحہ اور فوجی تنظیم کی برتری ثابت کر دی کیوں کہ ان کی چھوٹی سی لیکن منظم فوج اور توپخانہ نے ناصر جنگ کی کثیر لیکن بے قاعدہ فوج کو بری طرح شکست دی تھی لیکن یکایک حالات نے پلٹا کھایا۔ ماموں بھانجے یعنی ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں صلح ہو گئی اور قریب تھا کہ کرناٹک میں امن قائم ہو جائے یکایک فرانسیسیوں کے ایما ء سے کیوں کہ ناصر جنگ فرانسیسیوں کے خلاف تھا۔ کرڈپہ کے پٹھان نواب نے دھوکے سے ناصر جنگ کو قتل کر ڈالا (۱۷۵۰ء) جس کے باعث جنگ کے شعلے پھر بھڑک اٹھے۔ انگریزوں نے انورالدین خاں کے بیٹے محمد علی کا ساتھ دیا جس نے انہیں کرناٹک میں پندرہ علاقے بطور "نذرانہ" پیش کئے اور بعد میں سراج الدولہ کے خلاف انگریزوں کی مدد کے لئے اپنی فوج بھی بنگال روانہ کی۔

برطانوی کمپنی اور انگریزوں کی جانب سے محمد علی کی حمایت گویا صوبیدار دکن کے خلاف، دکن کے سیاسی معاملات میں انگریزوں کی طرف سے پہلی مداخلت تھی جس کے بعد فرانسیسی اور انگریز دونوں قومیں دکن کے خوان یغما پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑیں ان کی تجارتی اور سیاسی رقابت، نیز استعماری مفادات نے وسیع پیمانے پر جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ ان کی فوجیں اور وکیل حیدرآباد بھی پہنچے اور پونا بھی جس کے بعد سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث دکن کا امن وامان ایک طویل مدت کے لئے ختم ہو گیا۔

سراج الدولہ کے خلاف ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ اور انگریزوں کی فتح

نے بنگال میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے لوٹ کھسوٹ کے وسائل بڑھا دیئے۔ ساتھ ہی سراج الدولہ کے بعد، سید برادران کی طرح، میر جعفر اور میر قاسم کو نوابی کی مسند پر بٹھاتے اور اتارتے وقت کمپنی کے افسروں کو "نذرانوں" کی صورت میں حصول زر کا ایک نیا دریچہ بھی معلوم ہوگیا۔ اس طرح اب وہ صرف سوداگر نہیں بلکہ چونکہ "نواب گر" اور ناقہ حکومت کے سلطان بھی بن گئے تھے، اس لئے انہوں نے دکن میں بھی انہی ہتھکنڈوں سے کام لے کر پاؤں پھیلانے شروع کئے۔

مغل سلطنت کے انتشار اور افراتفری، سلطنت کے دست بدست جاتے اور نوابوں کو خاندان بخاندان منتقل ہوتے دیکھ کر صوبہ سرا کا صوبیدار بھی خود مختار بن بیٹھا تو اس کے ماتحت میسور کے ہندو زمیندار نے بھی خود مختاری کا علم بلند کیا اور نواب محمد علی والا جاہ نواب کرناٹک کی مدد کے لئے حیدر علی کے ساتھ ایک چھوٹی سی فوج روانہ کی جس نے میدان جنگ میں فرانسیسی فوجی تنظیم اور جدید یورپین اسلحہ کی برتری کو دیکھا اور ایک دور اندیش سپاہی کی نظر سے دیکھا۔ پھر میسور واپس پہنچکر اپنی چھوٹی سی فوج کو مغربی اصولوں پر منظم کیا۔

اس تنظیم اور کارکردگی کا نتیجہ یہ تھا کہ راجہ میسور کا علاقہ جو اس وقت صرف میسور اور اس کے تینتیس ۳۳ قریوں پر مشتمل تھا ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کے انتقال پر اسی ہزار مربع میل سے زیادہ وسیع علاقے پر پھیل کر سلطنت میسور بن چکا تھا۔

بوڑھے اورنگ زیب کے بوڑھے صوبے دار نظام الملک آصف جاہ کی آنکھ بند ہونے پر خانہ جنگی اور جانشینوں کی نالائقی کے باعث نواب صلابت جنگ (۱۷۵۱ء تا ۱۷۶۱ء) کے زمانے میں دکن کا ایک بڑا علاقہ مرہٹوں کے زیر اقتدار اور زیر اثر آگیا تھا جہاں وہ لوٹ مار کرتے رہتے تھے لیکن اسی اثناء میں ۱۷۶۱ء کی جنگ پانی پت میں مرہٹوں کی شکست عظیم کے باعث پانسہ پلٹ گیا۔ مرہٹوں کی قسمت پر مہر لگ گئی۔ کل ہند مرہٹہ سلطنت کا خواب —ایک خواب فراموش بن گیا اور دکن میں سلطنت میسور کا عروج حیدر علی سے شروع ہوا جو نادر شاہ کی طرح "شمشیر ابن

شمشیر" تھا، جس نے راجہ کے دربار میں اپنے خلاف سازشوں کا پوری طرح مقابلہ کیا اور" ہر طالب فروغ " کے مانند" دور فلک میں ہلال کے اشارے دیکھے[1] تلوار لے کر آگے بڑھا اور دشمنوں کے علی الرغم، راجہ کو گدی سے اتار کر حکومت میسور کی عنانِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی[2]۔

اس طرح دکن میں حیدر آباد (نظام) پونا (پیشوا) مدراس (انگریز) پانڈیچری (فرانسیسی) کے علاوہ ایک اور مرکز سرنگاپٹم (حیدر علی) ابھر آیا اور حصول اقتدار کے لئے پہلے سے زیادہ زور و شور سے کشمکش شروع ہو گئی۔

حیدر علی چونکہ فرانسیسیوں سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ناصر جنگ اور مظفر جنگ کی لڑائی میں فرانسیسیوں کی برتری دیکھ چکا تھا اس لئے اس نے فرانسیسیوں سے دوستی کی اور انہیں اپنی فوج میں بھرتی کیا لیکن " پردیسی پریتم" کسی کے نہیں ہوتے انہیں تو اپنے مطلب سے غرض ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ بدیسی انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دوستی نہ تو میسور کو راس آئی نہ حیدر آباد اور پونا کو۔ بلکہ میسور کی ناکامی اور تباہی کا اگر اصل سبب کسی کو کہا جا سکتا ہے تو وہ نہ تو محمود بنگلوری کے نظریہ کے مطابق صرف " نوائط" تھے[3] اور نہ میسور کے مقامی برہمن بلکہ اس کے فرانسیسی دوست تھے۔

نوائط عہدیدار اور برہمن ملازم صرف ہونا اور موقع پرست تھے اور موقع پرستی ملوکیت، آمریت اور انفرادی اقتدار ان کی گھٹی میں پڑی رہتی ہے، اسی لئے سلطنت میسور کے زوال اور خاتمہ میں اگر میر صادق، میر غلام علی وکیل، علی رضا، بدر الزماں، میر معین الدین میر غلام علی مہکری، سید محمد میر، کشن راؤ، میر ندیم، شام راؤ، تیر مل راؤ اور پورنیا جیسے بے وفاؤں نے حصہ لیا تو یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ یا تو اپنی گردن

[1] تلوار نے کے نکلے ہے ہر طالب فروغ
دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے
(اکبر الہ آبادی)

[2] ٹیپو سلطان: محمود بنگلوری صفحہ ۲۴

سلامت رکھنے کے لئے کیا یا دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے۔ وہ خود غرض بھی تھے اور بیوفا اور موقع پرست بھی۔ لیکن اگر ان کے افعال غداری کہے جا سکتے ہیں تو ۱۷۵۰ء سے ۱۹۴۷ء تک اور خصوصاً ۱۸۵۷ء میں، چند ہی رہنما ایسے نظر آئیں گے جنہوں نے انگریزوں کی ملازمت میں رہ کر ان کی خدمات بھی انجام دی ہوں، خطابات اور مراعات سے بھی مستفیض ہوتے ہوں اور وطن فروشی اور قوم فروشی کے الزام سے بھی بری قرار دیئے جا سکیں ۱؎

بہر حال حیدر علی نے فرانسیسیوں کو اپنا دوست بنایا اور انہیں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے دور میں ہر قسم کی فوجی، مالی اور اخلاقی مدد ملتی رہی لیکن سلطنت میسور کو ان سے کبھی کوئی مدد نہیں ملی یہاں تک کہ حیدر علی کے انتقال پر جب ۱۷۸۲ء میں ٹیپو انگریزوں کو شکست فاش دے چکا تھا، قلعہ بنگلور کے استحکامات تباہ ہو چکے تھے خندقیں بھری جا رہی تھیں، انگریزوں کے چودہ سو سے زیادہ سپاہی مقتول اور زخمی ہو چکے تھے؛ تیس چالیس افسروں کا خاتمہ ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ ٹیپو ایک عظیم الشان فتح حاصل کر کے انگریزوں کی کمر ہمیشہ کے لئے توڑ دے اور ہندستان میں ان کی جوع الارض کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے — عین اس وقت صلحنامہ ورسائی (۹ فروری ۱۷۸۲ء) کی خبر پہنچی اور ساتھ ہی بسی کا موعودہ مدد کے بجائے فرانسیسی افسر کوسنی کو حکم پہنچا کہ جنگ بند کر دی جائے۔ چنانچہ نہ صرف کوسنی نے فرانسیسی فوجیں میدان جنگ سے ہٹا لیں بلکہ لالی اور بودیلو (Boudelot) بھی جو ٹیپو کے اپنے ملازم تھے میدان جنگ سے ہٹ گئے۔

۱؎ ملاحظہ ہو تاریخ عجیب (جعفر تھانیسری) مرتبہ محمد ایوب قادری (ص ۲۱-۲۵ حاشیہ) جس میں ان بڑے بڑے صاحب علم بزرگوں کی فہرست دی گئی ہے جو ۱۸۵۷ء کے قریبی زمانہ میں انگریزی حکومت کے متوسل تھے۔ نیز ان خطابات یا نقول کی طویل فہرست جن سے ان کی خدمات جلیلہ کے لئے خطابات سے نوازا گیا تھا۔
۲؎ محب الحسن ۲، ۳-۲۸

ٹیپو اس حرکت پر بہت غضبناک ہوا۔ اس نے اس حرکت کو پیٹھ میں چھرا مارنا تصور کیا اس نے فرانسیسیوں کو لڑنے پر مجبور کرنا چاہا تو انہوں نے نہ صرف لڑنے سے انکار کیا بلکہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور نہ صرف انگریزوں سے نہیں لڑے بلکہ ہم نسل، ہم مذہب اور ہم رنگ انگریز دشمنوں کے ساتھ شراب و کباب اور رقص و سرود میں مشغول ہو گئے۔

ٹیپو کی امیدوں اور منصوبوں پر پانی پھر گیا۔ انگریز جن کی ہمتیں پست ہو چکی تھیں سنبھل گئے انہوں نے سقوط منگلور سے متعلق لیت و لعل سے کام لینا شروع کیا اور وقت گذاری کرنے لگے اور التوائے جنگ کا معاہدہ ہو جانے پر بھی سلطنت میسور کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں حملے کرتے رہے۔ اگر اس وقت ٹیپو کی فوجی طاقت مضبوط نہ ہوتی تو پانسہ پلٹ جاتا اور شاید اسی وقت ٹیپو سلطان بھی یا تو دوسرا "ہز اگزاسٹلٹڈ ہائینس" بن کر رہ جاتا یا سلطنت میسور ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی۔ لیکن ٹیپو نے آخر کار انگریزوں کو معاہدۂ منگلور پر مجبور کر دیا جو بقول ہیسٹنگز ایک "شرمناک صلح نامہ" تھا (۷ / مارچ ۱۷۸۴ء) اس وقت انگریز اس قدر مجبور ہو چکے تھے کہ ان کے لئے جنگ جاری رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ ٹیپو سلطان ان کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا کیوں کہ نہ صرف اس کے پاس نہایت باقاعدہ اور منظم فوج تھی بلکہ اس کا خزانہ بھی معمور تھا اور خود سلطان بھی اس وقت تک حیدر علی کی روش پر چل رہا تھا اور دوسرے بادشاہوں کے مانند نہ تو ظل اللہ بنا تھا اور نہ ہمہ دان اور عقل کل، جس کے باعث سلطنت کی مشنری اطمینان سے چل رہی تھی۔

حیدر علی کا سارا دور (۱۷۶۱ء تا ۱۷۸۲ء) پیشوا، نظام اور انگریزوں سے جنگ کرتے گذرا۔ اس کی زبردست تنظیمی اور جنگی صلاحیتوں نے نہ صرف میدانِ جنگ میں ان تینوں قوتوں کو شکستیں دیں بلکہ میدانِ سیاست میں بھی۔ اس نے دکن کی ان تینوں قوتوں کو کبھی اپنے خلاف متحد نہ ہونے دیا اور کبھی اسلحہ اور کبھی روپیہ کے ذریعہ دشمنوں کو ہمیشہ سرنگاپٹم سے دور رکھا۔ لیکن چونکہ سلطنت میسور نظام اور پیشوا، فتح کئے ہوئے علاقوں پر قائم ہوئی تھی اس لئے ان علاقوں پر حکومت میسور

کا قبضہ ان کی آنکھوں میں کھٹکتا رہا اور حکومت میسور کے ۱۷۹۹ء میں خاتمہ تک ان دونوں کی یہی کوششیں رہیں کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے کسی طرح دوبارہ حاصل کرلیں۔

۱۷۸۶ء کے بعد ان کوششوں میں اس لئے اور بھی شدت پیدا ہو گئی تھی کہ ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ جمعہ (۱۲ مئی ۱۷۸۶ء) کو ٹیپو سلطان نے کورگ کی مہم سے واپسی پر سب سے پہلی مرتبہ ہندوستان میں مغل بادشاہ کے علی الرغم اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا۔[1]

ان حالات میں انگریزوں نے حیدر آباد اور پونا میں اپنے دو نہایت لائق وکیل بھیج کر میسور کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں اور اسی پر بس نہ کر کے خود میسور کے امرا، عہدیداروں اور صاحب اثر لوگوں سے خفیہ تعلقات پیدا کئے تاکہ گھر کو گھر ہی کے چراغ سے آگ لگا کر تماشہ دیکھا جائے۔

معاہدہ منگلور سے جہاں ایک طرف ٹیپو سلطان کے وقار میں اضافہ ہوا تھا وہیں حیدر آباد[2] اور پونا نے خطرے کو پہلے سے زیادہ شدت سے محسوس کیا کیونکہ انہیں ٹیپو کی جانب سے اس طرف حملے کا اندیشہ تھا۔ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے دونوں حکومتیں سلطنت میسور کے خلاف متحد ہو گئیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس جنگ میں بھی پس پردہ انگریزوں کا ہاتھ تھا لیکن وہ سامنے نہیں آئے۔ ٹیپو نے اس وقت بار بار

[1] "برائے ختنہ کردن مردم کورگ تاریخ سیزدہم ماہ رجب ۱۲۰۰ھ روز جمعہ مقرر کردہ ختنہ شروع کنانیدند۔ خود به مسجد لعل باغ رفتہ آں روز علی رضا خطبہ سلطنت بنام ٹیپو سلطان خوانده سلام نہ مجری آئین بادشاہان مقرر گشتہ و تمامی مردم کورگ را ختنہ کردہ چیلہ ہا ساختند پروانہ حضور را منشور مقرر کرده حکم کردند کہ سر عنوان مناشیر "ظل اللہ الملک المنان ٹیپو سلطان بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ باید نوشت" (بے نام مخطوطہ)

[2] حیدر علی نے نہ صرف صوبیدار دکن نظام علی خاں کو اپنا حاکم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فرانسیسیوں کو توجہ دلائی اور وعدے یاد دلائے لیکن فرانسیسیوں کی طرف سے اغماض برتا گیا اور چونکہ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ نظام اور مرہٹے مل کر ٹیپو کے اقتدار کا خاتمہ کر دیں گے اس لئے انہوں نے مرہٹوں سے ایک خفیہ معاہدہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی بدقسمتی سے پیشوا نے انہیں ٹیپو کا دوست سمجھ کر ان پر اعتبار نہ کیا۔ اس کے باوجود ان کا ایک خاص وکیل موسیو گودار (Gudar) اگست ۱۷۸۶ء میں پونا پہنچا لیکن انگریز وکیل میلٹ (Malet) کی چالیں کامیاب ہوئیں اور فرانسیسی وکیل کو ناکام واپس ہونا پڑا۔

ٹیپو ۱۷۸۳ء میں دہلی میں اپنے وکیل مکند راؤ کے ذریعہ شاہ عالم سے ارکاٹ کی سند اور سات ہزاری منصب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں درباری سازشوں اور انگریزوں کے ہواخواہوں کے باعث ناکام رہا تھا۔ اس لئے ۱۷۸۴ء میں اس نے اپنے وکیل قسطنطنیہ بھیجے تاکہ خلیفہ سے سند حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ وہاں سے حالات موافق ہونے کی اطلاع پاکر اس نے اور آخر ۱۷۸۶ء اور پھر جولائی ۱۷۸۷ء میں دو سفارتیں روانہ کیں۔ ان میں سے پہلی سفارت قسطنطنیہ ہی سے ناکام واپس آئی لیکن دوسری سفارت کو لوئی شانزدہم کے دربار میں حاضر ہونے کا موقع تو ملا مگر زبانی جمع خرچ کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوا اور یہ سفارت بھی ۱۰ اپریل ۱۷۸۹ء کو واپس آگئی۔

لیکن اس کے باوجود ٹیپو مایوس نہ ہوا۔ وہ ہند اور بیرون ہند انگریزوں کو ہندستان سے نکالنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ اس نے مشائخوں، امرا اور حکمرانوں سے مراسلت

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ماننے سے انکار کر دیا تھا بلکہ نظام کے علاقوں مثلاً کرنول، اکثرپہ اور دوسرے مقامات پر قبضہ بھی کر دیا تھا۔ ٹیپو سے نظام کو اور بھی خطرات اور خدشات نظر آئے اس لئے اس نے نانا فرنویس سے اتحاد کر لیا۔

(محب الحسن ۔ ۹۲ب)

کی لیکن کسی گوشہ سے مدد نہ ملی۔ ہندستان میں انگریزوں کے سب سے بڑے تجارتی اور سیاسی رقیب فرانسیسی تھے۔ ٹیپو نے عین میدان جنگ میں ان کی غداری کے باوجود ان سے امید باندھے رکھی۔ حیدر اور ٹیپو دونوں حکمرانوں نے انہیں مختلف اوقات میں فوجی، مالی اور اخلاقی مدد دی اور ہر قسم کی مراعات برتی تھیں لیکن ان بدیسی تاجروں کے سامنے دوستی اور احسانمندی کے کوئی معنی نہ تھے۔ ان کے سامنے ہر وقت ذاتی مفاد رہتا تھا اور انگریزوں کی طرح وہ بھی دیسی حکمرانوں کی ایمانداری اور فیاضی کو ان کی سادہ لوحی اور حماقت پر محمول کرتے تھے چنانچہ شمالی ملیبار میں گرم مسالہ اور چاول کی تجارت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے ملیباری سرداروں سے ٹیپو کے خلاف (۱۷۸۴ء) سازشیں کیں اور بغاوت کی آگ بھڑکائی حالانکہ یہ ملیباری سردار ٹیپو کے باجگذار تھے اور ٹیپو کو خود بھی مغربی ساحل پر گرم مسالہ کی تجارت سے دلچسپی تھی۔ ٹیپو نے لالی کے ذریعہ یہ معلوم کرنا چاہا کہ انگریز وکیل پونا اور حیدرآباد میں اس کے خلاف کیا سازشیں کر رہے ہیں (یکم نومبر ۱۷۸۸ء) ساتھ ہی اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کی ایک تجویز بھی پیش کی لیکن فرانسیسیوں نے صرف اتحاد سے انکار کیا بلکہ کسی قسم کی اطلاعات بھی فراہم نہ کیں۔ اس کے بجائے اکتوبر ۱۷۸۸ء میں انہوں نے ایک تجارتی عہدنامہ کرنا چاہا جس میں وہ ٹیپو کے علاقہ میں گرم مسالے، چاول، صندل، روئی اور تانبے کیلئے تجارتی مراعات چاہتے تھے۔ ساتھ ہی انہوں نے سلطنت میسور کے ساحل پر فیکٹریاں قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ لیکن سلطان کو تجارتی کے بجائے مدافعانہ اور جارحانہ معاہدے کی ضرورت تھی اس لئے اگرچہ اس نے اس قسم کا تجارتی معاہدہ کرنے سے تو انکار کر دیا پھر بھی مستقبل کی امید پر منگلور سے کالی مرچ اور گیہوں برآمد کرنے کی اجازت دے دی۔

دسمبر ۱۷۸۹ء میں دیوار تراونکور کے قریب کوئی شاتز دہم کے بھیجے ہوئے تحفے میکنا مارا کے ذریعہ ٹیپو سلطان کو وصول ہوئے۔ ٹیپو نے پانڈیچری سے فرانسیسی فوج ہٹا لینے کی غلط کارروائی کے بارے میں لکھا کہ اس سے ہمارے مشترک دشمنوں یعنی انگریزوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ساتھ ہی اس نے دو ہزار فرانسیسی سپاہی بھی طلب کئے اور ان کے اخراجات دینے کا وعدہ کیا لیکن یہ کوشش بھی رائگاں ہوئی۔ اس نے پانڈیچری کے فرانسیسی گورنر سے مدد

مانگی لیکن بے فائدہ اور نظام انگریز وکیلوں میلٹ (پونا) اور کنوے (حیدر آباد) کی کوشش سے ٹیپو کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔ انہوں نے پونا اور حیدر آباد کے درباروں میں سازشوں کا ایک وسیع جال پھیلایا جس میں درباری موقع پرست امراء بری طرح پھنس گئے اور اتحادیوں نے میسور پر حملہ بول دیا۔

اس وقت فرانسیسیوں نے ٹیپو کے خلاف جوان کا محسن تھا سب سے بڑی غداری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ ایک بار شکست کھا کر واپس جانے کے بعد جب کارنوالس نے اتحادیوں کی حمایت پر دوبارہ سرنگا پٹم کا محاصرہ کیا تو ٹیپو کے (۵۷) یورپین ملازم جن میں اکثریت فرانسیسیوں کی تھی ٹیپو کے دشمنوں یعنی انگریزوں اور مرہٹوں سے جا ملے۔ ان میں بڈھا فرانسیسی انجینیر نمک حرام موسیو بلوے (Believe He) بھی تھا اور فرانسیسی ترجمان بعد لو بھی جو ایک مدت سے حیدر علی اور ٹیپو کا نمک کھا رہا تھا۔ اسی موسیو بلوے اور کرنل راس نے حملہ آوروں کو مشورہ دیا کہ دریا پار کر کے شمال سے سرنگا پٹم پر حملہ کیا جائے کیونکہ اس طرف فصیل زیادہ مستحکم نہ تھی اور دریا بھی نسبتاً کم گہرا تھا۔

ان بدیسی غداروں کی اس عظیم غداری نے ٹیپو کی کمر توڑ دی اور اسے مجبور ہو کر ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء کو اتحادیوں سے وہ معاہدہ کرنا پڑا جس کی بنا پر

۱۔ اسے اپنی نصف سلطنت سے زیادہ علاقہ اتحادیوں کی مرضی کے مطابق ان کے حوالے کرنا پڑا۔ جس کے باعث چوتھی جنگ میسور میں انگریز فوجیں بآسانی سرنگا پٹم پہنچ گئیں۔

۲۔ تین کروڑ روپیہ بطور تاوان اور اخراجات دربار دیا جس کے باعث مالی توازن درہم برہم ہو گیا

۳۔ دو بیٹے بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے۔

۴۔ کارنوالس نے معاہدے کے خلاف دھاندلی کر کے کورگ کا علاقہ بھی ہتھیا لیا۔ یہ سرنگا پٹم کا دروازہ تھا۔ یہی نہیں کارنوالس نے مفوضہ علاقوں کی آمدنی کم بتا کر مزید علاقے بھی حاصل کر لئے اور میسور کے قیدی بھی واپس نہ کئے۔

اس شکست اور معاہدے نے ٹیپو کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے اور اس کا سارا وقار خاک میں مل گیا۔ اس طرح ٹیپو کے زوال اور ناکامی کا سب سے بڑا سبب اس کے بدیسی دوست یعنی فرانسیسی تھے اور ۱۸ دسمبر ۱۷۹۸ء کو ٹیپو نے مارننگٹن کو غلط نہیں لکھا تھا کہ "یہ لوگ (فرانسیسی) مکار، بے ایمان اور انسان دشمن ہیں۔"

لیکن ٹیپو کی ناکامی کا سبب صرف فرانسیسی ہی نہ تھے۔ اس کی ناکامی اور سلطنت میسور کی تباہی اور خاتمے کے اسباب کچھ داخلی اور کچھ خارجی ہیں، کچھ حالات کا نتیجہ ہیں اور کچھ خود ٹیپو کی ذاتی کمزوریوں کا۔

نظام علی خاں اور نانا فرنویس فوجی اور سیاسی اسباب کی بنا پر میسوری حکمرانوں کو غاصب اور دشمن سمجھتے اور اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینا چاہتے تھے جس کے باعث خفیہ اور علانیہ طور پر مخالفت اور جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ فرانسیسی بے وفا، بے ایمان اور مطلب پرست تھے لیکن ٹیپو کو مشرقی اقوام کی ایک نفسیاتی کمزوری نے بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔

یہ کمزوری چڑھتے سورج کی پرستش اور ڈوبتے آفتاب کی مذمت ہے۔ یہاں جو تلوار چلاتا ہے اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے اور اترے شحنے کو مردک کہتے ہیں اسی لئے خاتم جمشید کی طرح سلطنتیں دست بدست منتقل ہوتی رہیں۔ اقتدار اور دولت کے گھوڑوں پر کبھی کوئی سوار ہوا کبھی کوئی شکست خوردہ فوج اور شکست خوردہ سلطنت کے امیروں نے ہمیشہ فاتحوں کے قدم چومے اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے خلجی، تغلق، سید لودھی، سوری اور مغل خاندان کے بانیوں کی طرح حیدر علی نے بھی تلوار چلا کر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک سلطنت میسور کا ستارہ بلندی کی طرف مائل رہا ٹیپو کے وزراء اور امراء مثلاً پرنیا، میر صادق، غلام علی، قمر الدین، علی رضا اور غلام علی لنگڑہ وغیرہ میدان جنگ اور میدان سیاست میں جولانیاں دکھاتے، زخم کھاتے اور وفاداریوں کے مظاہرے کرتے رہے لیکن جونہی انہیں سلطنت میسور کا آفتاب ڈوبتا نظر آیا، بڑے چھوٹے موقع پرست اور طالب فروغ امراء، دشمنوں سے مل کر سازشیں کرنے

لگے۔ انگریزوں نے نہ صرف مشرقی اقوام کی اس نفسیاتی خصوصیت سے فائدہ اٹھایا بلکہ سلگتی ہوئی آگ کو اپنے ہاتھ گرم کرنے کے لئے خوب ہوا بھی دی اور سب سے پہلے ان لوگوں سے سازشیں کیں جن کا مفاد میسور کی رانی اور اس کے خاندان سے وابستہ تھا چنانچہ تاریخ سے ترمل راؤ، شام راؤ، کرشنا راؤ، شیشگری راؤ، انا رام راؤ و بالپا وچپا وغیرہ کی سازشوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان سازشوں میں میسور کی رانی بھی شریک تھی اور ۱۷۹۰ء میں کارنوالس نے رانی کو گدی پر بٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔

ٹیپو کا دور حکومت دو نمایاں حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۱ء تک ہے اور یہ اس کے عروج اور اقتدار کا زریں دور ہے جس میں اس نے انگریزوں اور مرہٹوں کو شکستیں دیں، تجارت اور زراعت، فوج اور بحری بیڑے کو فروغ دینے کی کوششیں کیں، اور سارے ہندستان میں اس کی بہادری اور نیک نامی کا ڈنکا بجنے لگا۔ دوسرا دور ۱۷۹۲ء سے ۱۷۹۹ء تک ہے جب شکست کے بعد اس کا ستارہ رو بزوال رہا یہاں تک کہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ (۴ مئی ۱۷۹۹ء) کو ایک مردانہ مقابلہ کے بعد اس کی شہادت پر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ سلطان کے تمام اعلیٰ کارنامے پہلے دور میں نظر آتے ہیں جب اس نے انگریزوں کو مسلسل شکستیں دیں ان کے خلاف ایک زبردست اتحاد قائم کرنے کی کوششیں کیں اور انتظام مملکت اور اپنی رعایا کی فلاح کے لئے رفاعی کاموں پر اس طرح توجہ دی جس طرح شیر شاہ سوری کے مختصر دور میں نظر آتی ہے لیکن ۱۷۹۲ء کے بعد اس کی حالت اس پر شکستہ پرندے کی سی تھی جس کے چاروں طرف آگ جل رہی ہو۔ اس نے غم و غصہ کے باعث پلنگ پر لیٹنا چھوڑ کر زمین پر بوریہ کا بستر بچھایا اور تاوان جنگ کے باعث خزانہ جو خالی ہوگیا تھا اسے تیزی سے بھرنے کی کوشش کی لیکن محض بے ایمان ملازموں کو نکالنے کے بجائے ناواقف اور ناتجربہ کار مسلمان عہدیدار مامور کئے جو اپنی نااہلیت کے باعث نکالے ہوئے برہمن ملازموں کے اشاروں پر چلتے اور عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے چنانچہ اگر نصف آمدنی سرکاری خزانے میں داخل ہوتی تو نصف ان برہمن برطرف شدہ کارگزاروں

کی جیبوں میں پہنچ جاتی جس کے باعث رعایا پریشان اور بددل ہوگئی۔ اس کے بڑے بڑے مسلمان عہدیداروں کا یہ عالم تھا کہ بقول کرمانی ایک میر آصف، میران حسین، انتا اوباش اور ذلیل شخص تھا کہ سب کے سامنے عورتوں کو ننگا کرا دیتا اور ناشائستہ حرکتیں کرتا تھا۔ دوسرے میر آصف شیر خاں چولوال اپنی حماقتوں کے باعث "جنت کا بیل" کہلاتے تھے۔

اسی زمانہ میں سلطان پر پیروں، مرشدوں اور مشائخ کے اثرات کا بہت زیادہ غلبہ ہوا۔ چنانچہ انہی کے اثر سے خط کوفی رائج کرنے کی کوشش کی اور فارسی کو سرکاری زبان بنایا۔ پرانے تجربے کار افسروں کو نکال کر ان مشائخ کے نالائق اور نکمے لواحقین کو مامور کیا جس کے باعث نظم ونسق میں خرابیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ جہالت[1] کے باعث توہم پرستی[2] اور تعصب نے زور کیا اور اس نے اس بات کو فراموش کر دیا کہ اسلامی اصول کے مطابق غیر مسلم رعایا کے حقوق کی حفاظت کرنا بھی اسلامی حکمران کے فرائض میں داخل ہوتا ہے۔

سلطان نہایت راست باز ایماندار اور بہادر ہونے کے باوجود بدقسمتی سے نہایت مغلوب الغضب اور کان کا کچا تھا چنانچہ کئی موقعوں پر اس نے پوری طرح مدافعت نہ کئے جانے کے جرم میں قلعے ڈھا دیئے اور ان وفادار اور بہادر افسروں کو جو حیدر علی کے زمانے سے سلطنت کی خدمت انجام دے رہے تھے بلا تحقیق، ان کے دشمنوں کی شکایت پر برطرف اور قید کر دیا پھر ان کی ذلت، سبکی اور بدنامی کے بعد رہا کر کے عہدوں پر مامور کیا۔ زخم بھر تو جاتے ہیں لیکن زخموں کے نشان باقی رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میر صادق اور قمرالدین وغیرہ جن کے ساتھ ایسے واقعات پیش آتے تھے موقعے کے منتظر رہے اور بروقت آنے پر انہوں نے دشمن کا ساتھ دے کر ٹیپو اور سلطنت میسور کے خاتمے میں حصہ لیا۔

[1] دیکھئے ٹیپو سلطان اور اس کے خواب ۶۸، ۶۹۔ "سلطان کا املا قرآن کے بجائے قرعان اور صوم وصلوٰۃ کے بجائے سدم وسلات" وغیرہ۔

[2] سرنگاپٹم پر حملہ کے وقت اس نے چینا پٹن کے مہا پجاری اور دوسرے برہمنوں کو ہاتھی، تیل، کالا بیل، دودھیلی بھینس، ایک بھینسا، کالی بھیڑ وغیرہ اور تیل سے بھرا ہوا ایک برتن دیا جسے دینے سے پہلے اس میں اپنی صورت دیکھی تاکہ نحوست اور آئی ہوئی بلا ٹل جائے۔ (اسٹیورٹ اور کرمانی)

ایسا معلوم ہوتا ہے ان مشائخ اور مرشدوں کے اثر سے ٹیپو سلطان کو مہدویوں، شیعوں، نوائط اور برہمنوں سے کد پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے شاید بیرونی افراد ناراض ہوکر اور میر صادق کے ایما سے جو دراصل ٹیپو سلطان کی تباہی کے در پے تھا اور سلطان کی سلطنت کے معاملات سے بے پروائی کے باعث سلطنت کے سیاہ و سپید پر چھا گیا تھا، دس ہزار میسوریوں پر مشتمل ایک جماعت بنائی جس کا نام "زمرۂ نباشند" تھا۔ کرمانی نے اس زمرہ کی تشریح اس طرح کی ہے۔

غ = مردم غیر ممالک و فرانسیسی اور انگریز وغیرہ،

م = مغل و مرہٹہ (نظام اور مرہٹے)

ن = نائطہ

ب = برہمن

ا = افغان پٹھان وغیرہ

ش = شیعہ

د = اہل دائرہ یعنی مہدوی

یہ دس ہزار "مخلص" متذکرہ بالا لوگوں سے "پاک" اور خالص میسوری باشندے خصوصاً سید اور مشائخ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان پرجوش اہل زمرہ کا رویہ متذکرہ لوگوں سے متعلق کیا ہوگا چنانچہ مہدویوں پر جو سلطان کا دست شمشیر زن تھے غداری کا الزام لگایا گیا اور قتل و غارت گری کے بعد نکال دیئے گئے۔ میر صادق نے دوبارہ دیوانی پر فائض ہو کر سلطنت کے وفادار امراء کو ایک ایک کر کے معتوب کرایا اور اقتدار چھین کر دیا اور حکومت کے عہدوں سے نکال باہر کیا اور چھوٹے بڑے سرکاری ملازمین کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال پھیلایا۔ سلطان نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کوئی شکایت کرتا تو اس کی طرف توجہ نہ کرتا۔ اس طرح سلطنت کا نظام درہم برہم ہوگیا۔ حکام میر صادق کے اشاروں پر کام کرنے لگے اور سلطنت میسور کا وہ جاسوسی نظام درہم و برہم ہوگیا جو حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے پہلے دور میں مایۂ ناز تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز تیاریاں کرتے اور سرنگاپٹم کی طرف بڑھتے رہے۔ ایک کے

بعد دوسرے قلعہ پر قبضہ ہوتا گیا اور سلطان کو خبر نہ ہوئی اور جب خبر ملی تو دشمن سرنگاپٹم کے دروازوں پر پہنچ چکا تھا۔

سلطان جاسوسوں پر جنہوں نے اطلاع دی تھی، غضبناک ہوکر گرجا برسا اور مقابلے اور مقاتلے کو تیار ہوگیا۔ لیکن اس نے ہاری ہوئی بازی سے شروع کیا تھا۔ اس وقت اس کے مقابلہ میں نہ صرف حملہ آور انگریز تھے بلکہ خود اس کے عہدیدار اور چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والے موقع پرست، گھر کے بھیدی بھی۔ دشمن گھر کے باہر بھی تھا اور گھر کے اندر بھی۔

سلطان سپاہی تھا وہ سپاہی کی طرح لڑا لیکن سیاسی نہ تھا۔ اس نے میدان سیاست میں شکست کھا کر میدان جنگ میں جان دی۔ اس کی جدتیں مفید تھیں لیکن محمد بن تغلق کی طرح اس کے خلاف پڑیں۔ اس کے دوستوں اور حامیوں میں مذہبی جذبہ تو تھا لیکن انگریزوں کے مانند قومی تصور نہ تھا۔ اس کے دشمنوں کا اگر کوئی بڑا افسر یا سپہ سالار مارا جاتا تو اس کی جگہ لینے کے لئے دوسرے افسر موجود تھے لیکن ٹیپو کے مرنے پر کوئی شخص فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں نہ لے سکتا تھا۔ اس کے وکیلوں اور مشیروں کو انفرادی مفادات کا لالچ دیکر خریدا جا سکتا تھا لیکن کنوسے اور میلٹ نہیں خریدے جا سکتے تھے کیوں کہ ان کے پاس ایک قومی اور وطنی تصور تھا۔

ان سب باتوں کے علاوہ اس نے جن علاقوں کو فتح کیا اور جن لوگوں کو مسلمان بنایا تھا وہ وقتی طور پر مطیع ہوئے تھے۔ انہیں نہ ٹیپو سے محبت تھی اور نہ ٹیپو کی سلطنت سے۔ یہی وجہ ہے کہ تیسری جنگ میسور میں انگریزی فوج کے بڑھنے پر انہوں نے یا تو انگریزوں کا ساتھ دیا یا اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے[1] اور ۱۷۹۹ء میں چوتھی جنگ میسور کے موقع پر مشکل ہی سے چند عہدیدار ایسے تھے جن پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔

[1] (۱۲۱۳ھ) انگریزی فوج سرنگاپٹم کے باہر لعل باغ میں پہنچ گئی تو "دران شب اکثر مردم فوج و عہدہ داران و مردم احمدی تا دہ ہزار کس مع اہل و عیال خزانہ مشدہ بہ کورگ رفتند۔ بعضی مردم امراء بالتخصیص و تمامی اہل حرف اریکاٹ وغیرہ کہ در گنجام بودند نجات یافتہ" (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حیدر علی نے کبھی نظام علی خاں، انگریزوں اور پیشوا کو متحد نہ ہونے دیا تھا لیکن ٹیپو انہیں علیحدہ رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میلٹ نے مرہٹوں کے مذہبی جذبات بھڑکائے اور کنوسے نے (Kennaway) نظام علی خاں کو اس کے کھوئے ہوئے علاقے ٹیپو سلطان سے واپس دلانے کا سبز باغ دکھا کر اتحاد کی جال میں پھانس لیا۔

ٹیپو سلطان سے ایک اور غلطی تیسری جنگ میسور سے پہلے یہ ہوئی کہ اس نے فرانسیسی مدد ملنے کی توقع میں بہت سا قیمتی وقت کرناٹک میں گذار دیا پھر جب اسے بری کھیڑا میں کارنوالس کی پسپا ہوتی ہوئی فوج پر حملہ نہ کیا بلکہ اس کا مذاق اڑانے کے لئے میوے کی ٹوکریاں بھیجیں۔ یہ مذاق بہت گراں پڑا چنانچہ مرہٹہ اور نظام کی فوجیں مل جانے پر کارنوالس نے دوبارہ حملہ کر کے ٹیپو کو سر جھکانے اور اپنی قسمت پر تباہی کی مہر لگانے پر مجبور کر دیا۔

اس کے بعد چوتھی جنگ میسور کے وقت حالات بالکل بدل چکے تھے۔ سلطنت میسور پہلے کے مقابلہ میں بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے برخلاف انگریزی حکومت اور انگریزی فوجیں جدید ترین اسلحہ اور جدید ترین اصول جنگ سے آراستہ تھیں۔ یورپ میں طریقۂ جنگ بدل چکا تھا اور نئی نئی اصلاحیں ہو رہی تھیں۔ ٹیپو کے ذہن میں وہی پرانی چالیں تھیں لیکن اس کا مقابلہ انگریزوں کے نہایت ہوشیار اور آزمودہ کار جنرلوں سے تھا۔ میسور کے سوار حیدر علی کے زمانے میں انگریزوں کے لئے ہوّا بنے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے اچانک اور پے در پے چھاپے مار کر ان کا قافیہ تنگ کر دیا تھا لیکن ٹیپو نے غلطی کر کے ان میں کمی کر دی[۱] اپنے ہلکے پھلکے سواروں سے بھی پوری طرح کام نہ لیا اور اس بات کو نہ سمجھ سکا کہ تیز رفتار حملے ہی اس کے لئے فائدہ مند تھے۔ اسے چاہئے تھے کہ بارہ محل پر حملہ کر کے انگریزوں کی رسد روک دیتا۔ اس نے سرنگاپٹم کی قلعہ بندیوں پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ بارش آنے پر انگریز محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) بہ پائیں گھاٹ و مکانات خود رفتند" (بے نام مخطوطہ)

[۱] ۱۷۸۰ء میں ۲۴ ہزار سوار ۱۵ ہزار پیادے اور ۱۷۹۰ء میں ہزار سوار ۵۰ ہزار پیادے۔
محب الحسن ص ۳۰۹

لیکن ایسا نہ ہوا۔ سواروں کی کمی نظام اور مرہٹہ سواروں نے پوری کر دی۔ چوتھی جنگ میسور کے وقت کمپنی کے انتظام میں سابقہ بے مرکزی اور انتشار نہ تھا۔ گورنر جنرل ہی سپہ سالار اعظم بھی تھا اور اب نہ تو کوئی اس کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنے والا تھا اور نہ کسی قسم کا تذبذب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تیسری اور پھر اس کے بعد چوتھی جنگ میسور انگریزوں نے پوری قوت اور پوری تیاری کے ساتھ لڑی کیونکہ وہ اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ سلطنت میسور اور خود ٹیپو سلطان پورے ہندستان پر اقتدار حاصل کرنے کے راستے میں ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت خود ٹیپو نے میر صادق کے ہاتھ میں سلطنت کا انتظام سونپ کر خود ہی اپنی اور اپنی سلطنت کے خاتمے کا سامان کر دیا۔

نوٹ

(ٹیپو سلطان کے سوانح نگار کے لئے اس کی "ناکامی کے اسباب" ایک اہم مسئلہ ہے، اس شمارہ میں کئی مقالے اس موضوع پر مختلف عنوانات کے ساتھ شامل ہیں، مسئلہ "ناکامی" کی نوعیت کا صحیح اندازہ لگانے میں، ان سب مقالوں کے یکجائی مطالعہ سے مدد ملے گی، لیکن اس سلسلہ میں یہ اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے مختلف اسباب و واقعات کی اہمیت کا توازن برقرار رکھنا نہایت ضروری ہے، علاوہ ازیں، اہم واقعات کے پس منظر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انگریز مورخوں نے ٹیپو کے "مقصد اعلیٰ" کو پس پشت ڈال کر اس کی شخصی اور ذاتی خصوصیات پر اتنا زور دیا ہے اور ان کے بیانات کو اتنی مرتبہ دہرایا گیا ہے کہ اس کے کردار کی تصویر قطعی طور پر مسخ ہو گئی ہے۔ تاریخ کے اکثر طلبار اسی تصویر کو صحیح سمجھ لیتے ہیں، مثلاً نظام اور مرہٹوں کے جذبہ ناحب الوطنی کا ذکر نہ کرنا اور صرف یہ بتلانا کہ ان کے اور ٹیپو کے درمیان کچھ علاقے مابہ النزاع تھے، حقیقت پسندی کے اصولوں کے خلاف ہے، اس میں شک نہیں کہ حیدرآباد اور پونہ کو میسور سے شکایت تھی، لیکن کیا وہاں کے مدبرین کی اس کم فہمی کی تحسین و ستائش جائز ہو گی کہ وہ یہ اندازہ نہ لگا سکے کہ انگریز اپنے استعمار کو فروغ دینے اور ان کے ہم وطنوں کو غلام

بنانے کے سلسلہ میں اُن کو آلۂ کار بنا رہے تھے ؟ ٹیپو کتنا ہی "سیاہ کار" اور بعض محققین کی تحقیق کے مطابق "جاہل" سہی، لیکن جس "گناہ کبیرہ" کے ارتکاب میں وہ اپنے ہمسایوں کا اشتراک عمل چاہتا تھا، اس پر کمپنی کی گود میں کھیلنے والے نظام اور پیشوا کی ہزاروں "نیکیاں" قربان کی جا سکتی ہیں !

تاریخی مسائل کی پیچیدگیاں اور معاصر شواہد کا غلط تجزیہ گمراہ کن نتائج کا سبب بنتے رہے ہیں، اس کی لاتعداد مثالیں تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں، مثلاً ٹیپو کے "جاہل مطلق"، یعنی اکبر اور علاء الدین خلجی سے بھی زیادہ جاہل ہونے کے ثبوت میں اس کی خوابوں کی ڈائری کا وہ مخطوطہ پیش کیا جا رہا ہے، جو کرنل کرک پیٹرک کو سلطان شہید کی خواب گاہ میں ملا تھا، اس مخطوطہ کو سلطان کی خودنوشت ڈائری کہا گیا ہے، اور چونکہ اس میں املا کی غلطیاں ہیں اس لئے ٹیپو کو جاہل قرار دیا گیا ہے، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ، اگرچہ متعدد معاصر ماخذ میں ٹیپو کی تعلیم کا ذکر ہے، لیکن ان سب بیانات کو نظر انداز کر کے کرنل کرک پیٹرک کا یہ بیان کہ ڈائری سلطان کی خود نوشت تحریر ہے صحیح مان لیا گیا، تاکہ ٹیپو کو جاہل اور ایسا جاہل قرار دیا جائے جو "قرآن" کو "قرعان" "بزرگ" کو "بذرگ" "اصطلاح" کو "استلاح" "خضاب" کو "خزاب" "مصری" کو "مسری" وغیرہ وغیرہ لکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ٹیپو کا شمار فضلاء میں نہیں کیا جا سکتا، لیکن جس شخص کی دو تصانیف، رسالہ درخط طرز محمدی، اور زبرجد (دیکھو

اسلامک کلچر، جلد چہاردہم، وحمیاالحسن جان ص ۲۴۷)

موجود ہوں اس کے متعلق میجر اسٹورٹ کا یہ بیان کہ اس کو مطالعہ کا شوق تھا اور علوم سے کچھ واقفیت" غلط سمجھنے کا کوئی جواز نہیں، اسی مصنف کا بیان ہے کہ سلطان "دن کا زیادہ حصہ اپنے مطالعہ کے کمرہ (اسٹڈی) میں صرف کرتا تھا"

(دیکھو اسٹورٹ کا تیار کردہ کیٹلاگ ۴۳ ص اور ۹۲)

ان اشارات کی روشنی میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ نتائج اخذ کرنے سے پہلے ضروری ماخذ کا مطالعہ کریں اور ان پر غور کرنے کے بعد رائے قائم کریں۔ مرتب)

قاری بشیر الدین پنڈت ایم۔اے (علیگ)

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۲۲ فروری ۱۷۹۹ء سے ایک مہینہ پیشتر جبکہ حضرت سلطان الشہید کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا ولزلی نے مدراس کے گورنر جنرل ہیرس کو لکھا "مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور جاگیردار سلطان کے خلاف ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں" اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی پروپگنڈا کے ساتھ ساتھ جس سے نپولین جیسے فاتح شہنشاہ نے پناہ مانگی تھی سلطان الشہید کے بے خبر و بے بیری سلطنت خداداد میسور کے زوال کا اصل سبب ہیں۔ نمک حرامی و غداری خواہ وہ بنیادوں میں ہو یا سامانوں میں بدترین گناہ ہے۔ پائدار سے پائدار اور قوی سے قوی سلطنت کو یہ گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ اس کو کسی سلطنت کے اسباب زوال میں سطحی و معمولی سمجھنا محل نظر آتا ہے۔ مرحوم و مغفور محمود بنگلوری نے "زوال سلطنت خداداد کے اسباب" میں صفحہ ۳۹۷ پر اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ امراء و وزراء سلطنت کی غداری ہی سلطنت خداداد میسور کے زوال کا باعث تھی۔ بلاشبہ زوال سلطنت کی دیگر وجوہ جن کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ فاضل مصنف نے گنایا ہے اپنی جگہ پر نہایت اہم ہیں لیکن ان سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اسی ایک وجہ پر غور کرنا ہے۔ غداری کے جراثیم پہلے سے ہی موجود تھے۔ یا ایک حریف سلطنت انھیں پیدا کرتا ہے اور بڑھاتا ہے۔ اور اس طرح اپنے دشمن کو ذک پہنچاتا ہے۔ سلطنت خداداد کے زوال میں غداری کے یہ دونوں پہلو موجود تھے۔

سلطان الشہید کے ہندو و مسلم امراء وزراء میں پورنیا، کرشنا راؤ، نرمل راؤ، میر صادق میر غلام علی لنگڑا، میر معین الدین، میر قمر الدین، میر قاسم علی، بدر الزماں خاں، و میر عالم ممتاز ہیں۔ ان میں سے کچھ تو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی بنا پر سلطان سے منحرف ہو گئے۔ اور کچھ بالخصوص میر صاحبان سلطان کے مذہبی اصلاحات سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ انگریزوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اور میر

وزیر کی بارش نیز مستقبل کے شاندار وعدوں کے ذریعہ ان کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ اور ادھر سلطان کے خلاف انگریزوں کا بے پناہ پروپیگنڈا اپنا کام کر رہا تھا جس کی انجام دہی کے لئے لارڈ ولزلی نے کرنل کلوز۔ کرنل ولزلی، لفٹننٹ کرنل آگینو، کیپٹن مالکم، اور کیپٹن مکالے کو مقرر کر رکھا تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت نکل جائے۔ اور وہ جنگ میں کام آجائیں۔ چنانچہ قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی ان کو صحیح خبریں نہیں پہنچائی گئیں۔ اور وہ مقابلے سے پہلوتہی کرتے رہے۔

سلطان الشہید سے نبرد آزمائی کے لئے۔ ولزلی ۸ رنومبر ۹۸ء تک اپنی تمام تجاویز مکمل کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے جو خط اس تاریخ کو بھیجا ہے اس کا لب ولہجہ اس کے ارادوں کی غمازی کر رہا ہے۔ اس نے لکھا" یہ ناممکن ہے کہ مجھے فرانس والوں سے آپ کی خط وکتابت کا حال معلوم نہ ہو۔ تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کے لئے۔ سلطان سے جو علاقہ چاہے مطالبہ کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے تمام بری وبحری فوجوں کو تیار رہنے کا حکم دیدیا۔ ولزلی کی مذکورہ بالا خط کا جواب ۲۱ دسمبر ۹۸ء کو ملا جبکہ وہ کلکتہ سے مدراس پہنچ چکا تھا۔ سلطان الشہید نے جواب دیا: سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ اس کا ایک جہاز چاول لے کر مارشس پہنچا اور واپسی میں ۴۰ باشندے مرشس کے ملازمت کی غرض سے یہاں آئے ان میں سے دس بارہ کو ملازمت مل گئی باقی لوگ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ .... ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں ...... مجھے متحیر کر رہا ہے مجھے امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات نہ آنے دیں گے جس سے طرفین کے دل خراب ہوں۔ [۵] اس پروانہ کے بعد ولزلی نے ایک خط اور بھیجا جس میں عہد معاہدہ کی ذلیل شرطیں پیش کی گئی تھیں۔ اور جواب کے لئے صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت دی گئی تھی۔ سلطان کی حمیت ان شرائط کو کیسے قبول کر لیتی اس لئے خط کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ۲۰ فروری ۹۹ء کو خفیہ طور پر انگریزی فوج نے میسور کی طرف کوچ کیا۔ اس پر ۱۳ فروری ۹۹ء کو سلطان ولزلی کو لکھا کہ میجر ڈوٹن کو گفتگو کرنے کو بھیجا جائے۔ اس کا ولزلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور جواب دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

نمک تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحہ ۱۸۶ مصنفہ محمود بنگلوری نمبر ۔ کارنامہ حیدری صفحہ ۹۱۲ تا ۹۱۲

نمبر ۵ ،، ،، ،، صفحہ ۲۸۹ ،، ،، ،،

بگڑتی ہے جس وقت ظالم کی نیت // نہیں کام آتی دلیل اور حجت

الغرض ۲۲ فروری ۱۷۹۹ء کو اتحادی فوجیں حدود ریاست میں داخل ہو گئیں اور رائے کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ حیدرآباد کی فوجیں میر عالم کی سرکردگی میں تھیں۔ انگریزی فوجوں کے جاسوس اور سپاہی بھیس بدل کر ان غداروں کے مقام میں مقیم ہوئے۔ جو سازش میں شریک تھے۔ اور یہ قریب قریب سب مسلمان ہی تھے۔ اور یہ تو ابھی تک عام طور پر مشہور ہے کہ شرجاپور (علاقہ بالاپور) اور دیون ہلی والوں نے انگریزوں کو اپنے مکانوں میں چھپا رکھا تھا۔ جس کا معاوضہ آج بھی بعض خاندانوں کو جاگیر کی نام سے مل رہا ہے[۹]۔ مدراس والی فوجیں جنرل ہیرس کے ماتحت تھیں۔ ملیبار اور کورگ کے راستے سے جو فوجیں آرہی تھیں۔ ان کا کمانڈر جنرل اسٹوارٹ تھا۔ غرضیکہ انگریزوں کی پیش قدمی جاری تھی۔ لیکن میر صادق اور پورنیا[۱۰] سلطان الشہید کو دھوکہ دے رہے تھے کہ انگریزوں کی کیا مجال جو سلطنت کے اندر قدم رکھ سکیں۔ بہرحال جب انھیں فوج کشی کی اطلاع ملی تو سخت تعجب ہوا کہ ۱۳ فروری ۱۷۹۹ء کے خط کے جواب میں حملہ کیوں کیا گیا۔ پھر بھی انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور تین دن کی مسلسل کوچ کے بعد ۵ مارچ ۱۷۹۹ء کو پیریاپٹن کے مقام پر جنرل اسٹوارٹ کی فوجوں کو روکا[۱۱] سداسیر کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا جس میں انگریز ہار گئے۔ انگریزی فوج کا دوسرا حصہ جو پیچھے آرہا تھا۔ اس کو سلطان الشہید کی آمد سے راجہ کورگ نے پہلے سے مطلع کر دیا[۱۲] اس حصہ کی سرکوبی کے لئے۔ میر قمر الدین[۱۳] کو نامزد کیا گیا۔ اور خود مشرقی محاذ پر انگریزوں سے لڑنے کے لیے چن پٹن کی طرف چلے آئے۔ اتحادی رائے کوٹہ سے آگے آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے چن پٹن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہاں بھی غداروں نے متحدین کو پہلے آگاہ کر دیا۔ اس لیے جنرل ہیرس راستہ کاٹ کر خان خاہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھ کر سلطان الشہید نے سلولی (گلشن آباد) کی سرحد پر مورچہ بندی کی۔ قریب تھا کہ لڑائی میں متحدین ہار جاتے لیکن میر معین الدین[۱۴] اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد پر لگا دیا جس سے سلطانی

۹۔ سلطنت خداداد ص ۳۰۷ ۱۱۔ سلطنت خداداد ص ۲۹۲۔ کارنامہ حیدری ص ۹۱۲

سپاہ کا بہت نقصان ہوا۔ سلطان ٹیپو نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے کر نہایت بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن عین معرکۂ جنگ میں اطلاع ملی کہ انگریزوں کی فوج جو جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت تھی سرنگا پٹم پہونچکر حملہ کی تیاری کر رہی ہے ۔ اس خبر کے سنتے ہی وہ سرنگاپٹم کی طرف چلے آئے پیچھے سے متحدین کی فوجیں تھیں آکر جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی ۔

سلطان الشہید کا نیرّ اقبال ڈوب چکا تھا ۔ اتحادیوں کی چال کامیاب ہو گئی تھی ۔ کیا میدان جنگ اور کیا دارالسلطنت ہر جگہ نمک حرام افسر اتحادیوں کے اشارے پر ناچ رہے تھے ۔ میر قمرالدین جس کو کورگ میں جنرل اسٹوارٹ کی پیش قدمی روکنے کے لئے متعین کیا تھا ۔ وہ مصنف مآثر میسور انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے[۵] ۔ اسی طرح ایک دوسرے غدار میر قاسم علی[۱۶] بن پٹیل سید نورالدین نے جنرل ہیرس کی فوج نے رہنمائی کر کے ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر سرنگاپٹم کے قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں ٹھیرایا نیہ گوشہ قلعہ سب سے زیادہ کمزور تھا ۔ اور میر قاسم علی جو پہلے سرنگاپٹم کا قلعدار رہ چکا تھا ۔ اس راز سے واقف تھا ۔ (ملاحظہ ہو تاریخ میسور از میڈوز ٹیلر بحوالہ تاریخ خداداد ص ۲۹۶) اس نمک حرام نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ۴ مئی کی آخری لڑائی میں جو اس کی کارگذاری ہے وہ بھی میڈوز کی زبان سے سنئے "دوپہر کا وقت تھا ۔ جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہو کر قلعہ کی فصیل پر چڑھا ۔ انگریزی فوج میں جو سب سے آگے تھا ۔ وہ جنرل بیرڈ تھا ۔ اور اس کی رہنمائی کے لئے اس سے بھی آگے ایک اور شخص تھا اور وہ میر قاسم علی تھا ۔ جو قلعہ کی فصیل پر بیرڈ سے بھی پہلے چڑھا" بحوالہ تاریخ خداداد ص ۲۹۶) ۔

لڑائی کے واقعات سمجھنے کے لئے قلعہ سرنگاپٹم کا نقشہ سامنے رکھئے ۔ قلعہ کے شمال میں جنرل اسٹوارٹ کی فوجیں اور جنوب مغرب کی طرف قلعہ کو جنوبی مغربی گوشہ پر ہوسہلی کے مقام پر ایک گنجان باغ میں جنرل ہیرس کی فوجیں مقیم تھیں ۔ اس باغ اور قلعہ کی فصیل کے درمیان دریائے کاویری کی جنوبی شاخ اور خندق حائل تھی ۔ دریا پایاب تھا ۔ اور اس مقام پر اس کی چوڑائی بہت کم تھی مصنف تاریخ خداداد میسور نے اس مقام پر بذات خود جا کر دیکھا ہے ۔ لکھتا ہے "یہاں ہر باغات اب بھی بہت گنجان ہیں ۔ یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل پر سے نظر آتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں پر فصیل بھی کچھ اونچی نہیں ہے ۔ (بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد میسور ص ۲۹۶)

---

۱۵ :۔ تاریخ سلطنت خداداد میسور ص ۲۹۶

بہر حال قلعہ پر شدت کے ساتھ گولہ باری شروع ہو گئی۔ سلطان حیران تھا کہ اس کے سردار جا بجا متعین ہیں ان سے کچھ نہیں ہو سکتا اس نے ان کے طرز عمل سے معلوم کر لیا کہ یہ گندم نما جو فروش دشمن سے ملے ہوئے ہیں لیکن یہ مصلحتِ وقت کے خلاف تھا کہ انھیں کوئی سزا دی جائے اس نے ۱۴ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ فرانسیسی افسران موسیو سیپو اور لالی وغیرہ کو بلا کر مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جاوے۔ انھوں نے جواب دیا کہ "موقع کی نزاکت اس امر کی مقتضی ہے کہ آپ زر و جواہر اور بیش قیمت جواہر کو معہ خواتین حرم سرا کے لیکر رات کی خاموشی میں بہ سبیل یلغار چتلدرگ پہونچ جائیں۔ دس ہزار سوار اور پانچ ہزار باقاعدہ پیادے معہ بیس عزب توپ اپنے ساتھ لیں قلعہ ہمارے سپرد کر دیجئے۔ ہم اپنے خون کے آخری قطرے تک سرنگا پٹم کی حفاظت کریں گے اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو ہم کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کر دیجئے۔ وہ ہمارے نکل جانے پر صلح پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ زیادہ پرخاش ان کو ہمارے ہی ساتھ ہے"[۸۱۲] (تاریخ سلطنت خداداد ص ۲۹۸) سلطان اپنی جمعیت وغیرہ نیز شرافت نفس کی بنا پر ان دونوں تجاویز کو نہیں مانا۔ بلکہ اپنی سادہ لوحی کی بنا پر اس مشورہ کا ذکر میر صادق اور پورنیا سے کر کے ان کی رائے طلب کی۔ اور بعض امرائے بھی مشورہ کیا۔ ان غداروں نے یہ سمجھ کر کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر سازش کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ نہایت ہمدردانہ لہجہ میں عرض کیا کہ "اگر قبلہ عالم ...... باہر تشریف لے جائیں گے تو ہم سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور شیرازہ جمعیت قائم نہ رہ سکے گا۔ اس لئے یہ عمل شایان شان نہیں ہے۔ (نشان حیدری بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد ص ۳۰۰) سلطان ٹیپو نے یہ سن کر اس کا ارادہ اگر کچھ تھا بھی تو اسے فسخ کر دیا اور سرنگا پٹم میں آخر تک رہنے کا عزم کر کے اپنی حرم سرا کے چاروں طرف خندق کھدوا کر بارود بچھوا کر کہ انگریزی اگر اندر آجائیں تو حفظ ناموس کے لئے حرم سرا کو اڑا دیا جائے۔ سرداروں کو مختلف مقامات پر قلعہ کی حفاظت کے لئے متعین کر کے ایک دستہ فوج کو دشمن کی رسد روکنے کے لئے روانہ کیا لیکن یہاں تو سب سردار ایک دوسرے کے رازدار تھے صحیح تعمیل کسی حکم کی بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ "۳۰ اپریل اور ۲ مئی کی شب میں لفٹیننٹ بل اور لفٹننٹ لارنس خندق پار کر کے قلعہ میں ہو آئے" (تاریخ میسور از کرنل ہٹسن بحوالہ تاریخ خداداد ص ۳۰۱) یہی نہیں بلکہ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو "اہل نوائط کے گھروں سے انگریز افسروں کو پلاؤ اور مٹھائیاں پکا کر بطور تحفہ بھیجی جاتی تھیں۔ (بحوالہ تاریخ خداداد ص ۳۰۱) حقیقتاً "سلطان ٹیپو کے نمک حرام عہدے دار یہ چاہتے تھے کہ ...... وہ (سلطان ٹیپو) اس جنگ میں کام آجائیں چنانچہ قلعہ سرنگا پٹم پر قبضہ ہونے پر بھی ان کو صحیح خبریں نہیں پہونچائی گئیں۔ اور مقابلے سے پہلو تہی کرتے رہے"!

سوانح نظام علیخان آف حیدرآباد ص۲۱۶)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرے لیکن وہاں سے ذلیل شرطیں عہد معاہدت کی پیش کی گئیں جن کو سلطان نے ٹھکرا دیا۔ اس کی غیور طبیعت نے وفادار فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالے کرنا اور خود مطیع ہوکر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لڑائی صلح کی گفتگو کے دوران بھی قائم رہی۔ اور بقول مصنف نشان حیدری قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آ رہے تھے۔ ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی۔ (بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد ص۲۹۹) قلعہ کی مدافعت کے لئے یوں تو ہر جگہ سپاہ مختلف سپہ داروں کے تحت متعین تھی لیکن قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر انگریزی فوج کی نشانہ بازی کے مرکز تھے ایک تو وہ پہلو جو محل سرا کے قریب شمالی فصیل پر تھا۔ یہاں سلطان بذات خود نگرانی کر رہا تھا۔ دوسرا پہلو جنوب مغربی گوشہ علم برجی کے قریب کا تھا۔ انگریزی فوج نے نمک حرام میر معین الدین کو سپہ دار مقرر کیا تھا۔ سید غفار جو ایک وفادار کماندار تھا۔ اس کے ماتحت تھا۔ میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں۔ لڑائی کے آخری دن یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو جب انگریزی فوج ادھر سے قلعہ پر حملہ آور ہوئی تو خندق کی حالت میجر بیٹسن کی زبانی سنئے، کہتا ہے۔ "خندق کے اس حصہ میں جس کو پار کر کے انگریزی فوج آگے بڑھی گھٹنوں برابر پانی تھا۔ گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی" (بحوالہ تاریخ خداداد ص۳۰۰) اس سے ظاہر ہے کہ میر معین الدین نے جان بوجھ کر خندق کو یا تو خالی رکھا یا کوئی ایسی ترکیب کی کہ اس جگہ زیادہ پانی نہ بھرنے پائے۔ سید غفار کے ہوتے ہوئے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے بھی انگریزی فوج کا بڑھنا ناممکن تھا۔ اس لئے غداروں دیوان پورنیا اور معین الدین نے سید غفار کو یہاں سے اس لئے ہٹا دیا کہ وہ سلطان کو اطلاع دے آئے کہ شاید حملہ آج ہی ہو ادھر انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی کہ حملہ کے لئے تیار ہو جائے۔ مقامی روایات کے مطابق جو سرنگاپٹم میسور اور بنگلور میں آج بھی عام طور پر مشہور ہیں جب سید غفار سلطان کو اطلاع دیکر واپس لوٹا تو اس کے اوپر سبز جھنڈی ہلائی گئی تھی تاکہ انگریز فوج سید غفار کو آسانی کے ساتھ اپنا نشانہ بنا سکے۔ سید غفار کے شہید ہوتے ہی پورنیا نے سلطانی فوج کو تنخواہ لینے کے بہانے سے اپنے پاس مسجد اعلیٰ کے قریب بلا لیا تاکہ انگریزی فوج کو بلا روک ٹوک آنے کا موقع مل جائے میر معین الدین نے جھنڈیوں کے ذریعہ انگریزی فوج کو اطلاع دیدی کہ میدان خالی ہے۔ آ جائے۔ انگریزی فوج کی رہنمائی کے لئے میر قاسم علی ساتھ تھا۔ فصیل قلعہ پر وہی سب سے پہلے چڑھا۔ اس کے بعد جنرل بیرڈ (تاریخ خداداد ص۳۰۱)

سلطان کو سید غفار کی شہادت کے بہت دیر بعد اطلاع دی گئی جبکہ انگریزی فوج قلعہ میں داخل

ہو چکی تھی ۔ دوپہر کا وقت تھا ۔ سلطان شمالی فصیل کا معائنہ کرنے کے بعد ڈڈی دروازے کے سامنے چند آم کے درختوں کے سایہ میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے اور سید غفار کی شہادت کی اطلاع دی، سلطان نے کہا مجاہد موت سے نہیں ڈرتے ۔ سید غفار بھی موت سے نہیں ڈرا تھا (کارنامہ حیدری ص ۹۲۳) فوراً ہاتھ دھو کر ہتھیار سجائے ۔ تلوار پیٹ میں ڈالی، دونالی بندوق ہاتھ میں لی ۔ اس وقت سلطان نیر رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا ۔ اور طاؤس نامی گھوڑے پر سوار تھا ۔ ڈڈی دروازے سے نکل کر باڈی گارڈ کے ہمراہ علم حیدری کی طرف بڑھا ۔ اس کی اطلاع بھی نمک حرام وزرا نے انگریزی فوج کو پہونچائی جیسا کہ دریا دولت کی ایک تصویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں میر صادق سلطان کے سامنے آداب بجالا رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ پیچھے مڑ مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ دے رہا ہے ۔

ڈڈی دروازے سے نکلتے ہوئے اس کو نمک حرام میر صادق نے بند کرا دیا تھا ۔ کہ سلطان پھر واپس نہ آسکے ۔ اور خود گنجام کا راستہ لیا تاکہ وہاں جا کر اپنی کوٹھی میں آرام کرے ۔ لیکن بنگلوری دروازے سے نکلتے ہی سلطان کے ایک وفادار سپاہی احمد خاں نامی نے گھوڑے سے کھینچ کر قتل کر دیا ۔ اس کو کسی طرح میر صادق کی غداری کا پتہ چل گیا تھا ۔ (بحوالہ تاریخ خداداد ص ۹۵ کارنامہ حیدری ص ۸۱۶)

اب جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ انگریزی فوج شگاف پر چڑھنے کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی ۔ پہلے حصہ کو ہدایت دی گئی کہ وہ جنوبی فصیل پر بنگلوری دروازے تک قابض ہو جائے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قبضہ کرتا ہوا اسی دروازے پر آ کر پہلے حصہ سے مل جائے چنانچہ پہلے حصہ فوج نے بلا دقت و دشواری بنگلوری دروازے تک قبضہ کر لیا ۔ اس لئے کہ یہاں (جنوبی فصیل) مگر اس فوج کو پورنیا نے آگے بڑھنے سے روک دیا ۔ قریباً تین گھنٹہ تک دست بدست جنگ ہوتی رہی اسی اثنائے میں اس انگریزی فوج نے جو جنوبی فصیل پر بنگلوری دروازے پر قابض ہو چکی تھی پیچھے سے گولیاں چلائیں مجبوراً سلطان نے پیچھے لوٹنا شروع کیا ۔ جب ڈڈی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا ۔ غرضیکہ اسی طرح قدم قدم پر مدافعت کرتا ہوا جب وہ شہر کے بڑے دروازے کے قریب پہنچا تو جنوب مشرق سے آنے والی انگریزی فوج سے اس کا مقابلہ ہو گیا ۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے جانثاروں کے چاروں طرف سے گھر گیا ۔ اس موقع پر ایک افسر نے عرض کی کہ قبلہ عالم اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں ۔ سلطان نے پلٹ کر غصے سے جواب دیا ۔ یک دم شیرے بہ از صد سالہ میش ۔ یعنی شیر کی ایک دن کی زندگی بھیڑ بکریوں کی صد سالہ زندگی سے زیادہ بہتر ہے ۔ اس کے بعد اس کی ہمت بڑھائی اور کہا گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے ۔ شیر یں آزاد ہوا میں بے شان زندگی ۔

(محمود مصنف تاریخ سلطنت خداداد میسور صنہ ۶۵) سلطانی جانثار آخر تک اپنے شیر دل آقا پر نثار ہوتے رہے۔ مدافعت شدت کے ساتھ جاری رہی۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذات خود مدافعت میں شریک ہے انگریزوں نے اپنی پوری قوت یہاں لاکر جمع کر دی۔ ناگاہ ایک گولی سے سلطان کا گھوڑا مارا گیا۔ اور وہ پیادہ ہو کر داد شجاعت دینے لگا اس کو لڑتے لڑتے کامل چھ گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن دم خم میں کسی طرح کی کمی نہ آئی تھی۔ کہ اس کے دل کے قریب ایک گولی لگی اور وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ اس سے پہلے دو گولیاں اس کے سیدھے بازو میں لگ چکی تھیں۔ گرنے کے بعد ایک گولی کان پر لگی جس سے شہادت پائی۔ مصنف کارنامہ حیدری نے اس کی شہادت کے متعلق مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ وہ (سلطان الشہید) زخمی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ کہ ایک انگریز سپاہی نے اس کی بیش قیمت تلوار لینی چاہی سلطان نے اسی حالت میں اس کے ایک ضرب کاری لگائی۔ اس سپاہی نے جواب میں گولی چلائی جو سلطان کی پیشانی پر لگی۔ اسی کے صدمہ سے اس نے جان شیریں جان آفریں کو سپرد کی۔ (کارنامہ حیدری صنہ ۹۲۲ شہزادہ غلام محمد مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۶ء) مصنف کتاب الا عراس کے مطابق ۱۲ ہزار جانثار اپنی شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ دہلی دروازے سے لے کر مشہد سلطانی تک اگر فاصلہ دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے اور اس کے ساتھ فصیل کی چوڑائی کو نظر میں رکھا جائے تو لہو کا سا تصور اس قیامت خیز جنگ کا ہو سکتا ہے جو اس فصیل پر لڑی گئی۔ یہاں ایک ایک اینچ پر شہیدان وطن کا مقدس خون بہا ہے۔ انگریزی مورخین نے صرف مقتولین کی تعداد ساڑھے ۹ ہزار بتائی ہے۔ زخمیوں کا کچھ شمار نہیں۔ مقتولین میں ۱/۲ ۱ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے اس کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو بھی جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا۔ اس قدر مقتولین کی تعداد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری سے جنوبی فصیل کی فوج نہتی ہو گئی اور اس کو جب پتہ چلا کہ غداری ہوئی ہے تو وطن اپنے محبوب سلطان کو بچانے کے لئے بغیر ہتھیار اسی طرح آکر جنگ میں شریک ہو گئی یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں اس قدر لوگ مقتول ہوئے ورنہ اگر ہتھیار ہوتے تو ممکن تھا کہ سلطان انگریزوں کو نکالنے میں کامیاب ہوتا۔ یا پھر انگریز مقتولین کی تعداد اتنی کم نہ ہوتی۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ اور شیر دل سلطان لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس شہید ملت کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلیٰ علیین میں پہونچی گمان غالب ہے کہ مغرب کا وقت ہوگا۔ کہ اس لئے کہ ایک بجے سے لیکر مسلسل چھ گھنٹے یعنی سات بجے شام تک میدان کارزار گرم رہا جانثاران وطن میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔ کرنل کرک پیٹرک لکھتا ہے۔

که سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا۔ ایلیس جان کنگ جو لاشوں کو اٹھانے پر مامور تھا لکھتا ہے "عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی"۔ مقامی روایت جس کی تائید انگریزی مورخین بھی کرتے ہیں یہ ہے کہ حرم سلطانی کی پردہ نشینان عفاف بھی اس آخری وقت میں آبروئے وطن و ملت کی خاطر جان دینے کے لئے میدان جنگ میں آگئی تھیں چنانچہ ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک کئی ایک لاشیں عورتوں کی بھی لاشیں تھیں جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں"۔ (سرنگاپٹم از کانسٹنس پارسنس صفحہ ۸۶) میجر ٹمسن جس نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا لکھتا ہے کہ سلطان کی شہادت سے پہلے سلطانی محل کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ وہیں جنرل بیرڈ کو سردار سے پتہ چلا کہ ٹیپو سلطان قلعہ کی اندرونی فصیل کے بڑے دروازے کے پاس زخمی پڑا ہوا ہے "ہم دروازے کے پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی بے شمار لاشیں پڑی تھیں تمیز کرنا مشکل تھا ...... آخر مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں (سلطان کا ملازم) راجہ خان ملا جو مجروح تھا۔ دریافت پر اس نے وہ جگہ بتائی جہاں سلطان گھوڑے پر سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی ......

جس وقت سلطان کی لاش ملی سلطان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جسم اس قدر گرم ہو رہا تھا کہ مجھے اور کرنل والزلی کو دھوکہ ہو گیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے تب نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے۔ تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں۔ سلطان سفید قمیص اور معمولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا اور ایک سرخ رنگ کا ریشم کا کپڑا کمر پر بندھا ہوا تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی، عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھا جس کو کھولا گیا تو ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا" (ب) (کارنامہ حیدری صفحہ ۹۲۶، صفحہ ۹۲، صفحہ ۹۲۱) سلطان کا قد ۵ فٹ ۸ انچ تھا۔ شانے ابھرے ہوئے گردن کوتاہ اور موٹی تھی۔ ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے۔ رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں۔ ابرو کماندار اور ناک خمیدہ تھی۔ چہرے پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے۔ (تاریخ سلطنت خداداد صفحہ ۲۱۶)

سلطان شہید کی لاش کو پالکی میں رکھ کر محل کے دروازے میں رکھوایا گیا۔ صبح کو جنرل ہیرس کے حکم سے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام و احتشام کے ساتھ ۲۸ ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۵ مئی ۱۷۹۹ء کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ اس کی کیفیت جنرل میڈوز ٹیلر

(ب) ملا فیروز بن کاؤس نے جارجنامہ دفتر سوم کے صفحات ۵۸ سے ۱۱۱ پر جنگ میسور چہارم کا تفصیلی حال نظم کیا ہے سلطان شہید کی لاش کے متعلق لکھا ہے:

بجو دیدند تن گرم و دیدہ باز ؛ گماں شاں بود زندہ آں سرفراز (صفحہ ۱۰۹)

نے اپنی کتاب "ٹیپو سلطان" کے صفحہ ۲۴۴ پر اس طرح بیان کی ہے "جنازے کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں ۔ بقیہ فوج ان راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا ۔ دو رویہ صف بستہ لعا کے لئے کھڑی تھی ۔ جنازہ کے ہمراہ سلطان کے اعیان و امراء اور پیچھے سلطان کا دوسرا شہزادہ سر برہنہ گھوڑے پر سوار تھا ۔ جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا ۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں و گریاں تھے ۔ ان میں مسلمان بھی تھے ۔ اور ہندو بھی ۔ سیکڑوں آدمی (فرطِ غم) سے جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں ۔ ...... (کارنامہ حیدری ص ۲۶۹) آسمان پر سیاہ اور ڈراؤنے بادل چھائے ہوئے تھے ۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر کچھ ہو رہا ہے ۔ ...... فضا کے بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا ہوا تھا ۔ خوف کی وجہ سے سر کو اوپر اٹھانے کی ہمت نہ ہوتی تھی ۔ اسی حالت میں جنازہ لال باغ[۱۸] تک پہنچا ...... قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں ۔ مگر ان کی آواز لوگوں کی گریہ و زاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی ۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکل کر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں ۔ جنازہ عین مقبرے کے روبرو پہنچا ۔ بینڈ کا بجنا ختم کیا ...... خطیب اور دوسرے لوگ صفیں باندھ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ۔

---

۱۸ لال باغ : ۔ قلعہ کے منسلکہ نقشہ کو دیکھئے جانب شرق بنگلوری دروازے سے گنجام کو جاتی ہوئی سڑک ملے گی ۔ گنجام کی آبادی کے اختتام پر لال باغ ہے جس میں گنبد اعلیٰ کے نیچے "شیر میسور" حضرت ٹیپو سلطان الشہید استراحت فرما ہیں ۔ ۱۸۰۰ء تک قلعہ و گنجام کی مشترکہ آبادی ڈھائی تین لاکھ تھی ۔ اب مشکل سے چار پانچ ہزار ہو گی ۔ یہ مقبرہ سلطان نے خود تیار کرایا تھا اس کی عمارت سطوت و جلال کا مرکز ہے ۔ گنبد کے چاروں طرف برآمدہ ہے جو سنگ اسود کے مرمریں ستونوں پر قائم ہے ۔ جنوبی برآمدہ میں عزا و اقربا کی کم مردانی و زنانی قبریں ہیں ۔ اور مشرقی برآمدہ میں سلطان کی دایہ کی قبر بتائی جاتی ہے ۔ مقبرے کے چبوترے پر چاروں گوشوں میں متعدد قبریں ہیں جو بیشتر اعیان سلطنت کی ہیں ۔ مقبرہ کے غربی جانب چبوترے سے متصل مسجد قصلی ہے ۔ خاص گنبد اعلیٰ میں صرف تین مزار ہیں ۔ اس کے مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدہ ماجدہ کی ۔ دوسری عین جنوبی دروازے کے مقابل ان کے والد ماجد کی ۔ اور تیسری مغربی دروازے کے مقابل سلطان الشہید کی ہے ۔ گنبد اعلیٰ کی شمالی دیوار میں دروازہ نہیں ہے ۔ اس طرح گنبد اعلیٰ کے کل تین دروازے ہیں ۔ سلطان الشہید کے مزار پر سرخ غلاف پڑا رہتا ہے ۔ جو شہادت کی نشانی ہے ۔ اسی سرخ غلاف کے نیچے ہندوستان کے آخری دور کے اسلامی جاہ و جلال کی نشانی آسودہ خواب ہے ۔ سلطان گو اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کا جاہ و جلال اور عزت و وقار لوگوں کے دلوں میں بدستور جاگزیں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی جیسے ہی اس کی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ اللہ نکلا ایسا معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ۔ ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی اور ایک زور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ زبردست گرج نے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ بھی نکلا بھی یا نہیں ۔ نماز ختم ہوئی لاش کو اس آخری آرام گاہ میں رکھا گیا جوں ہی لاش رکھ کر السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا گیا پھر ایک بجلی چمکی ۔ زوردار کڑک ہوئی اور لوگوں پر لرزہ طاری ہوگیا .... اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہوگیا اس وقت تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا بجلی کی چمک سے زمین اور آسمان ایک ہو رہے تھے ۔ اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر ادھر نہ ہٹتی تھیں ۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے ۔ درحقیقت آفریندہ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے ۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں اور ادھر آسمان سے ہزارہا توپیں چھوٹنی شروع ہوگئیں جن کی آواز میں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی ۔ اور یہ معلوم نہیں ہوا کہ فیر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا گویا بینڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی ۔ میجر بیٹسن جو تجہیز و تکفین کے موقع پر موجود تھا ۔ لکھتا ہے کہ اس سانحہ کو دوبالا کرنے کے لئے نہایت ہی سخت اور مہیب طوفان آیا ۔ بارش گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی ۔ انگریزی کیمپ میں بجلی گری جس سے دو افراد چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہوگئے ۔ (دیکھو تاریخ سلطنت خداداد صفحہ ۳۲۳) ۔

(بقیہ پچھلے صفحہ) ہے ۔ انگریزوں اور ریاست میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں ان میں سلطانی عظمت و جلال کی شان باقی رکھنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ مقبرہ کے دروازے پر نوبت نوبت بجتی رہے ۔ خدام کے لئے ایک خاص سرخ بانات کی وردی مقرر ہے جو خاص خاص موقعوں پر استعمال ہوتی ہے جب کبھی والس رائے وغیرہ آتے ہیں انھیں سلامی دی جاتی ہے ۔ اور چتر کے سایہ میں خدام انھیں مزار تک لاتے ہیں گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے یا الفاظ دیگر سلطان ابھی زندہ ہیں اور ان کا جاہ و حشم برقرار ہے عرس کے موقعہ پر جو ہر سال ۲۰ ذیقعدہ کو منایا جاتا ہے اس میں سرنگاپٹم کی مسجد اعلیٰ سے منزل کے جلوس کے ہمراہ مہاراجہ میسور کے کچھ سوار دیئے جاتے ہیں معہ لوازماتِ جلوس ہاتھی و اونٹ وغیرہ شامل ہوتے ہیں حکومت وقت کی طرف سے دس حفاظ ایصالِ ثواب کے لئے مقرر ہیں جو ہر روز قرآن پاک پڑھ کر سلطان الشہید کی روح کو بخشتے ہیں ۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحہ ۵۹۲ تا ۶۲۷)

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات رہی کہ ایسا سخت طوفان انھوں نے اپنی عمر میں نہ کبھی دیکھا نہ کبھی سنا - جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا - اتنی بجلیاں گریں کہ جن کا حساب نہیں۔ در و دیوار لرز رہے تھے - دریائے کاویری جو اب تک پایاب تھا - اس میں یکایک ایسی طغیانی آئی کہ جس کے جوش و خروش کو دیکھ کر دلوں پر ہیبت طاری ہوتی تھی - اور انھیں یہ حسرت تھی کہ یہ طغیانی ایک دن پہلے کیوں نہیں آئی - کہ حملہ ہو ہی نہیں سکتا - سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو سرنگاپٹم پر ٹوٹ پڑا تھا - ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہو گیا - قمری ماہ کی آخری رات کی چاروں طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا - اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کی نالہ و فریاد اور بھیانک بنائے ہوئے تھے - شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا - اس سے انسانیت کی روح بھی تھرا اٹھتی ہے - گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی، بچوں اور بوڑھوں کا قتل یہ ایسے نظارے تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اس مختصر سے خطہ زمین پر ٹوٹ پڑی ہیں - سلطان شہید کی موت حقیقتاً نہ صرف اسلامی جاہ و جلال اور اسلامی شان و شوکت کی موت تھی - بلکہ یہ ہندوستان کی عزت و خودداری کی موت تھی - ہندوستان کی آزادی کی موت تھی جنرل ہیرس سلطان شہید کی لاش کو دیکھ کر خوشی کے عالم میں بے ساختہ پکار اٹھا تھا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے" - انگلستان کے چیف جسٹس سر جان اینیس ٹروتھر نے اپنی خوشی کا اظہار جن الفاظ میں کیا تھا - کہ "ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کے لئے کافی تھی ..... اس کے مرتے ہی ہندوستان پر ہمارا ہمیشہ کے لئے قبضہ ہو گیا - (تاریخ سلطنت خداداد صفحہ ...) تو کیا ان الفاظ کی صداقت کو جھٹلایا جا سکتا ہے - اور کیا آئندہ ہونے والے تاریخی واقعات پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے - ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھئے - سلطان کی شہادت کے بعد سرنگاپٹم کی کہانی نئے انداز سے ہندوستان کے کون سے گوشہ میں نہیں دہرائی گئی - وہ دیکھئے ۱۸۰۰ء میں کڑپہ، کرنول، بلاری، اننت پور، تنجور کی آزادی آخری ہچکیاں لے رہی ہے - ۱۸۰۱-۳ء کرناٹک، سورت، اودھ، حیدرآباد، پونا، بڑودہ، ناگپور گوالیار، بندھیل کھنڈ، دہلی، جے پور، جودھ پور وغیرہ کو کلوروفارم سنگھا کر آپریشن کے لئے تیار کیا جا رہا ہے - اور پھر ان میں جو بھی نئی جراحی کے لئے تیار ہوتا گیا - استیصال ہوتا رہا یہاں تک کہ ۱۸۴۰ء کے بعد سندھ اور پنجاب کی بھی باری آئی - اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آزادی سلب ہو گئی - اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی - وہ ۱۸۵۷ء میں پوری ہو گئی ---:

بے شک آج ہم آزاد ہیں۔ اور آزادی کے لئے تن، من، دھن، کو بازی پر لگانے والوں کی یادگاریں قائم کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن یہ سخت ناانصافی ہو گی کہ ہم وطن و ملت کے اس شہید اول کو بھول جائیں جس نے ہمیں آزادی کا درس دیا۔ اور درس بھی اس وقت جبکہ ہندوستان عہد طفولیت کے دور سے گذر رہا تھا۔ سر جادو ناتھ سرکار نے اگر یہ کہا ہے کہ "ٹیپو سلطان اپنے زمانے سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا" تو کیا غلط ہے جو نہیں اور ہر گز نہیں تو پھر وہ یقیناً وطن و ملت کا پہلا شہید ہے۔ اور شہادت کا شرف اولیت اسی کو حاصل ہے۔ سلطان شہید کے حالات، اس کے عادات و اطوار، اس کے طرز حکومت۔ اس کے اخلاق حسنہ، اس کے جذبۂ جہاد۔ اس کی بے تعصبی اور رواداری اور اتحاد بین الاقوام ہند اور اتحاد بین المسلمین کے لئے اس کی مساعی جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پیش نظر کیسے ارفع و اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔ فتح المجاہدین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کا ماضی و حال اس کی آنکھ کے سامنے کھلا ہوا تھا۔۔۔ ہندوستان کی خانہ جنگی کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ اس نے دیکھا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کی آزادی کو سلب کرنے کی فکر میں ہیں۔ اس کا غیور دل اس کو برداشت نہیں کر سکا کہ ہندوستانی خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر دوسروں کے غلام بن جائیں۔ اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی رکھا کہ ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر آزاد کرے۔ مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوئے تلے رہ کر منظم ہو سکیں۔ اس لئے اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت مسلمان ہجرت کر کے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آکر آباد ہو جائیں۔ (تاریخ ولکس بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد ص ۵۶) اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں از سر نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی۔ اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم ہو سکتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے ہندو رعایا کے معیار زندگی اونچا کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدے ان کو دیئے۔ تجارت، زراعت، اور صنعت و حرفت کے ہر شعبہ میں ترقی کرنے کے لئے مراعات ان کو دیں۔ مسجد کے ساتھ ساتھ مندر پر بھی اس کی نوازشیں یکساں مبذول رہیں۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو و مسلمان دونوں مل کر آزاد رہیں۔ آزاد مریں اور آزاد جئیں۔ غرضیکہ یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کے لئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ ان عزائم جلیلہ سے اس وقت اگر کوئی واقف تھا تو وہ تھی ایسٹ انڈیا کمپنی۔ اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف ہندوستان آزاد رہتا بلکہ ممالک اسلامیہ اور اقوام ایشیا بھی یورپین لٹیروں کی دست

بددے محفوظ رہیں ۔

ایسے مجاہد جلیل اور بطل حریت کے لئے خراج عقیدت پیش کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا رہے گا ۔ عقیدت کے پھول نچھاور کرنے والوں میں اپنے بھی ہیں پرائے بھی ہندو بھی ہیں مسلمان بھی اور دو شریف انگریز بھی کہ جن کے ہم قوم افراد کے ہاتھوں سلطان شہید کی جگمگاتی ہوئی حیات شمع کو گل کرنے کی کوشش کی گئی تھی ۔ ڈاکٹر جے آر ۔ ہنڈرسن سی ۔ آئی ۔ ای نے سلطان کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ (ٹیپو سلطان) ایک عظیم مرتبت شخص تھا ۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اس کی نظیر نہیں دیکھ سکے گا ۔ اس کے ارادے بہت بلند، اس کی قابلیت حیرت انگیز، اور سلطنت وسیع تھی ۔ وہ ایک مجاہد تھا اور مجاہدانہ صفات کا حامل تھا" (بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد ص۵۷۳) ۔

بریڈزا و ڈکلفاد ایک امریکن مورخ ، نے سلطان کی شہادت کے (۲۳۲) برس بعد مشہد سلطانی پر بیٹھ کر کچھ ایسے تاثرات ظاہر کئے تھے "اے آسمان جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گیا ۔ لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں کہ جو مغرور اور سربلند دشمنوں کے سامنے معافی اور جان بخشی کے لئے خاک مذمت پر سر بسجود ہو گئے ۔۔۔۔ تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا ۔ اور سپاہی کی طرح مر گیا ۔۔۔۔ مجاہد کی صف میں رہ کر جان دینا ایسے لوگوں کے ساتھ زندہ رہ کر فرمانروائی کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو ۔ (بحوالہ تاریخ خداداد ص۶۳)

گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ لکھتے ہیں " سلطان ٹیپو کے کارنامہ زندگی کی یاد دل کے اندر خوشی اور مسرت کا طوفان پیدا کر دیتی ہے ۔۔۔۔۔۔ ہمیں بھی اس کے اس الہامی مقولے کو یاد رکھنا چاہئے ۔ کہ دو دن شیر کی طرح جینا گیدڑوں کی دو سو سال کی زندگی سے بہتر ہے ۔ (تاریخ سلطنت خداداد ص۵۲۲) جولائی ۱۹۳۲ء کے متھک سوسائٹی جرنل میں ایک مضمون "سیکنگ آف میسور" کے نام سے چھپا تھا ۔ لکھا ہے کہ " سلطان شہید ایک نہایت ہی عالی حوصلہ حکمران تھا وہ صحیح معنوں میں "شیر میسور" تھا ۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خائف تھے ۔۔۔۔۔۔ اگرچہ آج اسکو گزرے ہوئے سوا صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے ۔ لیکن لوگ آج بھی اس کے عمدہ صفات کا لحاظ کر کے ادب و احترام کرتے ہیں ۔ اور بمقابلہ معترضین کے اس کے مداح دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں "

یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو ریاست میسور کے سابق وزیر اعلیٰ مسٹر کے ۔ منجو نتیا نے عظیم تر

میسور کے افتتاح کے موقع پر جس کے قیام کے لئے انھوں نے زبردست جدوجہد کی تھی پیغام دیتے ہوئے کہا۔ "تاریخی دستاویزات سے ظاہر ہے۔ کہ ٹیپو سلطان شہید...... دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ ہندستان کو انگریزوں کے غلبہ سے آزاد کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ حکومت کو عوامی بنایا جائے۔ چنانچہ ٹیپو سلطان بعض... دستاویزات پر "شہری ٹیپو" کے نام سے دستخط کیا کرتے تھے۔ ان کے ڈیڑھ سو سال بعد انڈین نیشنل کانگریس نے جو کچھ حاصل کیا اس کا خواب ٹیپو سلطان نے دیکھا تھا۔ اور اس کی خاطر انھوں نے اپنی جان بھی قربان کی تھی۔ انھوں نے اپنے ہی وزیروں اور جرنیلوں کی غداری کی وجہ سے شہادت پائی۔ آج بھی لوگ ان اشخاص کو یاد کر کے ان پر لعنت بھیجتے ہیں ۱۷۹۹ء میں سلطان کی سلطنت کا جو علاقہ تھا آج بھی اعظیم تر میسور کا بھی اتنا ہی علاقہ ہے۔ یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ ٹیپو نے بنگلور کے قریب ایک بندرگاہ تعمیر کرانے کا کام شروع کیا تھا۔ اور آج ہم پنجسالہ پلان کے تحت اسی جگہ کو ایک عظیم بندرگاہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ .... وغیرہ وغیرہ۔" (ملاحظہ ہو روزنامہ پاسبان بنگلور مورخہ ۲ نومبر ۱۹۵۶ء یوم جمعہ)

دل کشا انسٹیوٹ کلکتہ میں زیر صدارت ڈاکٹر کالیداس ناگ "یوم ٹیپو سلطان" منایا گیا۔ صدر نے بتایا کہ انھوں نے بسلسلۂ ریسرچ فرانس کے دوران قیام میں اس امر کی شہادت فراہم کیں کہ "ٹیپو سلطان اپنے وقت کے زبردست انقلابی تھے۔ وہ فرانس کے جیکوبن کلب کے ممبر تھے۔ فرانس والوں نے سلطان کی عزت افزائی کے لئے یعنی فرانس کی شہریت عطا کر رکھی تھی۔ اور انھیں "سٹیزن ٹیپو" کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔" ماخوذ از سیاست جدید کانپور مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۳ء

ڈاکٹر علامہ اقبال، مولانا ظفر علیخان، پروفیسر محمود شیرانی، سیماب اکبر آبادی، مولانا ماہر القادری، اظہر امرتسری، فاخر ہریانوی، مولانا روشن صدیقی، محمود بنگلوری وغیرہ ہم جیسے صد ہا حکماء، فضلاء و شعراء کی صداقت پسند جماعت ہے۔ جس نے کشادہ دلی کے ساتھ سلطان شہید کے حضور میں خراج تحسین ادا کیا ہے۔ بخوف طوالت صرف دو چار نمونوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے مخصوص عارفانہ انداز میں متعدد جگہ مختلف عنوانات سے عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او ٪ تا شنیدم از مزار پاک او
در جہان نتوان اگر مردانہ زیست ٪ ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ ٪ یک مقام از صد مقام اوست مرگ

پھر ایک دوسرے موقع پر جاوید نامہ میں پیغام سلطان شہید بر رود کاویری" کے تحت زندگی وموت اور شہادت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است ؛ موت نیرنج و طلسم و سیمیا ست
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ ؛ یک مقام از صد مقام اوست مرگ
می فتد بر مرگ آں مرد تمام ؛ مثل شاہینے کہ افتد بر حمام
ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ ؛ زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندۂ آزاد را شانے دگر ؛ مرگ او را می دہد جانے دگر
آں دگر مرگ انتہائے راہ شوق ؛ آخریں تکبیر در جنگاہ شوق
جنگ مومن چیست ہجرت سوئے دوست ؛ ترک عالم اختیار کوئے دوست
کس نداند جز شہید ایں نکتہ را ؛ کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

مولانا ظفر علیخان نے اپنے تاثرات "سرنگا پٹم" کی نظم میں بند کئے ہیں لکھتے ہیں ۔

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر ؛ مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود
قوت بازوئے اسلام تھی اس کی صولت ؛ اس کی دولت کے دعا گو دشمن تاجر ہنود
کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے ؛ اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
آخری قول یہ اس کا نہیں بھولے گا ؛ جب تک قائم ہو ئیں آئین حمیت کی حدود
شیر جیتا ہے جسے ہفت یک روز ملی ؛ یا دہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

مجاہد وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں مولانا روش صدیقی نے قوم کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے لکھتے ہیں ۔

اے شجاع ازلی بائے ہند کے فرزند جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوق شہادت کی دلیل
نامرادی ترک آئین وفا کی تکمیل
از مر ترا علم جبیں صداقت تجھ سے ؛ زندہ ہے آج بھی مشرق کی نجابت تجھ سے
(۲) ہند کو محرم اسرار وفا تو نے کیا !

حق وفاداریٔ مشرق کا ادا تو نے کیا!
پرچم افشاں علَمِ دینِ خدا تو نے کیا
حلقہٴ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے ؛ ہند میں پنجہٴ شیطانی کو مروڑا تو نے

(۴) ہند میں آج جو یہ جلوہٴ بیداری ہے
سطوتِ غیر جو مجبورِ نگو نساری ہے
یہ ترے شعلہٴ ایثار کی گل کاری ہے
نہ تکمیل ترا جذب تمام آپہنچا ؛ صبح آزادیٔ مشرق کا پیغام پہنچا

آزادیٔ مشرق کا پیغام آج جیتی جاگتی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور ہم آزادی سے ہمکنار ہیں۔ آیئے وطن و ملت کے اس اولین مردِ مجاہد کی خدمت میں ہدیۂ خلوص و نیاز پیش کرتے ہوئے اپنے رب سے دعا کریں۔ ~

دعا

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے	جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدہٴ بینا دے	دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر	اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے
رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر	خودداریٔ ساحل دے آزادیٔ دریا دے
بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو	سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

آمین ۔۔۔ آمین ۔۔۔ آمین ۔

حواشی

نواب بدرالزماں نائطہؒ: اہل نوائط کا دکن اور مدراس میں بے حد
اثر و رسوخ ہے بقول ابن بطوطہ سلاطین دہلی کی علم دوستی و غریب پروری کی شہرت
سن سن کر ایران اور عراق و عرب سے بہت سے لوگ ہندوستان چلے آئے۔ سلاطین نے
ان کے ساتھ مراعات برتیں اور سلطنت کے تمام مذہبی عہدے، قاضی و محتسب وغیرہ انہیں
تفویض کئے اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر ایک طرح کی مذہبی سیادت قائم ہوگئی اور وہ
اپنے کو عام مسلمانوں سے بلند و برتر سمجھنے لگے۔ شادی و بیاہ کے سلسلہ میں بالخصوص ان کی یہ
جاہلانہ عصبیت نقطۂ عروج پر پہونچ گئی انہیں اپنی شرافت اور حسب و نسب پر حد درجہ
غرور تھا۔ ان کی اس جاہلانہ عصبیت نے سلطنت خداداد میسور کے وجود کو مٹا کر دم لیا۔
اور وہ اس طرح کہ جب ۱۷۷۴ء میں سلطان حیدر علی نے شہزادہ ابوالفتح علی (ٹیپو سلطان)
کا عقد امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے کیا تو اہل نوائط نے اس کو اپنی توہین سمجھا اور اسی
وقت سے انتقام کے لئے انگریزوں سے سازشیں شروع کر دیں۔ سات سال کے بعد
(غالباً ۱۷۸۴ء میں) ٹیپو سلطان الشہید نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین بن لالہ میاں
کی شادی نواب بدرالزماں نائطہ گورنر حیدر نگر کی دختر سے کرنا چاہی تو نائطہ کی برہمی اور
زائد بڑھ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ شادی کی شب میں لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی یہی
وہ کدورت تھی کہ جس کی وجہ سے سادات اور نائطہ سلطان الشہید کے خلاف ہو کر
سلطنت خداداد میسور کے زوال کا باعث ہوئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ
سلطنت خداداد میسور ص ۱۲۵ تا
۱۲۶

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبۂ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا تو مہدی علی نائطہ نے عید گاہ کا مورچہ غداری کرکے انگریزوں کے حوالے کر دیا اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان نے چیتلدرگ جانا چاہا تو بدرالزماں نے ان کو وہاں جانے سے روک دیا (سلطنت خداداد میسور ص ۳۰۰) یہی وجہ ہے کہ میسور کے مسلمان سلطنتِ خداداد کی تباہی کا ذمہ دار اہلِ نوائط کو گردانتے ہیں (بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد میسور ص ۳۸۶)

اسی جاہلانہ عصبیت نے دو مسلم ریاستوں کے اتحاد میں رکاوٹ ڈالی۔ سلطان الشہید نے ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۷ عیسوی میں اتمام حجت نیز آپس میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے محمد غیاث الدین کو ایلچی بنا کر حیدر آباد بھیجا۔ یہ وہ موقع ہے جبکہ مرہٹوں اور نظام کی متحدہ فوجوں نے سلطنت خداداد میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ سلطان نے نظام حیدر آباد کو لکھا "اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے جو . . . . . نظام کو مرہٹوں سے متفق کرکے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یکجہتی کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں، بھتیجوں کو اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہو جائیں اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کو متحد ہو جانے کا علم و یقین ہو جائے" (نشان حیدری بحوالہ کارنامۂ حیدری ص ۷۵۸-۷۶۰ سلطنت خداداد میسور ص ۲۲۰) دونوں مملکتوں کی استقامت و فلاح و بہبود کے لئے یہ کتنی بہتر تدبیر تھی جس کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا گیا کہ "اعلیٰ حضرت نظام کا درجہ ایک نائک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا" سیاسی اعتبار سے تو یہ نظام کی کھلی ہوئی حماقت تھی جو یگانگت کے اس زریں موقع کو ہاتھ سے کھو دیا ورنہ دکن کی تاریخ دوسرے الفاظ میں لکھی جاتی فقہی و شرعی اعتبار سے بھی اس کو سماجی بت پرستی کے علاوہ اور کیا سمجھا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی بت پرستی کے ساتھ ساتھ اس سماجی بت پرستی کو بیخ سے اکھاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ قولاً وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ فرما کر بتایا کہ نفس انسانیت

معیار شرافت ہے اس کو کلیکم بنو آدم و آدم من تراب فرماکر اور دو آتشہ بنا دیا۔
ایک مرتبہ آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا من اکرم الناس ارشاد فرمایا ان اکرمکم عند اللہ
اتقاکم۔ اس جواب سے تشفی نہیں ہوئی اس لئے کہ سوال کا مقصد دوسرا تھا۔ دوبارہ پھر
یہی سوال کیا تو فرمایا الکریم ابن الکریم اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ تم میں
شریف وہ ہے جس کی کئی پشتیں نبوت میں گذری ہوں جیسے یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق
ابن ابراہیم صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس جواب سے بھی جب اطمینان نہ ہوسکا تو حضور
نے فرمایا فعن معادن العرب تسألونی کیا عرب کے خاندانوں کے متعلق پوچھ رہے
ہو؟ صحابہ نے عرض کیا حضور ہمارا یہی مقصد تھا۔ اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس پر
سوشلزم اور کمیونزم کی تبلیغ کرنے والوں کو ضرور غور کرنا چاہیئے جو سماج میں بڑوں کا درجہ
گھٹا کر اور چھوٹوں کو ابھار کر مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا "خیارکم فی
الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا فی الدین" یعنی تم میں قبل اسلام
دورِ جاہلیت میں جو اونچے درجہ میں تھا وہ اسلام کے بعد بھی ویسا ہی اونچا رہے گا
بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرلے (بالفاظ دیگر متقی و پرہیزگار و دیندار بن جائے)
رہی شعوب و قبائل کی تقسیم وہ صرف مسکون ہونے میں آسانی پیدا کرنے کی غرض سے ہے۔
ظاہر ہے کہ یک جدی ہونے کی بنا پر مسکون ہونے میں آسانی رہتی ہے بخلاف اس کے کہ
پورے محلہ یا شہر کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ اس میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔
بہرحال آنحضرتؐ نے جس طرح قولاً سماجی بت پرستی کے خلاف جہاد کیا اس کو عملاً بھی کرکے
دکھایا تاکہ دوسرے اس کی تقلید کریں۔ غزوۂ خندق کے موقع پر سلمان منا اہل البیت
کا عملی نمونہ دکھایا۔ اور حضرت زیدؓ و زینب کو ایک سلسلہ میں منسلک کرنا تو تاریخ کا
ایک کھلا ہوا باب ہے جن کے لئے کلام پاک میں فلما قضیٰ زیدٌ منہا وطراً زوجنٰکھا کی آیۃ
نازل ہوئی۔ اسی تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ جب حضرت بلالؓ نے اپنی شادی کے لئے ارادہ ظاہر
فرمایا تو وہ قریشی عرب جو غیر قریشی کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتے تھے آرزومند تھے
کہ حضرت بلالؓ کو اپنا داماد بنانے کا شرف انہیں حاصل ہو اس لئے کہ ان اکرمکم عند اللہ

القاکم کی کسوٹی پر دہ پورے اترتے تھے۔

لہ **میر غلام علی** (لنگڑا): پہلی جنگ میسور میں ارکاٹ کی فتح کے بعد جہاں اور کرناٹکی میر صاحبان نواب حیدر علی کے ملازم ہوئے یہ بھی سلک ملازمت میں داخل ہو گیا سلطان الشہید کے زمانہ میں ترقی کر کے فوج کا ناظر اعلیٰ (انسپکٹر جنرل) بن گیا اس کے بعد امیر البحر اور وزیر بنا۔ بے حد درجہ طرار اور چست و چالاک تھا۔ اس کی تیز فہمی کی بنا پر اسے سلطان الشہید نے ۱۲۰۰ھ میں سلطان ترکی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔ سفارت ناکام رہی۔ واپسی پر اس کے خلاف شکایت ہوئی کہ اس نے بہت سا سامان جو سلطان ترکی کی خدمت میں بطور تحائف و ہدایہ بھیجا گیا تھا وہ اس نے چھپا لیا ہے اس لئے خانہ تلاشی ہوئی اور مال برآمد ہو گیا اس پر اس کو نظر بند رکھا گیا لیکن بعد کو سلطان نے معاف کر دیا۔ اس توہین کا اس لنگڑے نے جو بدلہ لیا وہ تاریخ کے صفحات پر تا دیر ثبت رہے گا۔ سلطان الشہید کے بعد لارڈ ولزولی نے سلطنت خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کے لئے جنرل ہیرس کی صدارت کی صدارت میں ایک کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی، سر باری کلوز اور لفٹننٹ کرنل پٹرک تھے۔ میر عالم اور سلطان الشہید کے چند وزراء کو صرف مشاورت کے لئے شامل کر لیا گیا تھا کمیشن کو یہ طے کرنا تھا کہ سلطنت خداداد سلطان الشہید کے شہزادوں کو دی جائے یا میسور کے قدیم ہندو خاندان کو دی جائے۔ اس موقع پر میر غلام علی لنگڑے نے یہ کہہ کر "افعی کشتن و بچہ اس را نگہداشتن کار خرد مندان نیست" سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کر دیا۔ میر غلام علی کو آخری مرتبہ ۱۸۰۹ء میں کرنل ہیرک نے سرنگا پٹم میں دیکھا تھا اس وقت اس کو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتی تھی۔ اس کی قبر سرنگا پٹم میں ۱۹۳۱ء تک زنانہ وضع پر بنی ہوئی تھی لیکن ۱۹۳۹ء میں اسے مردانہ طرز پر بنا دیا گیا۔ زنانہ وضع پر قبر کی تعمیر غالباً اہانت سے محفوظ رکھنے کے لئے ہو گی (ملاحظہ ہو صفحات تاریخ سلطنت خداداد ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۸۲ تا ۳۸۵، ۵۴۱ تا ۵۴۹ نیز ۵۸۴)

مذہبی اصلاحات بزمانۂ میسور کی طرف مسلمانانِ دکن

۱۶۸۶ء یعنی فتح بیجاپور کے بعد منتقل ہوئے تھے۔ دکن میں وہ چار سو سال تک حکمراں رہے تھے اس عرصہ میں مرہٹوں کے میل جول سے اُن کے اندر بہت سی مشرکانہ رسوم گھر کر چکیں تھیں فرشتہ لکھتا ہے کہ جب عادل شاہ کے لڑکوں کے ختنے ہوئے تو دکنی رسم ورواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے اُن کے گلوں میں پھولوں کے ہار اور سر پر سہرا تھا۔ باجے گاجے کے ساتھ رات میں گشت کیا گیا۔ تمام راستے آتش بازی چھوڑی گئی اور طوائفوں کا ناچ ہوتا گیا۔ بلحاظ عقیدہ دکن کی سلطنتیں شیعہ تھیں انہوں نے محرم کو بہت رواج دیا مسجدوں کے مقابلہ میں عاشور خانوں کو اہمیت دی گئی آج بھی اننت پور، بلاری، کڈاپہ، میسور کورگ اور ہوبلی وغیرہ ضلعوں میں دیہات وقصبات کے اندر مسجدیں مشکل سے ملیں گی لیکن عاشور خانہ ضرور ہوں گے۔ حکومت وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسومات میں شریک ہونے لگے اس طرح ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسومات محرم میں شامل ہوگئیں۔ اگر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے بعد حکومت مغلیہ کو کوئی استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ کچھ اصلاح ہو جاتی لیکن مرکزی حکومت میں بجائے استقلال کے انتشار پیدا ہو گیا اس افراتفری کے عالم میں مذہبی اصلاح خواب وخیال بن کر رہ گئی اور مسلمان مذہب سے دن بدن دور ہوتے چلے گئے۔ طوائف الملوکی کے اس دور میں ٹیپو سلطان نے اصلاح کی طرف توجہ دی۔

(۱) انہوں نے منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

(۲) مذہبی نگرانی کے لئے ہر قریہ اور قصبہ میں قاضی مقرر کئے۔

(۳) خطبات جمعہ کو از سر نو ترتیب دے کر جہاد پر زور دیا۔

(۴) کتاب المجاہدین کا پہلا باب جو عقائد، نماز، جہاد اور تقسیم وراثت پر مشتمل ہے نقل کرا کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کرایا۔

(۵) شیعہ وسادات جن کا پیشہ پیری مریدی تھا انہیں تجارت کی ترغیب دی۔

(۶) محرم کی بدعات کو جیسے شیر، ریچھ، بندر وغیرہ کا سوانگ بھرنا قانوناً ممنوع قرار دیا۔

مسلمانوں کی مشرکانہ ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لئے کارنوالس کے

میر منشی حمید خاں کا وہ بیان پڑھیے جو کارنامۂ حیدری کے صفحات ۸۴۰ تا ۸۴۲ پر درج ہے۔ لکھا ہے "لارڈ کارنوالس نے سرنگاپٹم سے واپسی کے بعد ۳۱ اگست تا ۹ ستمبر ۱۷۹۲ء موضع اکرار میں قیام کیا۔ یہ قیام عشرۂ محرم کے احترام میں تھا۔ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہو کر اول فول بکتے اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدل کر سوانگ بھرتے ہیں۔ تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قائم کرتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنت خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لارڈ صاحب نے حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے ان کے خیمہ پر سے گذریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے دیکھنے کا شوق ہے اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک علم اور تعزیے اٹھے اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے۔ لارڈ صاحب خیمہ کے باہر کرسی پر رونق افروز تھے۔ جب کبھی علم یا تعزیہ آتا تو اٹھ کر تعظیم بجالاتے اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے اور رخصتی کے وقت اپنے سکریٹری چیری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھ کر نذر گذارتے۔ تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف واکناف میں پھیل گئی تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا حسن سلوک اور اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھی ہے۔"

جب یہ صورت حال مشرکانہ ذہنیت کی تھی تو اگر میر صاحبان سلطان الشہید کے دشمن بن گئے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔

(۷) اس کے علاوہ اس نے مسئلہ کفو کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کر کے اہل نوائط و سادات کو اپنا دشمن بنا لیا۔ حیدر آباد کے نظام علی خاں کو اس کا جذبۂ اخوت و مساوات کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ ٹیپو سلطان اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد ص ۴۰۴ تا ۴۰۷)

لہ **میر عالم** : یکم نومبر ۱۷۹۸ء کو نظام علی خاں نے مجبور ہوکر عہد معاونت کو تسلیم کرلیا اس کے ساتھ ہی حیدر آباد کی آزادی و خود مختاری کا خاتمہ ہوگیا۔ میر عالم کا عہدۂ وزارت انگریزوں کا رہین منت تھا۔ وہ کمپنی کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ اسی نے کاکتہ جا کر سلطنت خداداد میسور کے استیصال کے لئے انگریزوں کو ابھارا تھا اور جب سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد ان کے فرزندوں اور پسماندوں نے کمپنی سے استدعا کی کہ بغرض پرورش نصف حصۂ ملک اور نصف خزانہ انہیں دیا جائے تو اس کی میر عالم نے بڑے شد ومد کے ساتھ مخالفت کی۔

(ملاحظہ ہو سوانح میر عالم ۴۸۹ بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد میسور ۴۴۴)

لہ **میر صادق** :۔ اس کی غداری محتاج تعارف نہیں۔ پہلے یہ نواب کرناٹک کا ملازم تھا لیکن جب سلطان حیدر علی نے ارکاٹ فتح کرلیا تو ان کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور اس کو ارکاٹ کا ناظم بنا دیا گیا۔ اس کے بعد ترقی کر کے تیسری جنگ میسور کے بعد سلطان ٹیپو شہید کا چیف سکریٹری اور وزیر بن گیا۔ ۱۷۹۲ء کے بعد سلطان الشہید نے اصلاحات جاری کیں اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی بنیاد ڈالی تو اس کا صدر میر صادق کو بنایا۔ اس نے من مانی کارروائیاں کر کے پارلیمنٹ کو بے کار بنا دیا۔ یہ سلطان الشہید کو صحیح خبریں نہیں پہونچنے دیتا تھا۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کے قیامت خیز معرکہ میں اسی نے انگریزی فوج کو سلطان کی موجودگی سے مطلع کیا اور سلطان کی قلعہ میں واپسی کا راستہ بند کرا دیا۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحات ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۳۹، ۳۸۰، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱ھ ونشان حیدری ۵۸۴،۷ تا ۶۰۲

بحوالہ کارنامۂ حیدری)

لہ **پورنیا** : غداروں کی جماعت میں پورنیا کی ہوشیاری و ہوشمندی قابل داد ہے۔ اس کی غداری کا سلطان الشہید کو آخر وقت تک پتہ نہیں لگ سکا۔ پورنیا ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچناپلی میں موضع تردکمبور میں پیدا ہوا تھا۔ باپ کا نام کرشنا چاری اور ماں کا

نام لکشمی امّا تھا۔ ۱۱ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ خاندان انتہائی غریب تھا اس لئے ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کر کے گذارا کرتی تھی۔ ۱۴ سال کی عمر میں رنگیا نام کے ایک بنئے کی ملازمت کر لی جس کے تعلقات سرنگا پٹم کے ایک اور بنئے انندا ستوکی سے تھے جو محلات شاہی سے تجارتی لین دین کرتا تھا۔ محلات شاہی کا داروغہ کرشنا راؤ تھا پورنیا نے رنگیا کے توسط سے انند استی کی اس طرح اس کی پہونچ محلات شاہی تک ہو گئی اور کرشنا راؤ کی سفارش سے سلطان حیدر علی کا سرکاری ملازم ہو گیا اور کمسریٹ (ٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنا یا گیا اس کے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا اس کو سلطنت کے کل محکموں پر دسترس حاصل تھی۔ سلطان الشہید کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ صاحب طبل وعلم بن گیا۔ لیکن ان تمام نوازشات کا جس طرح اس نے حق ادا کیا وہ رہتی دنیا تک قابل نفرت سمجھا جائے گا۔

میسور کی رانی لکشماّ نے اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کے ذریعہ سلطنت خداداد کے خلاف انگریزوں سے جو سازشیں کیں ان میں گمان غالب یہ ہے کہ پورنیا برابر شریک رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھویں سازش میں جس میں کرشنا راؤ بھی شریک تھا جب گرفتار ہو کر قتل کیا گیا تو اس نے بالکل سچ کہا تھا کہ " میں نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکے گی "! غالباً یہ اشارہ پورنیا کی طرف تھا۔ اسی طرح ۱۷۹۶ء میں رانی نے انگریزوں کو اس معاہدہ سے مطلع کیا جو سلطان الشہید نے بادشاہ فرانس سے کیا تھا۔ اس میں بھی پورنیا پر شبہ کیا جاتا ہے کہ اسی کے ذریعہ رانی کو معاہدہ کا علم ہوا ہوگا ورنہ محال تھا۔ اور پھر ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے سے فوج کو نہتا کر کے اپنے پاس بلا لینا تو کھلی ہوئی غداری ہے جو ہر قسم کے شبہ بالا تر ہے۔ اس کا انعام کمپنی کی طرف سے یہ ملا کہ پورنیا کو ترمل راؤ کے مقابلہ میں رانی کی مخالفت کے باوجود ریاست میسور کا دیوان و نگراں مقرر کیا گیا۔ اور ایلندور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی ۳ لاکھ روپیہ تھی انعام میں ملی۔ پورنیا ۱۸۱۱ء تک زندہ رہا۔ اس کی رہائش گاہ سرنگا پٹم میں جانب شرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے تھی۔ آج کل پورنیا باغ کہلاتی ہے

پورنیا کے سلسلہ میں ایک بات ضرور قابلِ غور ہے کہ اس کا حشران غداروں جیسا نہیں ہوا جو سلطنتِ خداداد کے زوال کے بانی مبانی ہیں۔ میر عالم اور میر قمرالدین کوڑھی ہو کر مرے۔ میر معین الدین کی موت بھی عبرت انگیز ہے، صادق کی قبر پر آج بھی اینٹوں، پتھروں اور جوتوں کی بارش ہوتی ہے، ترمل راؤ کا انجام بھی قابلِ عبرت ہے۔ بہت سے غدار ۴ مئی کے معرکہ میں ختم ہو گئے اور ان کی اولادان شبینہ کو محتاج ہو گئی۔ بہرحال پورنیہ اور صادق کا نام اب بھی میسور میں نفرت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد صفحات ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۴۹، ۳۹۳، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۹۶، ۵۸۴ وغیرہ ونشان حیدری صفحات ۸۰۶ تا ۸۲۱ بحوالہ کارنامۂ حیدری

۱۱۱ کارنامۂ حیدری ۹۱۵۴، تاریخ سلطنت خداداد ۲۹۴۔

۱۱۲ میر قمرالدین: یہ رشتہ میں سلطان الشہید کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا۔ نواب حیدر علی کے نسبتی برادر میر علی رضا کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ میر علی رضا کی حقیقی بہن نواب حیدر علی کو منسوب تھی۔ جب محمود بندر کی جنگ میں میر علی رضا نے شہادت پائی تو اس کی جاگیر جو گرم کنڈہ میں تھی سلطنت خداداد میں شامل کر لی گئی۔ گرم کنڈہ کا قلعہ جنگی نقطۂ نظر سے میسور و پائیں گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ میر قمرالدین کی اس پر شروع ہی سے نظر تھی وہ حقیقتاً میسور کا حکمراں ہونا چاہتا تھا۔ نہایت ذی حوصلہ اور تندومند نوجوان تھا۔ اسی جاگیر کی خاطر اس نے حیدرآباد کے نواب نظام علی خاں سے فتح ترکنڈہ کے وقت ۱۷۸۴ء میں ساز باز کی لیکن یہ سازش سلطان الشہید کے نسبتی برادر برہان الدین نے پکڑ لی اس کی وجہ سے میر قمرالدین کو کچھ دنوں نظر بند رہنا پڑا۔ اس کے بخلاف برہان الدین کا مرتبہ و اعزاز بڑھ گیا جو قمرالدین کے لئے حسد کا سبب بن گیا۔

میر قمرالدین سلطانی افواج کا سپہ سالار تھا۔ چوتھی جنگ میسور میں سداسیر کے معرکہ کے بعد جس میں انگریزوں کو سلطان الشہید نے ہرا دیا اسے یہ حکم دیا گیا تھا کہ کورگ کی طرف سے جنرل اسٹوارٹ کی فوج کو سرنگاپٹم کی طرف نہ بڑھنے دے اس کے بخلاف وہ انگریزوں سے مل گیا اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ سرنگاپٹم کے ہنگامہ خیز

معرکہ میں وہ اپنی فوج کو لئے ہوئے انگریزی فوج کے عقب میں خیمہ زن رہا اور جب سرنگاپٹم فتح ہوگیا تو دوسرے دن اس نے آکر انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی اور ہتھیار ڈالدیئے اس کے بعد انگریزوں کی جو خدمت انجام دی وہ یہ تھی کہ پورنیا کے ساتھ جاکر سلطان الشہید کے ایک شہزادہ فتح حیدر کو غلط وعدہ کر کے یقین دلایا کہ وہ اگر ہتھیار ڈالدے اور انگریزوں سے نبرد آزما نہو تو میسور کا راج اس کو سپرد کردیا جائے گا۔ شاہزادہ دھوکہ میں آگیا اور ۱۹ ارمئی کو اس نے بھی آکر اطاعت قبول کرلی۔

بہرحال اس کی غداری کا صلہ لارڈ ولزلی نے اسے حسب دلخواہ دیا۔ گرم کنڈہ کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی ۲ لاکھ روپیہ تھی اس کو دی گئی۔ گرم کنڈہ پہونچکر ابھی وہ آرام سے بیٹھنے نہیں پایا تھا کہ کڈاپہ کے افغانوں نے جو اس کی غداری سے سخت برافروختہ تھے حملہ کردیا۔ قلعہ و محل پر قبضہ کر کے خوب لوٹا کھسوٹا اس کے بعد ہی وہ مرض جذام میں مبتلا ہوگیا اور اسی ناگفتہ بہ حالت میں مرگیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد صفحات ۲۹۶، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۲۷، ۳۸۸، ۵۸۴ تا ۵۸۸ نشانِ حیدری ص ۸۰۶ تا ص ۸۲۰ وکارنامۂ حیدری ص ۹۱۲ تا ۹۲۷ حارج نامہ دفتر سوم ص ۳۸۷)

۱۳۱ میر معین الدین ۔ یہ کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدیدار تھا۔ پہلی جنگ میسور کے بعد حیدر علی کی فوج میں ملازم ہوگیا اور ترقی کر کے سپہ سالار بن گیا۔ یہ بھی گرم کنڈہ کی جاگیر کا خواہش مند تھا جس کے حاصل کرنے کے لئے اس نے نواب حیدر علی سے غداری کی اور مرہٹوں سے سازش کر کے اس جاگیر کو اپنے نام لکھا لیا لیکن نواب نے چشم پوشی کی اور اس کو معاف کردیا۔ تیسری جنگ میسور میں یہ وفادار رہا جس کی وجہ سے سلطان الشہید نے اس کو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی تھی۔ ۱۷۹۵ء میں اس کی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے سلطان ٹیپو نے نکاح کیا۔ اس بیگم سے ۱۷۹۷ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن چند روز کے بعد ہی زچہ وبچہ دونوں کا انتقال ہوگیا۔

چوتھی جنگ میسور میں اس نے گرم کنڈہ کی جاگیر کی خاطر ٹیپو سلطان سے غداری کی اور انگریزوں کی ڈپلومیسی قابل داد ہے انہوں نے میر قمر الدین اور میر معین الدین سے جو گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہشمند تھے الگ الگ وعدے کر کے اپنا الو سیدھا کیا میر قمر الدین نے غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر پائی۔ میر معین الدین کتے کی موت مارا گیا اس لئے گرم کنڈہ کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

ملولی کے میدان جنگ میں میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی فوج کو انگریزی توپ خانے کی زد پر لگا کر سلطان کے ساتھ غداری کی اس کے بعد جب میر قاسم علی نے خیر کا ہیرس کی فوج کو علم بیٹری کے جنوبی و مغربی گوشہ میں ایک گھنے باغ کی آڑ میں لا کر ٹھہرا دیا تو اس گوشہ کی حفاظت و مدافعت میر معین الدین کے سپرد کی گئی۔ یہ گوشہ قلعہ کمزور تھا جس کا میر قاسم علی کو علم تھا اس لئے کہ وہ قلعہ دار رہ چکا تھا۔ میر معین الدین نے مدافعت میں پہلو تہی کی بلکہ ۴ رمئی کو اپنے ماتحت لیکن سلطان کے ایک وفادار سپہ دار سید غفار کو وہاں سے ہٹا کر اور فوج کو تنخواہ لینے کے بہانے سے نہتا کر کے پورنیا کے پاس بھیجکر انتہائی کمینگی کا ثبوت دیا۔ یہی نہیں بلکہ جھنڈیوں کے اشارات کے ذریعہ انگریزی کو اطلاع دی کہ میدان صاف ہے بے دھڑک چلی آئے اور قلعہ پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد وہ خود بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ انگریزی فوج آکر فصیل قلعہ پر قابض ہو گئی۔ اس افراتفری کے عالم میں میر معین الدین زخمی ہو گیا اس کو میجر ڈالس اور میجر آلن نے پالکی میں ڈال کر اس کے گھر بھجوانے کی کوشش کی لیکن اس کا راستہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ دوسرے دن میجر آلن اس کے بھائی کے ہمراہ اس کے مکان پر پہونچا تو جو عبرتناک منظر اس نے دیکھا اسے بیان کرتا ہے "ہم پہلے اس جگہ پہونچے جہاں گذشتہ دن میر معین الدین زخمی پڑا ہوا تھا وہاں اس کی ایک جوتی پڑی ہوئی تھی جس کو اٹھا کر اس کے بھائی نے سینہ سے لگا لیا اور زار و قطار رونے لگا۔ اس کے بعد ہم اس کے مکان پر گئے۔ مکان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ گھر رات ہی لٹ چکا تھا یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی نازیبا سلوک کیا تھا۔ میر معین الدین کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوئی تھی۔ لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا

جو معین الدین کا بیٹا تھا اور چند دوسرے رشتہ دار بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر کے بعد اٹھایا گیا اور سکاٹ کے باغ کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔ قبر کو توہین سے بچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد صفحات ۲۹۵، ۳۰۶ تا ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۸۷، ۵۸۸ وغیرہ)

۱۷۔ **میر قاسم علی**: دیگر میر صاحبان کی طرح یہ بھی عجمی النسل سید تھا۔ تمام عمر سلطانی ملازمت میں گذری۔ اس کا وطن مالوف حیدر آباد کی سرحد پر تھا ایک مرتبہ رخصت لیکر اپنے وطن کو روانہ ہوا تو میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ اس کے پاس بہت سا سرکاری مال ہے لیکن تلاشی لینے پر مال برآمد نہیں ہوا اس لئے چھوڑ دیا گیا۔ سلطان کے خلاف اس کے دل میں یہ عناد تھا جو اپنے وقت پر رنگ لایا۔ آخری مرتبہ اپریل ۱۷۹۸ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن جانے کی اجازت طلب کی تو سلطان الشہید نے دربار عام میں اس کی خدمات کو سراہتے ہوئے اپنے دستِ خاص سے دو زریں شال، ایک دوپٹہ، ایک مرصع زیور، ایک مرصع تلوار اور سلطانی اصطبل کا ایک گھوڑا مرحمت فرمایا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ سلطان کے خلاف انگریزی سازش کا جال بچھ چکا تھا اور بڑے بڑے تعلقدار، پالیگار اور سردار سازش کے جال میں پھنس چکے تھے۔ میر قاسم علی کو اپنی سابقہ توہین کا بدلہ لینے کے لئے اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا تھا اس نے الطاف خسروانہ کا جو بدلہ چکایا وہ مصنف "تاریخ سلطنت خداداد" نے میبذونہ کی زبانی بتایا ہے۔ لکھتا ہے "میر قاسم علی حیدر آباد جانے کے بجائے انگریزوں سے جا کر ملتا ہے اور ان کی فوج کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوبی مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے جہاں سے انگریزی فوج ۴ مئی کو حملہ آور ہوئی۔ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔" دوپہر کے وقت دریا کو پار کرکے جو شخص سب سے پہلے فصیل قلعہ پر پہونچا وہ بیرڈ تھا اور اس کی رہنمائی کے لئے اس سے بھی آگے میر قاسم علی تھا۔

(تاریخ سلطنت خداداد ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۹۱)

مفتی انتظام اللہ شہابی

سلطنت خداداد کے زوال میں اپنوں کا ہاتھ

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مغلیہ حکومت کے حصے بخرے امرائے دربار کے ہاتھوں ہوئے اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔ ۲۸ ذیقعدہ روز جمعہ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء کو اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی امرائے سلطنت نے معظم شاہ، اعظم شاہ کو باہم میدان جنگ میں لا کھڑا کیا۔ اعظم شاہ مارا گیا۔ پھر کام بخش بھی ضد میں ختم ہوا۔ معظم شاہ بہادر شاہ کے لقب سے تخت دہلی پر متمکن ہوا۔ اس کے مرنے پر وزیر اسد خاں اور ذوالفقار خاں نے معظم شاہ کی اولاد میں جنگ وجدال کا بیج بویا۔ معزالدین جہاندار شاہ بھائیوں پر فتحیاب ہوا مگر فرخ سیر ابن عظیم الشان ابن بہادر شاہ نے سادات بارہ سید حسین علی و سید عبداللہ کی دست گیری سے معزالدین کو بید غل کیا خود حکمران بن گیا یہ واقعہ ۱۴ ذوالحجہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء کا ہے۔ فرخ سیر نے عبداللہ خاں کو وزارت تفویض کی اور حسین علی کو امیر الامرا بنایا نظام الملک آصف جاہ کو ناظم دکن مقرر کیا۔

” محمد فرخ سیر جہاں افروز تخت سلطنت گردید بخطاب

نظام الملک بہادر فتح جنگ و منصب ہفت ہزاری مباہی
ساختہ بنظم دکن مامور فرمود۔

(تاریخ گلزار آصفیہ)

مگر سید حسین علی کو یہ امر ناگوار ہوا خود وہ حیدرآباد نظام الملک کو بیدخل کرنے پہونچا
عبداللہ خاں نے بھائی کو لکھا تمہارے جاتے ہی فرخ سیر نے بے رخی برتنی شروع
کر دی واپس آکر اقتدار کو سنبھالو حسین علی نے جو اسوقت مرہٹوں کا مقابلہ کر رہے تھے ۱۱۲۹ھ میں
راجہ ساہو کے ساتھ محمد انور الدین برہان پوری وشنکراجی ملہار کے ذریعہ صلح کر لی اور ۱۱۳۰ھ
میں چالیس ہزار فوج جس میں مرہٹہ بہ سرداری بالاجی پیشوا اور راجہ اجیت سنگھ جو
خسر فرخ سیر کے تھے انہیں بھی ہمراہ لیا دلی پہونچے اور فرخ سیر کو گرفتار کر کے مروا ڈالا۔

"خانی خاں نے لکھا ہے جس دن امیر الامراء حسین علی خاں
مرہٹوں کو اپنا معاون بنا کر دارالسلطنت میں لایا تو مغلیہ
سلطنت کی طاقت، وقار اور سطوت کو بہت بڑا دھکا پہنچا
تھا۔"

غرضیکہ سید برادران نے رفیع الدولہ و رفیع الدرجات کو یکے بعد دیگرے بادشاہ بنایا
یہ جلد جلد دنیا سے رخصت ہو گئے ۱۱۳۱ھ میں روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے
تخت دہلی پر لا بٹھایا مگر ان بھائیوں نے ایسے سلوک بادشاہ و امراء سے کئے کہ وہ عاجز ہو گئے

امیر الامراء باشارہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر بخشی بدست
میر حیدر کاشغری بقتل رسید۔

تاریخ گلزار آصفیہ باب دوم ص ۵۸

عبداللہ خاں محمد شاہ کے مقابلہ پر آئے گرفتار ہو کر قید کئے گئے دنیا قید ہستی سے بھی آزاد
ہو گئے۔

محمد شاہ نے آصف جاہ کو منصب وزارت عطا کیا۔

"در وقت محمد شاہ بمنصب اعلیٰ وزیر اعظم با خطاب

آصف جاہی حکومت ممالک دکن سرفرازیہا یافتہ۔"

(نتائج الافکار ص ۰۰)

محمد شاہ کے عہد میں ہی شاہی دربار میں ایرانی و تورانی جو گے وجود میں آگئے تھے
تورانی گروپ کے سرگروہ نظام الملک اور ایرانی جماعت کے سربراہ عمدۃ الملک
امیر خان انجام اور اسحٰق خان نجم الدولہ تھے۔

سر جادو ناتھ سرکار نے تاریخ احمد شاہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

"یہ تمام فتنہ و فساد ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں
کا نتیجہ ہے۔"

(مغلیہ سلطنت کا زوال ج ۱ ص ۸)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی بعض جماعتوں نے قسمت آزمائی کرنی شروع کی مرہٹے،
سکھ، روہیلے اور جاٹ غیر منظم اور نا استوار سیاسی ماحول کا فائدہ اٹھا رہے تھے
نظام الملک امور ملکی کو سدھارنا چاہتے تھے مگر ایرانی امراء محمد شاہ کی دلچسپیوں
کے ہم آہنگ ہو کر اس کو ان سے بدظن کرتے نظام الملک نے ان امراء کی حرکتوں سے
عاجز ہو کر دکن کی راہ لی یہاں کی حالت کی خبریں نادر شاہ تک پہونچی بعض روایات
کے مطابق خود یہاں کے ایک امیر نے نادر شاہ سے رجوع کیا نادر شاہ تو ایسے موقع
کی تلاش ہی میں تھا اس نے ۱۱۵۱ھ میں ہندوستان کا رخ کیا۔

محمد شاہ نے صمصام الدولہ کے ہمراہ مقابلہ کو فوج بھیجی۔سعادت خان برہان
الملک شریک تھے صمصام الدولہ زخمی ہوئے۔آصف جاہ پہونچے سعادت خاں
نے نادر شاہ سے معاملات طے کئے آصف جاہ دلی لوٹے اور روداد مصالحت
اس عنوان سے پیش کی گئی کہ سب کارگزاری ان کی سمجھی گئی اور یہ وزیر المالک کئے
گئے یہ خبر سعادت خاں کو ملی اس نے نادر سے کہا دلی قریب ہے چل کر
بادشاہ سے مل لیجئے چنانچہ نادر دہلی آیا اور محمد شاہ نے مہمان نوازی کی ہر دو کے تعلقات کا
نقشہ آنند رام مخلص نے یہ دکھایا ہے۔

در ہزار و صد و پنجاہ و یک ۔ شاہ ایران گذشت از آب
اٹک یک مملکت ہند دو خسرو دارد ۔ چہ بود است
عجب بازی شطرنج فلک ۔

بدائع وقائع

ایک دن کا واقعہ ہے ایرانی سپاہی شہر میں گشت کر رہے تھے دلی کے او باشوں نے یہ افواہ اڑادی نادر شاہ مارا گیا۔ کچھ غنڈوں نے سپاہیوں کو گھیر کر مار ڈالا ہنگامہ میں سات سو سپاہی مارے گئے
سیر المتاخرین اردو ج ۲ صفحہ ۱۰۹

نادر کو خبر ہوئی تو اس نے قتل عام کا حکم صادر کیا۔ تمام ایرانی فوج اہل دہلی پر ٹوٹ پڑی عورت و مرد قتل کئے گئے بازار لوٹ لئے آگ لگا دی گئی اس ہنگامہ میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد قتل ہوئے۔ آصف جاہ کے عرضداشت سے نادر نے تلوار میان میں کی اس کے بعد ہر دو بادشاہ یکجا ہوئے نادر نے اپنے لڑکے نصر اللہ کی شادی شاہی خاندان کی لڑکی سے رچائی۔ تاوان اور دیگر طریقوں سے بے حد و بے حساب دولت نادر کے حصہ میں آئی۔ اس واقعہ سے ہی مغلیہ حکومت کے وقار کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ملک کے باغی سپاہی لاقنوں کو ابھرنے کا موقعہ مل گیا۔
کچھ عرصہ بعد نادر کے حملہ آٹھ سال بعد ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر مسلسل نو حملے کئے اور غارتگری کی جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اس اسلامی حکومت کی کیا حالت ہو گئی ہوگی۔ بدنظمی اور نظم و نسق کے انحطاط اور زوال پذیر ہونا اس سلطنت کا لازمی تھا۔
محمد شاہ ۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء کے بعد احمد شاہ ۲۸ - ۱۷۵۴ء پھر عالمگیر ثانی ۱۷۵۴ء - ۱۷۵۹ء بادشاہ ہوئے۔ شاہ عالم ثانی نے تو رہی سہی آبروئے سلطنت کو خاک میں ملا دیا۔
(جہاں کشائے نادری صفحہ ۲۲۲)

حکومت مغلیہ کے انحطاط کے زمانے میں جبکہ امرائے سلطنت کے حصے بخرے کر رہے تھے ایک غریب سپہ زادہ ٹیپو سلطان دکن کے ایک گوشہ سے نمودار ہو کر اپنی سعی سے ایک خداداد سلطنت کا بانی ہوئی مگر امرائے ہند بجائے خوش ہونے کے اس کے دشمن بن گئے اور اس کی تباہی اور بربادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ غیر مسلم نہ تھے بلکہ بھائی بند تھے۔ چنانچہ عبرت اور بصیرت کے لئے

ان بزرگوں کے کارنامے اس مضمون میں پیش کئے ہیں ۔ جن بھائی ہندوؤں نے سلطنت خداداد کے خاتمہ میں مددگار ہو کر اس خطہ کے مسلمانوں کو اغیار سے تباہ و برباد کرایا ۔

یہ غریب ہستی حیدر علی نائک کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ تزک آصفیہ میں اس مرد مجاہد کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے ۔

حیدر نائک پسر فتح نائک بن علی نائک کہ اصل بود باش آبا و اجداد
او در قصبہ کولار است علی نائک بسعی جمیل استحقاق رسوخیت کہ نزد
مرزبان میسور بہم داشت بمدارج عالیہ ترقی کردہ بچوگان طالع
گوئی اعتبار از ہمگنان ربودہ بجمعیت دو صد سوار و دو ہزار پیادہ
علاقہ جمعداری کہ در اصطلاح القوم نائک میگویند ۔ یکی از مشاہیر
ملازمان راجہ شد بدین طریق مدتی بسر برجن روزگار او سپری جنگ فتح نائک بسوابق حقوق دولت
برپایہ پدر خود قدم اعتماد نہادہ بکار مرجوعہ پدر خود مامور و مستقل
شد دو پسر از او بوجود آمد شہباز نائک و حیدر نائک شہباز نائک
بہ حسن سلوک و ثمرہ اخلاق جارح تالیف قلوب گشادہ ....
و زمام بی کام خود علم امتیاز افراخت و نزد راجہ بیش از پیش بحصول
قدر و منزلت اندسایر ملازمان افزودہ ....
و حیدر نائک را بسایہ عاطفت خود بجائے فرزندان تربیت
کردہ ۔ در خاطر جوی او پیچیدہ بمضائقہ نمی نمود ما دام بدیہ خلفت
در تخمیر او ۔

شیوہ سفاکی و بیباکی بود اکثر دل آزاری راشعار خود ساختہ بدست
و زبان جگر مردمان می خست و غیر از صحبت زشت طینتان و درشت
خویان نمی نشست آخر شہباز نائک کشیدہ خاطر شدہ بعضے اسباب
روزگار او ساختہ پرداختہ از خود جدا ساخت حیدر نائک

نیز رنجیدہ شدہ نزد کراچوری نند راج کہ دلوائی (دستور کارفرما) راجہ میسور یہ وخسر او بود و امور ریاست چناں محیط و مستقل گردید........ و دلوائی از حسن خدمت ظاہری او ذولفیۃ شدہ و در قفس زندان جود افتخار بخشندہ.......... حیدر نایک یوماً فیوماً در ہمہ امور دخیل کار گشتہ (تزک آصفیہ حق صفحہ ۱۶۸)

یہ عبارت حیدرآبادی مورخ کی ہے کہ کس انداز سے نواب حیدر علی کا ذکر کرتا ہے مگر واقعہ یہ ہے سلطنت خداداد کے بانی مبانی نواب حیدر علی تھے۔ جن کی ذات گرامی دانشمندی بہادری اور امور مملکت کے انصرام میں پاک و ہند میں اپنا جواب آپ تھی۔ اس بزرگوار ستی نے اپنی لیاقت و جرأت سے ایک اسلامی سلطنت قائم کی اس کے معاصر حکمران وہ تھے۔ جنھوں نے اپنے آقا زادوں سے بے وفائی برتی اور صوبہ داری سے خود آزاد حکمران بن گئے لیکن نمک خوار مورخین نے اپنے آقاؤں کے مناقب و فضائل میں ہزارہا صفحات سیاہ کئے ہیں۔ مگر حق گو مورخین نے ان گناہوں کا پردہ فاش کیا۔ اس جگہ یہ تلخ داستان مختصر پیش کی جاتی ہے۔

خاندان نظام آصف جاہ اول کا انتقال ۱۱۶۱ھ میں ہوا ان کے بعد نواب ناصر جنگ برسر حکومت آئے ان کے بھانجے مظفر جنگ اس کے مقابل صف آرا ہوئے ناصر جنگ مقتول ہوئے۔ مظفر جنگ حکمران بنے افسروں کے ہاتھ سے یہ بھی قتل ہوئے۔ ان کے بعد صلابت جنگ حکمران ہوئے۔ جنھیں نظام علی خان نے معزول کر کے تخت پر قبضہ کیا۔ ۱۱۷۵ھ سے ۱۲۱۸ھ تک یہ حکمران رہے۔ اس زمانہ میں نواب اہم کاٹ خود مختار ہوئے۔ ان کا قومی و ملی کارنامہ یہ ہے کہ سلطنت خداداد کی تباہی میں پیش پیش تھے۔ گلزار آصفیہ میں ہے۔

> ہنگامہ شورش و فتنہ انگیزی ٹیپو سلطان ولد حیدر علی خان المشہور
> بحیدر نایک از سمت سرینگ پٹن شیوع یافت و مہابت جنگ دا اجاہ
> خاص نواب شجاع الملک امیر الدولہ بہادر ادہونی را با وصف جمعیت
> قلیل پورشہائی افواج ٹیپو سلطان مذکور را بر گردانیدہ خود را و
> قلعہ مذکور را محفوظ داشتہ بعرض مقدس حضرت غفران مآب
> رسانید و مقاتلت اجمال اعنان را و پنڈت پردہان درباراں انگریز

بہادر نیز عاجز آمدہ دست عجز بحضور رجوع نمودند نظر بر فدویت و رسوخ حیدر بیگ

اول بنصائح دلپذیر مشفقانہ آگاہ فرمودند چون ہیچ ماندہ از آں مرتبہ نہ

شد ماشئی زاید حرکات ناشائستہ از و بظہور آمد ناچار در سنہ یک ہزار

و دو صد و چہار ہجری تا بقلعہ پانگل موکب اقبال باہتزاز در آمدہ از

آنجا مرشد زادہ بلند اقبال سکندر جاہ بہادر معہ اعظم الامراء و سرداران

افواج قاہرہ با جمعیت سرکار دولت مدار و سرداران انگریز بہادر جمعیت عورش و جمعیت اثبنٹ پر وہاں ہمراہی ہرکہ

ہنٹ بہر کیہ پیشتر تا قلعہ سرینگ پٹن روانہ فرمودہ خود بدولت

و اقبال با سہ سال دولت بجشلنے سالگرہ خاص و سیر و شکار و بخشش جواہر

بے حساب مشغول بودند بعد انفصال معاملہ ٹیپو سلطان و گرفتن

یک کرور روپیہ نقد حسنامہ جمعیت سرکار محالات ایک کرور روپیہ

کڑپہ سدھوٹ دیپی کوتہ وغیرہ اعظم الامرا در رکاب مرشد زادہ موصوف

مراجعت نمودند:- گلزار آصفیہ صفحہ ۸۲

حکیم شمس اللہ قادری قاموس الاعلام میں لکھتے ہیں ۔

۱۷۹۶ء میں جب ٹیپو سلطان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے مفتوحات سے کرمکنڈہ

گوتی اور ان کے ملحق علاقہ جنکا محاصل چھ لاکھ روپیہ سالانہ تھا نظام علی خان کو ملے ۔ صفحہ ۶۵ ۔

گلزار آصفیہ کی ایک عبارت ٹیپو سلطان کے سلسلہ میں ملاحظہ طلب ہے ۔

و در سنہ یکہزار و دو صد و سیزدہ ہجری استیصال ٹیپو سلطان کہ خود را سلطان

ما سلطان الحصر میدانست بوقوع آمد حقیقتش این کہ چوں حرکات ناپسندیدہ

ٹیپو سلطان صاحبان انگریز را بر سر استیصال آوردہ ناچار نظر بہ شرکت

سرکارین شرکت صاحبان مذکور ضرور افتاد لہٰذا میر عالم بہادر با جمعیت

سرکار عالی بکمک لارڈ کارنوالس و جنرل ہارس وغیرہ و دیگر

سرداران انگریز تا سرینگ پٹن رفتہ شریک حال گردیدند چنانچہ مفصل

کیفیت جنگہائی آنجا از کتب مبسوط ہویدا میشود اختصاراً بر اجمال اکتفا نمود

بعد فتح و کشتہ شدن ٹیپو سلطان کہ مادہ تاریخ شہادتش ہمیں عرخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد۔

یہ مختصر روداد آصفجاہی امرا کی تھی جو پیش کی گئی

سراج الدولہ انوارالدین خان شہامت جنگ ابن انوارالدین خان ولد۔

"پدرش حاجی انور بعینہ پیش نمازی از روشناس خلد مکان بود دوطن باگانش

گوپا موصوبہ اودہ ونام اصلی شہامت جنگ شیخ خان بیان است"

مآثرالامرا ج ۲ صفحہ ۵۲۸

سراج الدولہ انوارالدین خان کو نظام الملک نے کرناٹک کا صوبہ دار کیا۔

بعد جداری کرناٹک صوبہ فرخندہ بنیاد نوائے اموری او داشتہ۔

مآثرالامرا ج ۲ ص ۵۲۸

نظام الملک آصف جاہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بیٹے اور نواسہ میں جنگ چھڑگئی سابق صوبہ دار

ارکاٹ حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ سے تعلق پیدا کرلیا۔ اور ارکاٹ پر

حملہ بول دیا۔ فرانسیسی ان کے معاون تھے۔ انوارالدین خان کے مددگار انگریز تھے۔

مگر اس جنگ میں (۱۱۶۲ھ) یہ کام آگئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے محمد علی ان کی

جگہ نواب نامزد ہوئے۔ اور ارکاٹ کے نکلنے کے بعد ترچناپلی میں پناہ گزین ہوئے۔

محمد علی خان پسر انوارالدین خان گوماہوی لبعد شہادت پدر قلعہ ترچناپلی

رافائم کرد۔ (مآثرالامرا ج سوم صفحہ ۸۲۱

محمد علی نے انگریزوں سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے خلاف مدد

مانگی۔ اور اس کے صلہ میں کرناٹک کے پندرہ علاقے کمپنی کو دینا

منظور کئے۔ چنانچہ کلائو نے ۱۸۰۱ء میں ارکاٹ پر ان کا تصرف

کرادیا۔

د باستصواب کلاہ پوشاں۔ از حضور بادشاہ دقت بخطاب امیر الہند

والا جاہ نامور گشت۔ (مآثرالامراء جلد ۳ ص ۵۳۰

والا جاہ انگریزوں کے بڑے معاون تھے۔ ناصر جنگ انگریزوں کو مدراس سے بیدخل کرنا چاہتا تھا۔ یہ انگریز کے مددگار رہتے ورنہ انگریز رخصت ہوگیا تھا۔ جب والا جاہ کی حکمرانی مضبوط ہوگئی۔ تو انگریز نے میجر لارنس کو بطور ریذیڈنٹ مقرر کیا۔ والا جاہ بڑی سمجھ اور بوجھ کے حکمران تھے مگر انگریز جوان کا محسن تھا، اس کی کرتا دھرتا ہوئے تھے حتیٰ کہ جب انگریز اور سراج الدولہ سے جنگ ہوئی تو۔ انھوں نے اپنی فوج بنگالہ بھیجی قصر والاجاہی میں لکھا ہے۔

ہمگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع و مقامات کرناٹک سوائے فوج مایحتاج قلعہ ہا ستر نگر مایحتاج قلعہ ہا ستر نگہبران ست۔ کلیہ پس لسواری جہازات برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود۔

یہ عمل والا جاہ کا آج کل کے مورخین کی نگاہ میں کھٹکتا ہے۔ قومی نقطہ سے یہ مستحسن نعل نہ تھا کہ سراج الدولہ کے مقابلے میں غیر ملکیوں کا ساتھ دیا گیا ہے۔ اس کے سوا خداداد سلطنت کے خلاف انگریز کی مہم میں ساتھ دینا افسوس ناک واقعہ ہے نواب حیدر علی نے اپنے قوت بازو سے ایک اسلامی حکمرانی میسور میں قائم کی نظام اور والا جاہ نے انگریزوں کا اس کے پامال کرنے میں ساتھ دیا۔

میسور کی پہلی جنگ ۱۷۶۹ء میں انگریز اور نواب حیدر علی سے ہوئی۔ کرنل اسمتھ کی قیادت میں نواب والاجاہ کی زیادہ تر فوج تھی۔ حیدر آبادی فوج کی کمک خود نظام الملک نے ساتھ میں تھی۔ (تاریخ ہند سنکلیر صفحہ ۱۶ بحوالہ تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحہ ۸۳)

نواب حیدر علی کے دشمن جیسے انگریز تھے ویسے ہی اپنے دو بھائی نظام الملک اور والاجاہ تھے۔ چنانچہ اس نے بھی ان بھائیوں کی بے وفائی کا پورا انتقام لینا چاہا۔ اور لیا جس کی تفصیل موضوع سے باہر ہے۔ مگر حیدر علی نے ارکاٹ کو برباد کر دی سے لیا والاجاہ کے سردار سعید حمید کمیدان راجہ بیربر اور میر صادق قید ہوئے۔ اور نواب کے ملازم ہوگئے نشان حیدری بیان ہے۔

نواب حیدر علی نے دربار کے موقعہ پر کہا۔

والا جاہ محمد علی کی باطن دشمنی اور ہر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آگیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں

غضب الٰہی کا آلہ کار بن کر آیا ہوں (سلطنت خداداد ص ۱۴۵)
یہ بھائیوں کے کارنامے تھے اب ہم اس کے غدار ساتھیوں کا ذکر کرتے ہیں ۔

میر صادق

میر صادق نواب والاجاہ محمد علی کے سرداروں میں سے تھا۔ نواب حیدر علی نے ۱۷۸۰ء میں ارکاٹ پر حملہ کیا ۔ والاجاہ اور انگریزی افواج نواب کے مقابلے پر تھیں ۔ مگر وہ مغلوب ہوئیں اسر دار و والاجاہی اسیر ہوئے ارکاٹ پر حیدر علی کا قبضہ ہوا سید حمید کمیدان راجہ بیر برادر میر صادق والاجاہ سے نمک حرامی کر کے حیدر علی کے نوکر ہو گئے ۔ سید حمید چار ہزار سپاہ کے سردار ہوئے بیر بر ارکاٹ کا ناظم ہوا میر صادق افسر محاصل مقرر ہوا ۔ علے میر صادق میر عالم کا قریبی رشتہ دار تھا ۔ میر عالم انگریز کے ہوا خواہ تھے یہ ان کا ہم نوا تھا اس کی پہلی حق نمکی والاجاہ کے گھرانے سے پیدا ہوئی ۔ ان کو چھوڑ کر نواب حیدر علی کا وفادار بنا ٹیپو سلطان کو وفاداری کا عہد لکھ کر دیا ۔ مگر کو نمکی اس کے رگ رگ میں بسی تھی اس نے اس اسلامی حکومت کو تباہ کرنے میں جو خدمات انجام دیں اس کا ذکر تاریخ سلطنت خداداد میں دیکھئے ۔

سلطان جس وقت ہندوستان کی آزادی کے لیے آخری بار انگریزوں سے مقابلے کے لیے نکلا تو میر صادق نے قلعہ کا دروازہ بند کرا دیا تاکہ سلطان زندہ قلعہ میں واپس نہ لوٹ سکے اور اس نے انگریزوں کو خبر پہنچا دی آخرش سلطان شہید ہوئے ۔ پھر اس نے سلطان کی اولاد کو محروم کرنے کا مشورہ انگریزوں کو دیا (ٹیپو سلطان صـ ۸۸) سنا ہے کہ آج بھی اس کی قبر پر تھوکا جاتا ہے ۔

علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

میر غلام علی لنگڑا

یہ بزرگ بھی علتی کا پارٹ اس خداداد سلطنت کی تباہی اور بربادی میں ادا کر رہے تھے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ارکاٹ پر حیدر علی کا قبضہ ہوا تو یہ نواب کے معتمد بن گئے

والاجاہ سے نمک حرامی کی یہ میر صادق کے دست راست تھے عہد ٹیپو سلطان میں قلعہ جات اور افواج کا ناظر تھا پھر وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوا۔ سلطان اس پر بے حد بھروسہ کرتے تھے۔ سلطان ترکی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے اس کی سفارت ناکام ہوئی مگر انگریزوں کو ان کے سفیر کے ذریعہ یہاں کے حالات سے مطلع کیا۔ واپس آیا اس کے حالات کا علم سلطان کو ہو گیا۔ یہ نظر بند کئے گئے پھر چھوڑ دیئے گئے۔ محمود خان محمود بنگلوری مرحوم لکھتے ہیں کہ کتاب سرنگا پٹم کی مصنفہ باربن نے لکھا ہے۔ کہ

سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا۔"

جب سلطان شہید ہو گئے تو شہزادوں کی تخت نشینی کے سلسلے میں کیپٹن کے روبرو اس نے کہا۔

افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست ۔

چنانچہ شہزادے اس غدار کی بدولت تخت سے محروم کئے گئے۔ غلام علی اس کے بعد کے دس بارہ سال تک زندہ رہا تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن پاتا تھا۔

سلطنت خداداد ص ۳۸۵

بدرالزماں خاں نائطہ

ارکاٹ کی فتح کے بعد اس کا خاندان سرنگا پٹم آ گیا۔ یہ نواب حیدر علی کا ملازم ہو گیا۔ ترقی کرکے حیدر نگر کا گورنر بن گیا۔ پھر وزارت سنبھالی اس کی بیٹی سلطان کے برادر نسبتی برہان الدین سے منسوب تھی مگر اہل نوائط کو یہ رشتہ ناگوار ہوا — بدرالزماں کے ہم خاندان مہدی علی نائطہ نے سرنگا پٹم کا محاصرہ جس وقت انگریز کر رہے تھے۔ عہدہ گل کا مورچہ آقا سے۔ غداری کرکے انگریزوں کے حوالے کر دیا چنانچہ بدرالزماں بھی اس سلطنت کی تباہی میں ایک حصہ دار تھا

حلیم خاں حاکم کڑپہ

نواب حیدر علی کے ساتھیوں اور امرا میں ایسے لوگ تھے جو موقعہ بموقعہ نواب کے خلاف سازشیں کرتے رہتے نواب ان کی گوشمالی کر دیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۱ کا یہ واقعہ ہے چیتل درگ کو نواب فتح کرکے اور انتظام سے فارغ

ہو کر منگل چند کے موضع کے قریب قیام کیا اور خود روپوش ہو گئے اور اپنے انتقال کی خبر مشہر کرادی
ملا جنانہ بھی پٹن روانہ کرادیا۔ اس خبر سے کہرام پچ گیا۔ جب اس کی خبر حاکم کڑپہ کو پہنچی تو اس نے
نواب کی رحلت کو صحیح جان کر شکرانہ ادا کیا اور لوگوں میں شیرینی تقسیم کی اظہار مسرت کے لیے
نوبت بجوائی نواب کے خیر خواہوں کو نکلوا دیا۔ یکایک نواب ظاہر ہو گئے۔

نواب نے دربار منعقد کیا۔ جو رنج و غم میں مبتلا تھے ان کو انعامات دیئے اور
حاکم کڑپہ پر فوج کشی کر کے اس کی گوشمالی کر دی (نشان حیدری ص ۲۱۵)

میر معین الدین سلطان ٹیپو کے سوتیلے ماموں تھے۔ پہلے کرناٹک کی ایک انگریزی فوج میں معمولی جمعدار تھے پھر نواب حیدر علی کے ملازم ہوئے۔ گرم کنڈہ کی حکمرانی کے خواہاں تھے۔ حیدر علی کو چھوڑ کر مرہٹوں سے ساز باز کر گئے اور گرم کنڈہ مذا رضا کے صلہ میں مرہٹوں نے ان کو عطا کیا۔ جب مرہٹے رخصت ہو گئے حیدر علی کا قبضہ اس علاقہ پر ہو گیا تو نواب نے قرابت داری کے لحاظ سے ان کے قصور کو معاف کیا اور سابقہ عہدے پر بحال کر دیا۔ میسور کی تیسری جنگ میں یہ وفادار رہے پھر انگریزوں سے تعلق پیدا کر لیا۔ اور ان کی معاونت کی سلطان جس دن شہید ہوئے۔ یہ بھی خندق میں گر کر مر گئے

میر قمر الدین میر نور الدین، میر علی رضا گرم کنڈہ۔ کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اس لحاظ سے گویا سلطان ٹیپو کے سوتیلے ماموں زاد بھائی سلطان کی موت کی افواہ کسی نے اڑادی یہ خبر سن کر فوج لیکر سرنگا پٹم آیا تاکہ خود تخت حاصل کرے سلطان نے اس کی امید خاک میں ملا دی۔ اور گرفتار کر کے نظر بند کر دیا مگر پھر رہا کر دیا۔ اس نے انگریز نظام سے ساز باز کر کے گرم کنڈہ کا جاگیر لکھوالی اور اسکے ان سے وعدہ کیا کہ سلطان کی تمام سرگرمیوں سے ہر دم کو باخبر رکھے گا۔ میر قمر الدین سلطان کی دختر کا خواستگار تھا۔ مگر سلطان نے یہ رشتہ منظور نہیں کیا
چنانچہ فتح گرم کنڈہ کے وقت نظام حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ (کرمانی)
اس کے علاوہ میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بمبئی سے آنے والی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کے بجائے اس کو قلعہ سرنگا پٹم پر آجانے دیا۔

سلطنت خداداد ص ۲۹۰

میر قاسم

پٹیل میر نورالدین کا لڑکا تھا۔ حیدرآبادی تھا۔ مسلک امامیہ رکھتا تھا۔ یہ سرنگاپٹم کا قلعہ دار مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد سلطان سے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے انعام واکرام سے نواز۔ اور رخصت لے کر بجائے حیدرآباد جانے کے انگریزی فوج میں پہنچ گیا۔ اور جب انگریزوں نے حملہ کیا تو سپہ سالار فوج برڈ کو قلعہ کے کمزور پہلو پر لاکر کھڑا کر دیا۔ جو انجام اس جنگ کا ہوا۔ وہ ظاہر ہے۔

پورنیا کو بھی غدار کی صف میں مورخین پیش کرتے ہیں۔ مگر وہ ہندو تھا۔ اس کا سلطان کی رواداری کے مقابلے میں غداری کرنا حیرت انگیز نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ سلطان مردم شناس نہ تھے۔ ورنہ اس کی سازش کا شکار نہ ہوتے۔

مہدی خاں

مہدی خان سلطان کا دیوان ریاست تھا۔ یہ انگریز سے مل کر گیا جنرل میڈوز کے لئے راہ صاف کر کے اس کو کامیاب بنانا چاہا مگر وہ پٹ گیا۔ نشان حیدری سے صرف چند سطور اس غدار کے اوصاف کی پیش کی جاتی ہیں۔

جب حملہ آور فوجیں بہر حال خرابی و بربادی رخصت ہو گئیں۔

> تو سلطان ٹیپو نے ان سازشوں اور غداروں کی تحقیقات شروع کرائی جن کی وجہ سے یہ ہنگامہ برپا ہوا تھا..... جب سب کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ یہ ساری سازش سلطان کے مدار المہام میر مہدی خان کی برپا کی ہوئی تھی وہ چند کرناٹکی ساہوکاروں اور دوسرے نمک حراموں کے ساتھ در پردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔ اور اپنے آقا کے ناموس و خانوادہ کو برباد کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نمک حرام نے نظم و نسق کے سارے شعبوں اور ذخائر میں ابتری پھیلا دی تھی یہاں تک کہ اکثر توپوں کو عین لڑائی کے وقت اس بدبخت نے ریت اور مٹی سے بھروا دیا تھا اس لئے توپچی موقع پر ان کو استعمال کرنے سے معذور رہ گئے تھے۔

نشان حیدری۔ ترجمہ۔ ص ۲۰۶

سلطان نے مہدی کو معقول سزا دی۔ !!

سیّد امام

کرنل ریڈ کا یہ کارندہ تھا اس کو کرنل نے سلطان کی جاسوسی پر معزز کیا یہ سلطان کی خدمت میں آیا ملازمت کرلی اور یہیں سے انگریزوں کے پاس خفیہ اطلاعات بھیجتا رہتا تھا ۔اس کے پروردہ لڑکے نے پردہ فاش کیا تو یہ اُس کے ساتھی لال خان بخشی میر نظر علی موکب دار اسمٰعیل خان رسالدار وغیرہ کو سلطان نے معقول سزا دی اور انکا ایک اور ساتھی تھا امام الدین نامی وہ فرار ہوگیا ۔

غرضیکہ ایسے بہت سے بزرگ ہیں جن کے حالات تاریخ سلطنت خداداد میں محفوظ ہیں مگر ہم نے چند نام ور لوگوں کی کارگذاریاں عبرت اور بصیرت کے لئے اس جگہ پیش کی ہیں ۔

ابو سلمان شاہجہاں پوری
(سکریٹری آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۶)

سلطان ٹیپو کی زندگی حقیقت و شعر کے آئینے میں

جہاں مورخ بوجہ عدم تحمل وقت حقائق کی ترتیب و تزئین سے عاجز آجاتا ہے اور حقائق کے اظہار و بیان کے لئے ظلم و استبداد کے مقابلے میں بے بس اور مجبور محض ہو کر قلم رکھ دیتا ہے، وہاں انسان کا شاعرانہ احساس جاگتا ہے اور وہ اسی دورِ ظلم و استبداد میں اپنے برشِ فکر و تخیل سے حقائق کی ایسی تصویر کھینچتا ہے کہ ایک طرف تو حق کے خد و خال واضح ہو جاتے ہیں دوسری طرف ظلم و طغیان اور جور و ستم کا مکروہ چہرہ دنیا کے سامنے آجاتا ہے یہی وہ دور ہوجاتا ہے جب شاعر محض شاعر نہیں رہتا بلکہ اس کا قلم مورخ کا فرض بھی انجام دیتا ہے اور اس کا ایک وجود ہوتا ہے جو استبداد کی اندھیاری میں روشنی کے منار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب ظلم و طغیان کسی قوم کے حق و حریت کے احساس تک کو مٹا دینا چاہتا ہے تو صرف شاعر ہی وہ تنہا وجود ہوتا ہے جو انہیں حالات میں اپنے افکار کی شمع جلاتا ہے اور قوم میں اس کے حق و حریت کے احساس کو بیدار رکھتا ہے۔ ان حالات میں شاعر کبھی مورخ کا فرض انجام دیتا ہے، کبھی قومی رہنمائی کے میدانوں میں سرگرم عمل دکھائی دیتا ہے اور کبھی قوم کو داعی الی الحق کے مقام سے پکارتا ہے۔ پھر جب قوم کے جسم میں توانائی آجاتی ہے، حق و حریت کے لئے

سر کٹانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو شاعر رجز خوانی کرتا ہے۔ قوم کی ہمت بڑھاتا ہے۔ آبا و احداد کے کارناموں اور کبھی عظمت ماضی کے تذکروں سے غیرت دلاتا ہے۔ لیکن جب قوم کامیاب و کامران ہو جاتی ہے۔ مورخ کا قلم آزاد ہو جاتا ہے مدبروں اور مفکروں کے ذہن و دماغ سے پہرے اٹھ جاتے ہیں قومی رہنماؤں پر عمل وسعی کے میدانوں میں کوئی پابندی نہیں رہتی۔ قوم کے حقیقی معمار اور سچے رہنما قوم و ملک کی تعمیر و رہنمائی کے میدانوں میں اپنی اپنی جگہ سنبھال لیتے ہیں اور عوام خود اپنی قسمت کے مالک بن جاتے ہیں تو شاعر اپنے فکر و خیال کے عشرت خانوں میں ذہن و دماغ کا سکون حاصل کرتا ہے اور سارے عالم سے بے نیاز اپنے افکار کی مجلس سجاتا ہے اور تخیل کی رنگینیوں میں محو ہو جاتا ہے۔

یہ تمام باتیں شاعر کے مقامات بلند سے تعلق رکھتی ہیں اور اگرچہ شاعر کے مقامات بلند اور ان کا تجزیہ ایک دلچسپ موضوع ہے اور امثال کی بنیاد پر دلائل و براہین سے "قصر عظمت شعراء" تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس اجمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہاں ہمارے پیش نظر ایک دوسرا مقصد ہے اور اس کے حصول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اوپر کی سطروں میں شاعر کی جن متعدد حیثیتوں اور خصوصیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو صرف شعراء کے کلام سے قومی و ملی زندگی کی تاریخ تیار کی جا سکتی ہے اور قوم کے نہ صرف ادبی کمالات بلکہ سیاسی و اخلاقی اور سماجی تاریخ، کارناموں اور خصوصیات کا ایک حقیقی و واقعی مرقع تیار کیا جا سکتا ہے۔ شعراء کے کلام کی یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں ہم سلطان ٹیپو کی زندگی، اس کے کردار اور اس کے کارناموں کا تعارف مختلف شعراء کے اشعار سے کرانا چاہتے ہیں۔ اس غرض سے مختلف شعراء کے مختلف اشعار کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔ خیال آرائی اور مبالغہ شاعری کے اجزاء غیر منفک ہیں لیکن آپ دیکھیں گے ان اشعار میں نہ محض خیال آرائی ہے نہ مبالغہ آمیزی۔ کوئی بات ایسی نہیں جو تاریخی واقعات و روایات سے

خلاف ہو اور کوئی خیال ایسا نہیں جو حقائق سے پوری مطابقت نہ رکھتا ہو۔

سلطان ٹیپو کا دورِ حکومت

سلطان ٹیپو جنوبی ہند کی مشہور ریاست میسور کا قابل فخر حکمران تھا۔ اس کا دورِ حکومت عدل و انصاف، مساوات، آزادیٔ فکر و عمل، ترقی و خوشحالی اور امن و امان کے لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں سنہری دور خیال کیا جاتا ہے سلطان ٹیپو میں جہانبانی و حکمرانی کی اعلیٰ صلاحیتوں کے علاوہ تدبر اور دور اندیشی کی صفات بھی تھیں ذیل کے اشعار میں اس کے دور کی انہیں خصوصیتوں اور اس کی ذاتی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خدا نے دے کے زمامِ حکومتِ میسور — وہ انتظام کا تجھ کو عطا کیا مقدور
جھپٹ نہ سکتا تھا شہباز جانبِ عصفور — مگر جہاں میں ترا عدل جب ہوا مشہور

(رضا حیدر آبادی)

جنوبی ہند کا آزاد شاہ تھا ٹیپو — نظام و ضابطہ جس کا بہادرانہ تھا
رفاہِ عام کے کھولے تھے جس نے در ایسے — امورِ خیر ہی میں وقف سب خزانہ تھا
نظر جو آتا ہے دریائے کاویری پر بند — اسی کی حکمت و دانش کا شاخسانہ تھا

(مائل بنگلوری)

خوشا! وہ دور کہ گردش میں تھا عمل کا جام — بغل میں شاہدِ گلفام اور دل خوش کام
ہر ایک مورد التفات ساقی گلفام — تجھے خبر بھی ہے اے دورِ گردشِ ایام
زبانِ دہر پہ ٹیپو کا کیسا فسانہ تھا!

(محوی لکھنوی)

ٹیپو کی فراخ دلی

سلطان ٹیپو کی ایک بہت بڑی خصوصیت اس کی فراخ دلی تھی اسکی فراخ دلی حکومت کا ایک

محض ایک جز نہ تھی بلکہ اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ اس کی فراخ دلی سے اس کے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا اور بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی یہ فراخ دلی ہی سلطنت خداداد کی تباہی و بربادی کا باعث بنی۔ اگر وہ اپنی اس فطرت ثانیہ سے قطع نظر اپنے والد کی نصیحت پر عمل کرتا اور اپنے نامول صادق کو قتل کرا دیتا تو شاید اسلامیان ہند پر وہ مصیبت اور افتاد نہ پڑتی جو اس کی شہادت سے پڑی۔ اس کے کردار کی یہ خوبی (اور شاید کمزوری بھی!) کبھی جود و سخا کی صورت میں نمایاں ہوتی کبھی بلا تفریق مذہب و ملت رعایا پروری اور کرم گستری کی صورت میں کبھی عدل و انصاف کی صورت میں اس کا پرتو نظر آتا اور کبھی عفو و درگذر میں اس کا جلوہ دیکھا جاتا۔ اگرچہ وہ اپنی نجی زندگی میں پابند صوم و صلوٰۃ، اپنے مذہبی عقائد میں بے میل اور بے لچک مسلمان تھا لیکن ایک سلطان اور حاکم وقت کی حیثیت سے اس کا وجود مرجع خلق خدا، اور بلا تفریق منبع الطاف و عطا تھا۔ یہ اس کے کردار کی ایسی خصوصیات تھیں کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس سے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔ بے شمار اشعار ایسے پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں اس کے کردار کی مذکورہ بالا خصوصیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن یہاں صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایک تجھے تیری نگاہ فیض میں دیر و حرم	عدل رحمانی کا لہراتا ہوا پرچم تھا تو
	(شہاب یزدانی)

ترا مہر کرم تھا علم و فن پر یوں ضیا افگن	کہ ذرہ کو بھی آیا بدر بن کر ضو فشاں ہونا
کرشنا راج سا گر کیوں نہ اب ممنون ہو تیرا	سکھایا تو نے اعرج کو رواں ہونا دواں ہونا

رواداری کی پھونکی روح تو نے جسم عالم میں	ترا دم بھر رہے ہیں کیا مسلماں کیا ہنود اب تک
وہ گہوارہ امانت جس میں پلتی تھی خدائی کی	وہ گودی کھیلتی ہے جس میں فطرت کی نمود اب تک

(مشتاق قریشی بنگلوری)

مرجع خلقِ خدا ، مبدءِ الطاف وعطا　　نعمتِ رب کی غرض رحمتِ خالق کا سبب

(مشتاق طوفانی بنگلوری)

تو مجسم معدلت تھا ، مہر و وفا کی آن تھا　　سب رعایا کے لئے تو دین تھا ایمان تھا

(تنویر سیمابی)

آہ کیسا تھا وہ سلطان مساوات اساس　　مثل اسلاف جو رکھتا تھا مساوات کا پاس

(ذائق بنگلوری)

عدو بھی آج بیاں کرتے ہیں تیرا اخلاق　　مٹا دیا تھا ہر اک دل سے تو نے بغض ونفاق

(نضا حیدر آبادی)

جنگ سوم اور اس کا نتیجہ

جنگ سوم کے خاتمہ پر سلطان ٹیپو کو ایک بڑی رقم بطور تاوان جنگ ادا کرنی تھی اور تا وقتیکہ تاوان کی پوری رقم ادا ہو، شہزادے بطور یرغمال انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے۔ لیکن ان حالات میں بھی اس نے ہمت نہیں ہاری۔ یہ موقع اس کے لئے سخت آزمائش کا تھا لیکن اس نے اپنے حسن تدبیر و انتظام سے موعودہ مدت کے اندر تاوان کی رقم ادا کر دی اور ریاست پر اس کا ناگوار اثر بھی نہ پڑنے دیا اور ملک کی رفتار ترقی میں بھی رکاوٹ نہ پڑی۔ اس نازک موقع پر سلطان ٹیپو نے جس بے مثال جرأت، تدبر، حکمت عملی اور غیرت و خودداری کا ثبوت دیا۔ چند اشعار میں ان حالات و کردار کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ درج ذیل ہیں۔

کس قدر دل سوز ہے یہ جنگ سوم کا مآل　　شیر مجبور خاطر ہو گیا پیش شغال

بربریت ہنس رہی ہے رحم کا دل چاک ہے　　لے چلا ہے کوئی بچوں کو بطور یرغمال

پاس وعدہ اک طرف ہے جوشش الفت اک طرف

اپنے بچے اک طرف ہیں ملک و دولت اک طرف

(فیاض لنگوڈسی)

تھی اختتام پہ اک جنگ کے یہ دشواری — رقم خزانے میں فاضل نہ تھی کوئی بھاری
غنیم دیکھ کے حیراں تھا شانِ خودداری — جتائی اس نے جو تاوان کی طلب گاری

نہاں نہیں ہے عیاں ہے یہ غمال کا قصہ
وضاحت اس کی کروں کیا کہ ہر بڑا قصہ

زبانِ تیغ سے دشمن نے گو دیئے چرکے — وقارِ شاہی نہ ابدالے گھٹ سکا ڈر کے
حوالے کر دے لختِ جگر، عوض زر کے — وہ نونہال جو حاصل تھے زندگی بھر کے

پسند طاعتِ اعدا تجھے کبھی نہ ہوئی
یہ شرط وہ تھی جو منظور جیتے جی نہ ہوئی

(فضا حیدر آبادی)

غدارانِ وطن

سلطان ٹیپو کے مقابلے میں انگریزوں کی فتح بہادر دشمن اور طاقت و حکومت کی فتح نہ تھی بلکہ ایک شاطر اور عیار دشمن کی جیت تھی۔ جب میدان جنگ میں انگریز اپنی پوری قوت کے مظاہرہ کے باوجود سلطان ٹیپو کو شکست نہ دے سکے تو شاطر دشمن نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ انگریز کو ایسے مہروں کی تلاش ہوئی جو چند سکوں کے عوض اور ریاست و حکومت کے وعدے پر ان کے کام آسکیں۔ ملک کی بدقسمتی سے دشمن اپنی اس کوشش میں ناکام نہیں رہا۔ اسے چند ایسے مہرے مل گئے جو مملکت خداداد میں اثر و رسوخ اور اقتدار کے مالک تھے اور اپنے ملک، اپنی قوم کی آزادی اور اپنے ایمان کو فروخت کرنے پر آمادہ بھی ہو گئے اور اس طرح بڑی آسانی سے چند پر فریب وعدوں کی اجرت پر شاطر دشمن نے وہ کارنامہ انجام دیا جو طاقت کے بل پر میدان جنگ میں انجام دینے میں ناکام رہا تھا۔ ٹیپو سے غداری کا نتیجہ صرف یہی نہیں نکلا کہ ٹیپو کے ہاتھ سے مملکت خداداد نکل گئی یا ایک چھوٹی سی ریاست کی آزادی چھن گئی۔ بلکہ ٹیپو کی شکست اور اس کا یہ شہادت برصغیر پاک و ہند اور پوری اسلامی دنیا کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی اور ذلت و

رسوائی اور نامرادی کے دور کا یوم اول تھا۔ یہ ڈیڑھ سو سالہ دورِ نامرادی تاریخ کا خود ایک طویل دردناک باب ہے۔ یہ تمام ذلت و رسوائی قوم کے جن چند نفوسِ ملعونہ اور عبیدِ حرص و سگانِ دنیا کی بدولت آئی تھی اور جن کے نفس کی خباثتوں نے ڈیڑھ صدی تک پاک و ہند کی سرزمینِ مقدس کو برٹش جور واستبداد سے پائمال ہونے کا موقع فراہم کیا تھا اور اسلامیانِ ہند کو ذلت و نامرادی کے بستر پر تڑپایا تھا، شعراء نے ان کے قابلِ نفرین کردار کو نظم کر کے تاریخ کا ایک جز بنا دیا تاکہ آنے والی نسلیں ان کی غداریوں کا تذکرہ پڑھیں اور اس سے سبق حاصل کریں۔ اس موقع پر چند اشعار کا مطالعہ یقیناً سبق آموز ہوگا۔

آہ! خود اس کے وطن نے اس سے کیں غداریاں
یاد ہیں وہ ذہن قومیت کی سازش کاریاں

ڈیڑھ سو سال اس کی رحلت پر ابھی گذرے نہیں
دارِ کہنہ سے وطن کی دھجیاں بکھری تھیں

ہے یہ اس سلطان آزادی سے کاوش کا مآل
جور واستبداد سے ہندوستاں ہے پائمال

یہ مصیبت اس سے غداری کی ذمہ دار ہے
یہ غلامی روحِ آزادی کی اک پھٹکار ہے

ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن
ڈوب جا آفت کے طوفانوں میں اے غیرتِ وطن

حضرت علامہ اقبالؒ نے غدارانِ مملکتِ خداداد کے سرگروہ میر صادق کا نام بھی دنیا کو بتلا دیا۔

جعفر از بنگال صادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن

سلطان ٹیپو کی مذہبی زندگی

مورخین اور شعراء نے سلطان کی مذہبی زندگی کے بارے میں بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محض نام کا مسلمان نہ تھا بلکہ قابلِ رشک مذہبی زندگی رکھتا تھا۔ ایسی زندگی اور دینداری کی وہ بلندی جو وقت کے بڑے عالموں اور شیخ الاسلاموں کو بھی حاصل نہ تھی۔ سلطان کی مذہبی زندگی اور دینداری سے متعلق ایک منظوم واقعہ کے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی

معلوم ہوتا ہے کہ سچی دینداری حاصل کرنے کے لئے نہ ترک دنیا کی ضرورت ہے نہ علائق دنیوی کے انقطاع کی نہ بادشاہت کی ذمہ داریاں اس میں مانع آسکتی ہیں۔ واقعہ درج ذیل ہے۔

جب ہوئی مسجد اعلیٰ کی مکمل تعمیر — یادگار حشم و سطوت سلطان ٹیپو
افتتاح کیا اک جشن شہ والا نے — تھے ہزاروں علما گھر میں خدا کے مدعو
مشورہ سے یہ ہوا طے وہ بنے پہلے امام — ہو اگر "صاحب ترتیب" بعد شان علو
یعنی جس نے نہ قضا کی ہو صلوٰۃ خمسہ — عمر بھر جس نے کیا ہو نہ کوئی ترک وضو
سن کے یہ عالم و مفتی و مشائخ، صوفی — بن کے تصویر خجالت نگراں تھے ہر سو
شہ نے فرمایا کہ وہ صاحب ترتیب ہوں میں — للہ الحمد وہ بندہ ہوں کہ جس نے یہ خو
پھر بڑھا بہر امامت وہ مجاہد وہ جری — وہ شہید رہ مولیٰ وہ حرم کا آہو

کیوں نہ ان پر ہو اے مشتاقؔ خدا کی رحمت
بادشاہی میں بھی رکھتے تھے جو دل پر قابو

(مشتاق بنگلوری)

ٹیپو کا مقام

سلطان ٹیپو کے مقام عظمت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ اس کے لئے محض کتابوں کا مطالعہ۔ رنگاپٹم کے مشاہدات یا صرف مزار ٹیپو کے در و دیوار کی زیارت کافی نہیں۔ اس کے لئے دل زندہ اور چشم بینا کی ضرورت ہے۔ مورخ اس کا تاریخی مقام بتاسکتا ہے ایک سپہ سالار اس کے سپاہیانہ کردار کا نقشہ کھینچ سکتا ہے ایک ماہر حرب سپہ سالار کی حیثیت سے اس کے مقام کا تعین کرسکتا ہے لیکن سلطان ٹیپو محض ایک بادشاہ، اولوالعزم سپہ سالار، ایک جنگجو سپاہی، ایک مدبر اور صاحب نظم و ضبط ہی نہ تھا۔ وہ ایک "صاحب دل" اور درویش بھی تھا۔ سلطان امت کے اس طبقۂ علیا سے تعلق رکھتا تھا جن کو "صدیقین" کے معزز لقب سے نوازا گیا ہے۔ جن کی بصیرت علما، و فضلا اور عقلا کی بصیرت و

دانائی سے ہزار گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ وہ کسی حقیقت پر ایمان لانے کے لئے معجزات کے طلب گار اور ظہور وقائع و حوادث کے منتظر نہیں رہتے بلکہ ان کی بصیرت ہزار پردوں میں مستور حقیقت کو دیکھ لیتی ہے اور سب سے پہلے قلب و لسان سے اس کی تصدیق کرتے ہیں اور عمل و کردار سے وہ اس کی شہادت دیتے ہیں لیکن ان کے مقام کی بلندی اور ان کی عظمت کے فہم و معرفت کے لئے بھی فہم و فراست رومی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سلطان ٹیپو کی عظمت کا اندازہ لگانے سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ یقیناً نظر و فراست رومی ہم اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے لیکن نظر فکر رومی سے ہم اس کے مقام کا اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں۔

آں شہیدانِ محبت را امام | آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر | خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد | تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہ خواجۂ بدر و حنین | فقر سلطان وارث جذب حسین

رفت سلطان زیں سرائے ہفت روز
نوبت او در دکن باقی ہنوز

(علامہ اقبال رح)

وصیت ٹیپو رح

دنیا فانی ہے یہاں چھوٹا بڑا جو کوئی بھی آیا اسے فنا کی منزل سے گزرنا پڑا سلطان ٹیپو بھی اپنے بے شمار ایمانی خصائص، اخلاقی کمالات اور کردار کی بلندیوں کے باوجود آخر ایک فانی وجود تھا اسے بھی اس عام منزل فنا سے گزرنا پڑا لیکن اس کی ایک زندگی میں ہمارے لئے بے شمار بصائر و مواعظ ہیں اور حضرت علامہ اقبال کے الفاظ میں اس کی "وصیت" ہمارے لئے بہترین نصیحت ہے۔

ذرہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تندو تیز — ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں — محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

وفات

بالآخر اسلامیان ہند کی عظمت واقبال کا یہ آفتاب جس کی روشنی میں تمام عالم اسلامی چمک اٹھا تھا اور مسلمان حرکت وعمل کی ایک نئی زندگی شروع کرنے والے تھے کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا اور ذلت ونامرادی کا ایک دور نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ پوری اسلامی دنیا پر چھا گیا۔

ان اخذت مصر کما قد ذکروا — سرنج نتن لخذت وربہا

مصیبۃ ما مثلہا ارختہا — ذھب عز الروم والھند کلھا

(شیخ الجعفری)

اور وہ تلوار جو اسلامیان ہند کی عزت وسطوت کے قیام کے چمکی تھی ہمیشہ کے لئے گم ہوگئی۔

یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد"

ابوسلمان شاہجہاں پوری
(سکریٹری آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی ۱۶)

سلطان ٹیپو کا ایک قول
حقیقت و شعر کے آئینے میں

گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے: سلطان ٹیپو شہید کا مشہور قول ہے۔ لیکن یہ اس کا صرف قول ہی نہیں، اس کی پوری زندگی اس قول کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ ٹیپو کا یہ قول نہ صرف شعراء کا خاص طور پر مرکز توجہ بنا ہے بلکہ زندگی کے متلاشیوں کو زندگی کی حقیقت اس میں ملی، جاں نثارانِ ملک و ملت پر حیات و موت کے رازہائے سربستہ اسی ایک جملے سے آشکارا ہوئے تشنہ کامانِ شہادت کے لئے فلسفۂ حقیقت شہادت کی عقدہ کشائی اس نے کی۔ مجد و شرف کا حقیقی معیار اور آئینِ محبت و غیرت کا سرعنوان یہی قول بنا۔ واقعتاً سلطان کا یہ ایک قول نہ تھا بلکہ پوری داستان حیات کی ترتیب اسی پر ہوئی تھی اور جس طرح کسی داستان کے خاتمہ پر چند الفاظ میں اشارہ کر دیا جاتا ہے اور وہی چند الفاظ حاصلِ داستان قرار پاتے ہیں۔ اسی طرح اس قول میں سلطان ٹیپو کی پوری زندگی سمٹ آئی ہے۔ یہ قول اس کی زندگی کا خلاصہ اس کی حیات کا اصل الاصول اور یہی اس کا نظریۂ حیات تھا۔ اس کی زندگی میں اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ ایک نکتۂ لطیف تھا اور سلطان کی پوری زندگی اس کی شرح۔ سلطان خود اپنے قول کا مظہر اتم تھا۔

اگر سلطان ٹیپو شہید کے کارناموں میں زندگی کی آخر کا گھڑیوں کا شجاعانہ کردار اور اس کے تمام اقوال میں صرف یہی ایک قول شعراء کے فکر و نظر کا موضوع اور مرکز توجہ بنا ہے تو

سمجھ لینا چاہیئے کہ انہوں نے پوری زندگی ہی کو موضوع بنایا اور اس کی زندگی اور کردار کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو اس لئے کہ یہی اس کی زندگی تھی اس کی پوری زندگی جرأت و بیباکی، عزم و ہمت، شجاعت و غیرت اور حمیت و اولوالعزمی کی مظہر اتم تھی۔ یہی اس کا آخری نعرۂ مستانہ تھا۔ اور اس کی اس سے توقع بھی تھی۔

آئین جوانمردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شعرا نے سلطان شہید کے اس قول کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا اور اس اجمال کی شرح و تفصیل میں نئے نئے نکتے پیدا کئے ہیں۔ اس کا مطالعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ سبق آموز بھی ہے۔

مولانا ظفر علی خاں کے نزدیک ٹیپو کا یہ قول غیرت و حمیت کی اساس کی حیثیت رکھتا ہے، فرماتے ہیں:

آخری قول یہ اس کا نہیں بھولے گا	جس سے قائم ہوئیں حمیت کی حدود
شیر اچھا ہے جسے مہلت یک روزہ ملی	یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس کو زندگی کی حقیقت قرار دیا۔

زندگی را چیست رسم و دین و کیش	یک دم شیری بہ از صد سال میش

اور اسی رمز کو انہوں نے ایک دوسرے لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔

پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او	تا شنیدم از مزار پاک او
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست	ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

ایک امریکی مورخ نے سلطان کی شہادت کے چھبیس سال بعد ایک مرثیہ لکھا تھا اس میں اس قول کی روح کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

موت، بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو ندامت و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

اردو کے ایک شاعر خاکی ٹپٹودی نے سلطان ٹیپو کے قول کی روح کو اس طرح پیش کیا ہے۔

دے گیا اپنا یہ پیغام زمانے کے لئے　　　موت بہتر ہے غلاموں کی طرح جینے سے

سلطان کو ہتھیار ڈال دینے اور اپنے تئیں گرفتار کرا دینے کا مشورہ دینے والے سرداروں کو اسی شاعر کے الفاظ میں سلطان جواب دیتا ہے۔

بادشاہ ہو کے جیوں غیر کا قیدی بنکر　　　اس سے بہتر ہے کہ مر جاؤں سپاہی بنکر

شہاب یزدانی نے اپنی نظم "پیام ٹیپو" میں سلطان کی زبانی غلامی، آزادی، زندگی، شہادت اور معیار شرف و فضیلت وغیرہ کی عقدہ کشائی کی ہے اور آخر میں سلطان ہی کی زبان سے یہ پیغام سنایا ہے۔

ہے لعنت گر ملے بھی زندگی صد سالہ گیدڑ کی　　　اگر جینا ہو جی ناک روز بھی جی شیر بنکر جی

غازی بنگلوری نے دریائے کاویری کی زبان سے اہل ہند کو یہ پیغام دیا ہے۔

ایک دن شیرانہ جینا اس جہاں میں خوب ہے　　　سو برس کی روبہی بھی دوستو معیوب ہے

فاخر ہریالوی نے سنا تو تربتِ سلطانی سے یہ آواز آ رہی تھی۔

ابھی تک آ رہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے　　　اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ آواز سرنگا پٹم کے ذرہ ذرہ سے سنی جا سکتی ہے۔ البتہ اس کے لئے دل کے کانوں کی ضرورت ہو گی۔ محمود ساحر بنگلوری کے ذوقِ سماعت کی داد دیجئے۔ فرماتے ہیں:

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہید　　　قطرۂ خونِ شہید ان میں ہے جانِ زندگی

گیدڑوں کی زندگی پہ موت کو ترجیح لے　　　شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی

اور حقیقت تو یہ ہے کہ سلطان کے اس قول کی صدا نہ صرف تربت شہید، مزار کے در و دیوار اور سرنگا پٹم کے ذروں ہی سے نہیں آتی بلکہ اس کی گونج ہندوستان کے کونے کونے میں آج بھی سنی جا سکتی ہے۔

ابھی باقی ہے اس کی گونج جو کہتا تھا اکثر

صدوں سال سے گیدڑ کے ایک دن شیر کا بہتر

غور فرمائیے منشی نذیر بنگلوری کے فکر و خیال پر سلطان ٹیپو شہید کا قول اس طرح چھا گیا

سبب کہ اب ان کے دل کی آواز ہی یہ سبنے

جینے کی ہے ہوس تو صدا شیر بن کے جی　　ورنہ لہو سے لال رخ صبح و شام کر

سلطان ٹیپو کے اس قول نے نہ صرف اردو ادب میں ایک بلند مقام حاصل کیا ہے بلکہ دنیا کے انقلابی اور ادب عالیہ میں جگہ پائی ہے اور آج سلطان کے قول کی گونج نہ صرف دکن اور ہندوستان میں بلکہ اس کرۂ ارضی کے ہر حصہ میں سنی جاسکتی ہے۔ سلطان کا یہ قول صرف سپاہیانہ کردار ہی کا مظہر نہیں اور اس سے اس کے شجاعانہ ، غیرت مندانہ جذبات ہی کا پتہ نہیں چلتا بلکہ یہ اس کا حکیمانہ قول بھی ہے۔ اس سے زندگی کے بارے میں اس کے نظریہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک اولوالعزم سلطان اور غیرت مند سپاہی ہی نہیں تھا بلکہ وہ فلسفیانہ فکر و نظر کا حامل اور بالغ نظر حکیم بھی تھا۔ اس کے قول کی یہی اخلاقی اور حکیمانہ روح تھی جس نے اسے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ اگر سلطان کی دوسری صلاحیتوں سے قطع نظر کر لی جائے اس کے دوسرے کارناموں کو دنیا بھول جائے اور صرف اس قدر یاد رہ جائے کہ وہ ایک اولوالعزم سلطان اور غیرت مند سپاہی تھا اور اس وقت جبکہ ہتھیار ڈال دینے اور اپنے تئیں گرفتار کرا دینے کی قیمت پر جان بچا سکتا تھا، اس نے ہتھیار ڈالنے اور اپنے تئیں گرفتار کرا دینے کی ذلت گوارا کرنے کی بجائے مردانہ وار اور شجاعانہ جنگ کرتے ہوئے قتل ہو جانا پسند کیا تھا تو یہ سلطان کی عظمت اور تاریخ اقوام عالم میں اس کو عزت و احترام کی بلند ترین جگہ دیئے جانے کے لئے کافی ہے۔

سلطان کا یہی قول تھا، یہی اس کی زندگی اور آج یہی اس کا پیام بھی ہے۔

محمد سخاوت مرزا بی۔اے ال ال بی عثمانیہ

ٹیپو سلطان شہید اور موسیقی

ابوالفتح ٹیپو سلطان شہید: فتح علی سلطان المعروف بہ ٹیپو سلطان ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوا۔ عربی، فارسی اور انگریزی میں کافی مہارت پیدا کی، شہسواری و سپہگری کا بڑا ماہر تھا۔ ۱۱۹۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ ۱۸ سال حکومت کی۔ دکن کا یہ وہ مجاہد اعظم ہے جس نے انگریزوں کو ناک چنے چبوا دیئے تھے، چوتھی جنگ میسور میں بالآخر ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۹ء) میں (؟) ہوا شہید ہوا۔ "شمشیر گم شد" مادہ تاریخ شہادت ہے جو محض انگریزوں کی زبردست سازش اور اس کے افسروں کی غداری کا نتیجہ تھا۔ جو محتاج بیان نہیں۔ اس کی بہادری کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس کا مشہور مقولہ تھا کہ آزادی کا ایک دن غلامی کے ہزار دن سے بہتر ہے'

اپنے مختصر دور حکومت میں جو معرکہ آرائیوں سے مملو ہے اوس نے ملکی اصلاحات بھی کیں، تعمیراتی کام بھی کرائے علوم اور علماء کی سرپرستی کی۔ اہل اللہ کا بھی بڑا احترام کرتا تھا اور ایک خدا ترس بادشاہ تھا۔

اصلاحات ملکی پر ایک سرسری نظر

اس نے اپنی فوج کی اصلاح کی، قواعد پریڈ کے ترانے اردو زبان میں گائے۔ مہینوں کے

نام مثلاً احمدی، جعفری، ہاشمی وغیرہ سکہ بجائے ہجری کے سنہ مولودی جاری کیا اور اپنے فوجی افسروں اور دفاتر کے نام، مثلاً سکوں کے نام حیدری، امامی، عابدی، باقری، شتری، زہرہ وغیرہ صدر الصدور سے مخاطب کیا ہر محکمہ کا بڑا "میر آصف" طرفدار، شیخ دار، شانبھوگ (پٹواری) اٹھاونی (تحصیلدار) - بجلی (تیز رفتار ہرکارہ ڈاک) سدر التجار (وزیر تجارت کہلاتا تھا جسکے تحت ستر کوٹھیاں تھیں جن کا غیر ملکوں سے تجارتی ربط ضبط تھا۔

ہم یہاں اوس کی فن موسیقی سے دلچسپی اور تدوین مفرح القلوب متعلق فن موسیقی پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں اور اوس کی اردو دوستی کا بین ثبوت پیش کرتی ہے:

قومی ترانہ کا ایک اردو شعر ملاحظہ ہو ؎

برق جاں، کوہ گراں، پیک اجل، دست قضا
تیغ و گرز و تیر و خنجر کے ترے ہیں چار نام

ٹیپو کو فن ہئیت اور نجوم سے بھی خاص دلچسپی تھی - اس کی چند تصانیف مندرجہ ذیل ہیں
فن ہیئت میں "زبرجد از سلطان ٹیپو جو کتبخانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے
حکمنامہ سلطان ٹیپو: ان حکمناموں میں سلطان ٹیپو کے دستخط اور مہر ثبت ہے۔
رسالہ خط طرز محمدی، جس کو وہ بہت پسند کرتا تھا کا مخطوطہ بھی وہاں موجود ہے - نیز
رسالہ ماکول و مشروب سلطان ٹیپو - اور ایشیاٹک سوسائٹی مذکور میں ہے ۔
فتوی محمدی، سلطان ٹیپو (" ")

فتح المجاہدین ۱۲ مجالس میں ہے، جس کے مولف مولوی زین العابدین ہیں جس میں قوانین و قواعد آتش خانہ، فوج کشی و سپہ آرائی ابداع و اختراع ٹیپو سلطان کے متعلق تذکرہ ملتا ہے اسپر ٹیپو سلطان کی خاص مہر ثبت ہیں۔

آثار ٹیپو سلطان :

۱۔ سلطان ٹیپو، کا ارغنون :

اس شیر میسور نے ایک ارغنون (باجہ) تیار کرایا تھا، جو محل میں نصب تھا۔

جو شیر کی صورت کا تھا اور اس میں ایک فرنگی کی مورت بھی نصب تھی، جب وہ بجتا تھا
تو اس میں سے شیر کے ڈنکارنے کی آواز آتی تھی اور فرنگی کی آواز خوف سے گھگیا کر
وحشتناک نکلتی تھی۔ جو غالباً برٹش موزیم میں ہے۔ (اس وقت میری یادداشت ہمدست
نہ ہو سکی)۔

۲۔ ٹیپو سلطان کی خون آلود پگڑی

ٹیپو سلطان کی خون آلود پگڑی جو سلطان شہید کے آخر دم تک زیب سر تھی
اسکاچ برگیڈ کے ایک لفٹننٹ مسٹر ہیو مچل کے ہاتھ لگی تھی۔ جبکہ اسی خاندان کی ایک
خاتون مس انگلس ساکن اڈنبرا نے نمایش گاہ لندن میں پیش کی۔ (اخبار مشیر دکن
حیدرآباد دکن مورخہ ۲۵ر شوال ۱۳۵۱ھ)

۳۔ ٹیپو سلطان کے لڑکپن کی ایک توپ برنجی

جس سے سلطان اپنے بچپن میں کھیلا کرتا تھا۔ سر برنگ پٹن کے محاصرہ میں ڈیوک
آف ولنگٹن کے ہاتھ آئی تھی۔

۴۔ ٹیپو سلطان کی انگوٹھی

شہادت کے وقت ڈیوک آف ولنگٹن نے سلطان کے ہاتھ سے اتاری تھی۔
(نمایش نوادرات ڈیوک آف ولنگٹن بمقام لندن بحوالہ اخبار انقلاب لاہور ۲۴ اپریل)

۵۔ کتبہ عہد ٹیپو سلطان

کرشنا راج ساگر مشہور تالاب میسور، مکتوبہ ۱۲۱۰ جس پر لفظ "محی" کندہ ہے۔ خود سلطان
نے سنگ بنیاد رکھی۔ بقول "کل شئی حیّ من الماء" جس سے اس کی خادمی اور بے
تعصبی بھی ظاہر ہوتی ہے جو ہندو رعایا کے ساتھ رواداری کا ثبوت ہے۔

ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں بعض نوادرات:

۱۔ قرآن مجید (نوشتہ اورنگ زیب) جو ٹیپو سلطان کے خزانہ سے دستیاب
ہوا تھا اور آج ونڈسر کیا سل کے کتب خانہ میں محفوظ ہے جسکا ہدیہ ۹۰ ہزار
بتلایا جاتا ہے۔

۲۔ نشاط العشق، شرح غوثیہ (ترجمہ دکنی) ترجمہ سید شاہ عبداللہ حسینی نبیرہ خواجہ گیسو دراز بنگلور گوی، نادر (نایاب)

۳۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ تصنیف قبل ۱۰۲۰ھ ۔ مولف محمود خان نے ۱۰۶۸ھ غلط لکھا ہے شاید سنہ کتابت ہوگا ہے۔ بھوگ بل (ترجمہ) از شہاب الدین " (بریدشاہی) ۔ یہ کسی فارسی کا ترجمہ نہیں بلکہ اس کا مصنف قریشی تخلص کا ایک دکنی شاعر ہے۔ جس کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں اور دوسرا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے۔ مولف سلطنت خداداد میسور کو مغالطہ ہوا ہے۔

ٹیپو کو علوم مغربی سے بھی خاص دلچسپی تھی چنانچہ چارلس اسٹوارٹ نے اپنی فہرست مخطوطات میں بعض خاص قلمی نسخوں کے حوالے دیئے ہیں، مثلاً:

۱۔ قانون در علم طب ؛۔

جو تمام طبی تحقیقات کا خلاصہ ہے چنانچہ اسٹوارٹ لکھتا ہے ؛

THIS WORK IS THE RESULT OF LEARNED PHYSCIANS OF EUROPE Tr: BY ORDER OF TIPU SULTAN.

۲۔ دوسری اہم کتاب "ترجمہ کتاب فرنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی پہلی جلد برقی اور طبی تجربوں پر مشتمل ہے۔

جلد دوم ڈاکٹر کاک برن کی کتاب آنتوں کے پیچ در پیچ سلسلوں یعنی امعائی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ اسٹوارٹ کا بیان یہ ہے ؛

"THE FIRST IS AN ENGLISH TREATISE ON ELECTRICAL AND MEDICAL EXPRIMENTS. THE OTHER A TRANSLATION OF Dr. COCK BURNS TREATISE ON THE TWIST OF THE INTESTINES."

۲ - عربی، انگریزی، لاطینی اللغت، مطبوعہ روم مولفہ پی سالیف۔ ڈومینی کو۔
(تالیف، ۱۶۲۹ء) بھی موجود تھی ـــــ جو شمس الامرا حیدر آبادی اور نوابان اودھ کی تالیفات و
تراجم سے سالہا سال قبل کی ہیں ـ

(نوائے ادب، ۵۷ء مضمون احقر)

مخطوطہ مفرح القلوب' (فن موسیقی) ۴۵ اوراق مسطر ۱۰۔

باب اول ۔ در بیان نغمۂ ابیض و اصولہا و ضربہا و غناها و طرز ہائے ششگانہ و اوقات
سرائیدن آنہا و متعلق بہا۔

باب دوم ۔ در بیان نغمۂ اصفر

باب سوم ۔ در بیان نغمۂ احمر و اصولہا و ضربہا و غناہا و طرز ہائے ششگانہ و
اوقات آن و متعلق بہا۔ در وزن "مفاعیل مفاعیل مفاعیل مفاعیل"
و یک غزل گوشوارہ فارسی و مصرعہائے غنا و پنج ریختہ ہائے ہندی
و یک رباعی ۔

باب چہارم "نغمۂ زبرجد" اصولہا و ضربہا و غناہا و طرز ہا، یک گوشوارہ فارسی، دو
مصرع غنا و پنج ریختہ ہندی طرز ہا و یک رباعی ۔

باب پنجم ۔ در بیان نغمۂ زرد، و متعلق بہا و اصولہا و ضربہا و طرز ہائے ششگانہ و دو
مصرع غنائے نشست و رقص و غزل گوشوارہ؛

باب ششم ۔ در بیان "نغمۂ عباسی" و اصولہا و ضربہا، و طرز ہائے ششگانہ و دو مصرع
غنائے نشست و رقص و غزل گوشوارہ کہ متضمن تفصیل وقت،
و ضربہائے، وقت نشست و رقص و اصولہائے پنجگانہ بر وزن
"مستفعلن فعول مستفعلن فعول"

خاتمہ: در بیان بعضے از غزلیات و ریختہ ہائے ہندی خارج از وزن شش گانہ۔
طویل تمہید مفرح القلوب کے بعض اقتباسات، تمہید نہایت فصیح و بلیغ ہے اور
اس میں سلطان ٹیپو کی مدح سرائی بھی ہے ـ

آغاز: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: حمد صانعے کہ چمن آفتاب صبح صنعتش از افق
مشرق اذا اراد اللہ شیئ نیقول لہ کن فیکون طلوع نمود وغنچہ ہائے دل
ارباب نشاط وطرب را برنگ گل شگفتگی بخشید، وشعلہ کار لطفش بفحوائے
کہ بنا رسماء الدنیا بمصابیح چراغ خورشید در شبستان عالم کون و فساد
فروختہ فانوس قلب اہل سیرت وبہجت رابنو ر وضیائے قدرت کاملہ
خویش ابیض ومنور کنانید۔ الخ۔

مدح ٹیپو سلطان کے ضمن میں سلطان کے خاص کارناموں کے علاوہ ٹیپو سلطان
کے اعلیٰ کردار، پاک طینتی، عدل وانصاف برخلاف بعض سلاطین ہند ودکن، اس کی پاکیزہ
زندگی، حمیت اسلامی، مجاہدانہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ مؤلف کے الفاظ درج ذیل ہیں :

اما بعد بر آئینہ دلہائے اولی الابصار ظاہر وروشن، وبر مرات
خواطر ارباب فطنت وذکا ہویدا ومبرہن است کہ از بدو فطرت الی
الآن بسیار پادشاہان ذیشان، دو اکثر ازمنہ واعصار، فرمانروایان
ذوالاقتدار بودند، احدے راغیر از خور وخواب ولہو لعب بیہودہ
کوئی اشتغال امر دیگر نبود، وکسے جز بازی مسرت وانبساط وبہرہ گونہ
وزاز خواہی توجہ بر ضبط وربط ونظم ونسق رزم وبزم وآئین ملکگیری
وقوانین کشورکشائی ننمود، بعض در عیش وعشرت ونشاط وانبساط عمر
خود ضایع ساختند وبرخے مانند زناں درکسب ناز وغمزہ وآرام طلبی
کہ بدترین عیبہاست حیات مستعار راصرف کردہ، بنائے سلطنت
بسیلاب حوادث درانداختند، جمعے در اندوختن زر ومال چوں
ممسکان بدشعار مایل وراغب، وبجان ودل امثال ایں افعالات
شنیع راطالب گشتند، وگروہے در سیر باغ وشکار وشرب شراب
وہمبستری گلرخاں محوگشتہ سررشتۂ ایالت وحبل المتین خلافت را
از دست دادہ، چوں بادہ نوشاں سرمست برخاک مذلت نشستند۔

سیما پادشاهان هند از فرط هوا و هوس و استیلا سے مرض نخوت و حرص و آز دیده، از سیر و تماشائے قواعد جهانگیری و بند و بست فوج و کشور دوخته -

نصارائی بیدین و ملت فرصت وقت غنیمت شمرده اکثر جهات ، اطراف ملک را در تصرف آوردند و شاهان هند بعلت خود آرائی و آرام طلبی و نا تجربه کاری بسان ... با ... از باب کالر تفنگ و گرگ گوله توپ و برق قنباره رسیده یکنجے بے دست و پا اکتفا نمودند ، الحاصل در همه شهر و کشور اهل فرنگ تسلط یافته بنائے مسجد و منابر را با خاک برابر ساختند و در بنیاد بتخانها مطابق آئین خود و بشکست. اهل اسلام و دین مبین و شرع رسول امین پرداختند ـــــ این معنی بر طبع اشرف اقدس همایوں حضرت سلطان خلیفة الرحمن خاقان ابن خاقان ..... زیب اورنگ و سلطنت جهانبانی ـــ زنگ زدائے آئینہ شرع و دین فروزنده چراغ عدل و داد ، سوزندهٔ خرمن ظلم و فساد ـــ فریاد رس مظلومان و دادخواهان :

جهاں داور و دادگر شهریار	خدیو زماں رحمت کردگار
کر عدش زلبس بسته راه خلاف	بشهه زنگ بر تیغ ظالم غلاف
ز دیوان عدل شه کامران	کمین سطر زنجیر نوشیرواں
نساید بگردوں کلام چوں زمین	بود سایه افگند سلطان دین

خلد الله ملکه و اقباله گراں آمد ، از کمال حمیت و غیرت دین و به پاس شرع مبین بر مشرکین کمر جهاد بسته ، رایات نصرت آیات جهت آنها بر پا گردانید و از تائیدات غیبی و فتوحات لاریبی شعلهٔ جوالهٔ کبر و فساد و غرور اکه . کانون سینه و دماغ آں غولان وادی ضلالت و بطالت سرکشیده بود به آب شمشیر فرو نشانید و شرارهٔ آتش رعونت و شهود

وتدابیر آنہارا از باران تیر و تفنگ معدوم منطفی ساخت ۔ ......
برغم از نصاریٰ کہ حیات مستعار آنہا چندے باقی بود بجز دروبرو شدن
آئینۂ شمشیرش مثل طوطیان نغمۂ سنج الامان گشتند و بعضے از کمال بزدلی ،
مانند گوسفندان کاد زنہار در دہان گرفتہ وخط برین کشیدہ از تیجۂ مرگ
رہائی جستند ۔ بعد از انفراغ تنبیہ وتادیب نصاریٰ کہ شاہان ذوی الاقتدار
وگردن فرازان نامدار از زمان حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم
تا آوان طلوع نیر اعظم .... حشمت و اجلال سلطان العادلی
کہ سنہ مبیع تسلیعین ومایہ والف است ؛ از عہدۂ رزم آنہا بر نیامدہ
مانند غزال ۱۱۹۷ھ را شیر پہلو تہی میکردند ، اقرار شہادتین از اکثر آنہا گرفتہ
و بعضے خراج گذار و غاشیہ بردوش اطاعت وانقیاد نمودہ ، معتمر
سلطنت را شرف اجلال بخشید ۔ خاطر ملکوت ناظر کہ معدن فیض بخشی ، فیض
رسانیت متوجہ آں شد کہ کہنہ جرائد منصوبہ قوانین حرب و توپ وتفنگ و
قنبارہ اندازی وصف کشی ، وصف آرائی واسپ تازی وپیادہ روی
اہل فرنگ کہ مایۂ افتخار و باعث استکبار وچیرہ دستی بر ممالک وبلادمی پنداشتند
بیکبار از نیل تازی عقل رسائی خود آں فرعون طینتان نمرود خصال را ادہر
معرکہ ومیدان شہ مات دادہ قلم نسخ بر دفاتر قواعد آن منکران کشید ۔ کتابے مبنی
بر قوانین طرز تازہ کہ از دیدن وشنید نش زیرک منشان فرنگ نقد ہوش
از دست دادہ انگشت حیرت بدہان گرفتند ، ترتیب نمود مسمیٰ بفتح المجاہدین
فرمودند ۔ الخ

غرض مولف یہ کہتا ہے کہ ٹیپو سلطان کی طبیعت بڑی حدت پسند تھی ، نئی
نئی اختراعات پر مائل تھی ۔ "از گفتگوئے بدیعیات مصنوعاتش رنگ
آئینہ متحیر" چنانچہ مولف نے فن موسیقی پر یہ کتاب مفرح القلوب سلطان
ہی کے حکم سے تالیف کی ۔

موسیقی کے موجد کے متعلق بیان کرتا ہے کہ اس کا موجد زمانہ ماسبق میں ایک شخص کشن نامی شعبدہ باز تھا، جو خود کو کبھی بوڑھا کبھی جوان اور کبھی بچہ اور کبھی عورت کے روپ میں دکھلاتا تھا اوس نے نغموں اور راون کے اصول کے بہت سے نام رکھے تھے جن میں کوئی جان نہ تھی۔ بعض بھان اور شاہان ہند نے اس طرف توجہ نہ کی، میں نے اس کو مدون کیا ہے۔

چوں تدابیر حرب در کتاب مذکور ملتمسہ باقی تفصیل ضرب بود بنا۔علیہ متوجہ این معنی شدہ ، بہ طرز تازہ و ترکیب شایستہ وآراستہ و قوانین زیبا وپیراستہ در قید قلم فرمودہ، مسمیٰ بکتاب مفرح القلوب نمودند۔

دمطابق لون شمس کہ شہنشاہ ثوابت وسیارگان است تام نغمہ ہائے شش گانہ وسی اصول آنہا و دوازدہ ضرب ونشید وغیرہ کہ بہ تفصیل در منظوم مذکور است درنظم ذکر آں خواہد شد باسامی دلچسپ و فرحت افزا، وتصاویر دلکش وسمایہ ہائے دلکشا ترتیب فرمودند کہ تا طالبان ایں فن را حظے کیفیتے حاصل گردد ۔" جس کا خلاصہ بغرض ضیاعت طبع حامیان و

لہ مولف تحفۃ الموسیقی بحوالہ دیدوشاستر لکھتا ہے کہ فن موسیقی کا موجد "برھما" اس کے بعد مہادیو اندر دیوتا دھنو مان ہیں۔ مگر مولانا عبدالحلیم شرر نے اپنی تالیف "ہندوستانی" موسیقی میں لکھا ہے کہ یہاں کا اگلا موسیقی بھی اگرچہ ایک عقدۂ مالاینحل ہے مگر اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی آریہ قوم نے موسیقی کو سب سے پہلے اور سب جگہ سے زیادہ ترقی دی تھی اور مکمل و بے مثال فن بنا دیا تھا۔ شام دید اور اپ دیدوں یا بحیثیت فن کے بحث کی گئی ہے۔ مگر عہد اولیں کی کوئی تحریر نہیں ملتی البتہ سب سے پہلی کتاب ریتاگر مولفہ سارنگ دیو پنڈت بارھویں صدی عیسوی کی ہے جبکہ مسلمانوں کو آئے ہوئے چار صدیاں گذر چکی تھیں۔ (ص ۳-۴) شمالی ہند میں متھرا، اجودھیا اور بنارس، دکن میں بڑے بڑے مناور، ملتان میں ہزاروں ناچنے گانے والیاں۔ گجرات میں بعض راجاؤں کے ساتھ خیرنی کرتی تھیں۔ اصول النغمات آصفی میں لکھا ہے کہ علم موسیقی کی کان آریہ ورت ہے (بحوالہ مخزن العلوم جلد ۵ تاریخ ہند صفحہ ۸۷۳ غرض ایک طویل بحث ہے۔

ادیان اردو درج ذیل ہے :-

"صبح جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اوس کا رنگ بے حد سفید ہوتا ہے۔ جب اوس کی نظر یعنی شعاعیں معادن اور دریا پر پڑتی ہیں تو الماس وبلور، نقرہ اور ہیرے، پارہ اور کتھل وغیرہ سفید رنگ کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور تمام سفید رنگ کے پھول جنگلوں اور پہاڑوں کے دامن میں کھل جاتے ہیں اس لئے اس نغمہ کا نام ابیض رکھا۔ اور اس کے پانچ اصولوں کو کیونکہ اس کے گانے کا وقت سحر، صبح کا ہوتا ہے تو اس کے نام بھی سین ہی سے رکھے۔ مثلاً سلطانی، سروسہی، سرخوشی سرمدی سبزواری۔ وغیرہ۔

چونکہ اون کے طرز بھی اون کے ناموں کے لحاظ سے ترکیب و ترتیب فرمائے تھے۔ مثلاً چاشت کے وقت آفتاب کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور اس کی تاثیر سے پکھراج، لہسنیہ، اور سونا اطلا ر، جملہ زرد رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔ اور زرد رنگ کے پھول بھی اسی وقت کھل جایا کرتے ہیں۔ اس لئے اس وقت کے نغمہ کا نام سلطان نے اصفر تجویز فرمایا۔ اور اس کے پانچ اصول مقرر کئے۔ مثلاً جشن شاہانی، حبذ مشکی، جادو لحنی، جنت ہائے دلکشا۔ اور اس کے نام مناظر کی موزونیت سے نغمۂ احمر تجویز فرمایا۔ چونکہ اس وقت جبکہ آفتاب، نصف النہار یعنی سر پر آجاتا ہے تو اوس کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور اوس کی شعاع کی تاثیر سے لعل، یاقوت، مرجان وغیرہ سرخ رنگ۔ پکا اور سرخ رنگ کے پھول جیسے لالہ وغیرہ کھل جاتے ہیں اور اس نغمہ کے اصولوں کے اسماء بھی اسی مناسبت سے رکھے گئے۔ مثلاً شاہنشہ پسندی شاخ گلی، شاہانی، شیریں خصالی شوخ و شنگی، وغیرہ۔

چونکہ عصر کے وقت، آفتاب کا رنگ سبزی مائل ہوجاتا ہے اور

اوس کی ان شعاعوں سے زبرجد، فیروزہ وغیرہ سبز رنگ جذب کر لیتے ہیں
اس کے پانچ اصولوں کے نام عصر کے عین کے لحاظ سے تجویز فرمائے، مثلاً
عشق آہنگی، عروسی، عشاق پسندی، عشق افروزی اور عشق انگیزی وغیرہ
سر مغرب چونکہ آفتاب کا رنگ گلابی ہوتا ہے اور اس کی شعاعوں کی تاثیر
سے لعل بدخشانی اور تمام گلابی رنگ پیدا ہوتے ہیں اور گلاب سرخ اس
وقت شگفتہ ہو جاتا ہے اسلئے اس وقت کے نام کا نام نغمۂ ورد رکھا گیا
اور وقت مغرب کے میم کی مناسبت سے ان نغموں کے نام: مہر افزائی
ماہ لوئی، مہر آہنگی، مہر انگیزی اور محفل افروزی رکھے گئے۔

دوپہر رات گزرنے کے بعد اگرچیکہ آفتاب غائب رہتا ہے۔ مگر
اس کا رنگ اودا ہوتا ہے جس کی شعاعوں سے نیلم، اور اودے رنگ
کے پھول مثلاً نیلوفر، وغیرہ چٹک جاتے ہیں اس لئے اس نغمہ کا نام عباسی
تجویز ہوا۔ اور پانچ اصول یعنی راگ مقرر ہوئے جن کے گانے کا وقت نصف
شب ہے جن کے نام یہ ہیں — نقش گلی، ونقش جہانی، نوروسی، نقش
عاشقی اور نقش دل۔

دوازدہ ضرب: بارہ ضرب، جو بوقت نشست ہیں جچد ہو جاتے ہیں
اور رقص کے بھی چھ ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً ضرب حبیر، ضرب ادمن،
ضرب ادوانی، ضرب جوسق، ضرب اصول فاختہ، ضرب جبت، ضرب
جہرہ۔ ضرب جبیرد، ضرب تہم، ضرب چرخ زن، ضرب رماده اور
ضرب سمن وغیرہ۔

بارہ راگ: متذکرہ ضربوں کی مناسبت سے جو راگ نکلتے ہیں اوسی طرح مقرر کئے
تاکہ شک و شبہ باقی نہ رہے۔

اسی عنوان سے لفظ مرکب بجع ششش اچھا راگ مقرر کئے
آواز مردنگ، آواز گردش زنگولہ (گھونگرو) اور گھونگرو دیں

کی آواز اور گردش کے لحاظ سے چھ اوزان مقرر فرمائے۔

یہ وہ اختراعات ہیں، جو موسیقی میں خاص ٹیپو سلطان ہی سے مختص معلوم ہوتی ہیں۔ ٹیپو سلطان کو اردو زبان سے بھی خاص دلچسپی تھی چنانچہ اس کتاب میں ہر نغمہ و راگ سے متعلق اردو غزلیں بھی درج ہیں۔

آصف جاہی دور میں، حیدر آباد دکن میں، ایک "محکمۂ ارباب نشاط" بھی تھا۔ جس کے صدر سررشتہ دار دولہ رائے، نبیرۂ درگا پرشاد تھے انھوں نے ایک کتاب "تحفۂ موسیقی" کے نام سے لکھی ہے جس میں مؤلف نے بھیرو راگ، مالکوس راگ، ہنڈول راگ، سری راگ اور میگھ راگ کے تحت، بعض مناظر اور سماں بیان کئے ہیں۔

باب دوم۔ نغمۂ اصغر کے بعض راگ نمونتہً درج ذیل ہیں:

طرز ہائے پنج اصول، و نغمہ در پنج ریختہ ہندی بدیں عنوان است۔

ریختہ اول در ذکر طرز جاں فزائی برسماں وزن مرقومنہ الصدر۔

اصول جانفزائی کا یہ ہے:

کہ جس کے دیکھے سے چشم روشن، دل ہووے شاداں۔

غزل ۱۸ ادبیات:

کھڑے رہ کر کہتے مستی میں آ، ہوتے ہیں رقصاں وہ × کتے بیہوش ہو پڑتے زمین پر بیجس و بے جان

خوبصورت عورت، نازک بدن، کارچوبی زر دلباس گویا کہ آسمان پر زہرا تاباں ہوتی ہے۔ پکھراج و لہسنیہ کا زیور، زرد پھول کھلے ہوئے ہوئے ہوں، مہ تاباں (چاندنی) زریں فرش، سایہ درخت گل اور اداؤ ناز سے بیٹھے، آفتاب رخشاں ہو، جب بین ہاتھ میں لے کر گانے کی شکل بنائے تو بہت سے سانپ اور ہرن مستی میں آکر قربان ہو جائیں۔

ریختہ دوم ا طرز جشن شاہانی ــہ (سے بیت)

اصول جشن شاہانی سو کیا عشرت کا ساماں ہے

نجھا کر طرز کو جس کے فلک پر زہرا رقصاں ہے

سماں : اسکے تخت کے سامنے پھولوں کے طبق رکھے ہوں۔ گلاب پاش اور عطر دان وغیرہ ہو۔ فوارے اچھلتے ہوں اور حوضوں میں بطخ اور دوسرے جانور تیرتے ہوں۔

طرز جعد مشکیں : ــہ

اصول جعد مشکی کا عجب کچ طرز ہے خوشتر

کہ یک زن خوبصورت سرو قامت نازک و دلبر

زر دکار چوبی لباس اور جواہرات پکھراج وا ہنیہ ــہ

مکلل ہو کو بیٹھے فرش زریں پر وہ سیمتن

دو زلف جعد مشکیں کوں زمیں پر چھوڑ کر یکسر

دو زلف وجعد مشکیں کوں زمیں پر چھوڑ کر یکسر

اچھے سنبل کے مانند پیچ و تاب ہر تاریں اس کے

کمند و دام سے ہر حلقہ اس کا جان عاشق پر

بھی دست چپ لیوا اپنے او بیٹھا لوری کے تیئں تیں گلرو

ادا و ناز سوں آور زلف سیدھے ہات میں لے کر

بنا کر شکل گانے کی کہ جس کے دیکھتے زہرا

سئے خجلت ستی اپنا طنبورہ پارہ پارہ کر۔

ریختہ چہارم در ذکر طرز جادو لچنے ــہ

میں طرز جادو لچنے کو بیاں کرتا ہوں اے دلبر

اے شوقی تجھا کرسن کرج سوں کان کوں دھر کر

ریختہ پنجم در ذکر طرز جنان دلکشائی۔

جناں دلکشائی کا عجب کچ طرز سے دیبا
نہ لکھنے میں مرے آتا ہے نا کہنے کا ہے یارا ۱۶

وبرہمیں وزن سہ ریختہ ہندی در تعریف آفتاب وقت چاشت وگلہائے زلف رنگ ولباسہائے زعفرانی محبوباں ومجلس و باغ ووصف شجاعت وسخاوت وعدالت وغیرہ۔ ودر رباعی کہ وقت سرائیدن نغمہ بکار می آید، ودو غزل فارسی متضمن ہماں مضمون مرقومہ صدر بسی ودو فرد جملہ معترضہ در جلد دیگر مرقوم گشتہ باں رجوع نماید۔ (ورق ۱۸)

سید مبارز الدین رفعت

سلطان شہید ٹیپو کے سکے

مرحوم ریاست حیدر آباد کے مرحوم دار السلطنت شہر حیدر آباد دکن میں انجنیئر ماہر نادرات محقق اور صوفی جناب محمد اشرف صاحب مہتمم کتب خانہ نواب سالار جنگ کی ذات ایک عجیب جامع کمالات ہستی ہے۔ نوادرات کا کونسا ایسا شعبہ ہے جس میں وہ ماہرانہ بصیرت نہ رکھتے ہوں۔ ایک دن مجھے کہیں سے تانبے کا ایک ایسا گھسا پسا سکہ مل گیا جس کی پشت پر ہاتھی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ مسلمانوں میں تصویر کشی سے اجتناب کی وجہ سے ذہن اس طرف گیا کہ یہ سکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کے کسی ہندو راجہ کا سکہ ہوگا اتنا قدیم نہ بھی ہوا تو کم از کم دکن کی مشہور ہندو سلطنت وجیانگر کا تو ضرور ہی ہوگا۔ بڑے فخر کے ساتھ میں نے یہ سکہ جناب محمد اشرف صاحب کو دکھایا۔ اسے دیکھ کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی اور انہوں نے بے تامل کہا۔ یہ سکہ ٹیپو سلطان کا ہے۔

لڑکپن ہی سے مجھے سلطان شہید ٹیپو سے بڑی عقیدت رہی ہے۔ اب جو ایک ماہر کی زبانی یہ سنا کہ یہ سکہ تو اپنے اسی محبوب سلطان کا ہے تو میں نے اسے کچھ ایسی عقیدت اور احترام

کی نظر سے دیکھا کہ جناب محمد اشرف صاحب نے اپنے سکوں کے مجموعے کی مخصوص الماری کا ایک خانہ کھینچا اور سلطان شہید کے مختلف سکوں کا ایک ڈھیر ہی میرے آگے لگا دیا یہ دیکھیے یہ فلاں دار الضرب کا پیسہ، فلاں دار الضرب کا ڈبل پیسہ اور یہ فلاں دار الضرب کا فلاں سکہ......

میں ان سکوں کو عجیب انداز سے دیکھتا رہا۔ یکایک انہوں نے فرمایا، آپ چاہیں تو ان میں سے دو ایک سکہ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ایک ہی شرط کے ساتھ یہ سکے میں آپ کو دوں گا کہ آپ کبھی بھی نظام علی خاں آصف جاہ ثالث کو گالی نہ دیں گے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آج کل ٹیپو سلطان کے تعلق سے انہیں گالی دینا ایک فیشن سا ہوتا جا رہا ہے۔ سلطان ٹیپو شہید کی مردانگی، آزادی سے ان کی دیوانہ وار شیفتگی، ان کے عزم اور ولولہ کی بلندی اور ان کے کردار کی عظمت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن اس دور کی سیاست کو اپنے پیش نظر رکھئے تو نظام علی خاں کی فراست، دانائی، دور اندیشی اور تدبر کی بے اختیار داد ہی دینی پڑے گی۔ یہ ان کی مآل اندیشی اور سیاسی حکمت عملی ہی کا فیض رہا کہ مزید ڈیڑھ سو سال تک دکن میں مسلمانوں کی سیادت کا پرچم بلند رہا۔

پھر میں نے انہیں بتایا کہ کسی کو بھی گالی دینا، اور خاص کر اسلاف کے اختلافی مسائل کے سلسلہ میں ایسی حماقت میں مبتلا ہونا میرا مسلک نہیں۔ اشرف صاحب نے مجھے سلطان شہید کے دو سکے عطا فرمائے۔ انہیں میں نے بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر سلطان شہید کے سکوں کے بارے میں جو کچھ پڑھا انہیں یادداشتوں کی صورت میں لکھتا گیا۔ آج ان ہی یادداشتوں کو ایک مربوط مضمون کی صورت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

سلطنت خداداد میسور کے بس دو ہی تو سلطان ہوئے ہیں۔ سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو شہید۔ ان دونوں سلاطین کا دور حکومت کل ملا کر اڑتیس سال سے زیادہ نہ رہا لیکن ان دونوں سلاطین نے اپنے دور حکومت میں ایسے متنوع اور خوبصورت سکے مضروب کئے کہ وہ سکوں کی تاریخ میں ہر طرح یادگار اور ممتاز مانے گئے۔

سلطان حیدر علی نے جب ۱۷۶۳ء میں نگر (بدنور) پر قبضہ کر لیا تو اس کے ساتھ

ہی اپنے نام کا سکہ جاری کردیا۔ سلطان حیدر علی ہی نے طلائی سکہ گوڈا۔ نقرئی سکہ نپام اور تانبے کا سکہ پیسہ مضروب کیا۔

۱۷۸۲ء میں ٹیپو سلطان اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ ان کا پورا دورِ حکومت انگریزوں، مرہٹوں اور ریاست حیدرآباد کے فرمان روا نواب نظام علی خان آصف جاہ ثالث سے مسلسل لڑائیوں میں بیتا۔ آخرکار ۱۷۹۹ء میں سری رنگاپٹم کی لڑائی کے دوران میں انہیں شہادت نصیب ہوئی اور ان کی خداداد سلطنت پر اغیار نے قبضہ کرکے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ سلطان حیدر علی ایک سیدھے سادے ان پڑھ سپاہی تھے لیکن سلطان شہید بڑے خوش مذاق اور صاحب علم ہوئے ہیں۔ ان کی طبیعت میں بڑی اپج اور بڑی جدت تھی آج بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ان کی کئی یادگاریں ان کے ذوقِ ایجاد کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی جدت پسندی کے تحت انہوں نے تقویم میں رد و بدل کیا۔ ان کے اسی ذوقِ ایجاد نے اپنے زمانے کے اوزان اور پیمانوں کو بدلا۔ ان کے اسی طرح نو انداز طبیعت نے سکوں کو ایک نیا روپ بخشا۔ بے شبہ ان کے ذوقِ ایجاد اور ان کی جدت پسندی کے سب سے بڑے مظہر ان کے مضروب سکے ہی ہیں۔

سلطان شہید نے قریب قریب سترہ سال حکومت کی۔ ان سترہ سالوں میں انہوں نے ایک نہیں، دو نہیں، بارہ مختلف دارالضرب قائم کئے اور ان میں اپنے سکے ڈھالے۔ جن مقامات پر ان کے دارالضرب قائم ہوئے اور ان میں ان کے سکے مضروب ہوئے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ پٹن (سری رنگاپٹم)

۲۔ نگر (بدنور)

۳۔ بنگلور (بنگلور)

۴۔ فرخ یاب حصار (چتل درگ)

۵۔ کالی کٹ

۶۔ فرخی (فردک)

۷۔ سلام آباد (سیتامنگلم
۸۔ خالق آباد (ڈنڈی گل)
۹۔ ظفرآباد (گرم کنڈہ)
۱۰۔ خورشید سواد (دھاروار)
۱۱۔ فیض حصار (گوٹی)
۱۲۔ نذر بار (میسور)

سلطان شہید نے مذکورۂ بالا مقامات کو فوجی یا سیاسی اہمیت کے لحاظ سے اپنے دارالضرب کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔ انہوں نے اپنے سکوں کو بالکل ہی اچھوتے عربی اور فارسی نام دیئے تھے۔ ان کی حکمرانی کے پہلے سال صرف دو ہی دارالضرب یعنی پٹن اور رنگ پٹن ان کے سکے مضروب کرتے رہے۔ لیکن ان کی حکمرانی کے پانچویں سال تک ان کے دارالضرب کی تعداد آٹھ تک پہنچ گئی اور سولہویں سال تک بارہ مختلف دارالضرب ان کے سکے ڈھالنے میں مصروف ہو گئے۔ ۱۷۹۲ء میں سلطان شہید ٹیپو کے ہاتھ سے ان کی آدھی سلطنت نکل گئی تو کالی کٹ، فروک، ڈنڈی گل، گرم کنڈہ اور گوٹی کے دارالضرب ہی ان کے سکے ڈھالتے رہے۔ چند ایک سکوں کے سوا سلطان شہید کے سب ہی سکوں پر دارالضرب کا نام کندہ ملتا ہے۔

سلطان حیدرعلی کے سکوں پر ان کے نام کا سرحرف "ح" ثبت ہے۔ اس کے برعکس سلطان شہید نے اپنے کسی بھی سکے پر اپنا نام ثبت نہیں کرایا۔ البتہ اپنے سونے اور چاندی کے بعض سکوں پر انہوں نے اپنے والد مرحوم کے نام کا سرحرف "ح" کندہ کرایا ہے۔ ایک اور بات جو قدرے حیرت انگیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان شہید نے دہلی کے مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی کا نام اپنے کسی بھی سکے پر ثبت نہیں کیا ہے حالانکہ وہ برائے نام سہی، اس شہنشاہ کے باج گزار تھے۔

سلطان شہید کے سکوں کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت کے چوتھے سال کے بعد سے اپنے سکوں پر ایک نئے سنہ کا اندراج کیا ہے

جو بالکلیہ ان ہی کا ایجاد کردہ ہے۔ اپنے دورِ حکومت کے ابتدائی چار سالوں میں تو وہ اپنے سکوں پر ہجری سنہ ہی درج کرتے رہے اور ان کی کتابت بھی معمول کے مطابق بائیں سے دائیں ہوتی تھی۔ لیکن اپنے دورِ حکومت کے پانچویں سال سے انہوں نے اپنے سکوں پر اپنا ہی ایجاد کردہ ایک نیا سنہ درج کرنا شروع کیا۔ اس سنہ کو انہوں نے سنہ "مولودی" کا نام دیا تھا۔ تقویم ہجری کا آغاز حضور سرورِ کائنات صلعم کی مکہ سے مدینہ ہجرت سے ہوتا ہے۔ لیکن تقویم "مولودی" کا آغاز آنحضور صلعم کی ولادت باسعادت سے کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ سنہ ہجری کے برعکس اس سنہ کے اعداد دائیں سے بائیں پڑھے جاتے تھے۔ سلطان شہید کا چوتھا سال حکومت سنہ ۱۲۰۰ھ میں واقع ہوا تھا۔ ممکن ہے ایک نئی صدی کے آغاز نے انہیں ایک نئی تقویم جاری کرنے پر اکسایا ہو۔ چنانچہ ان کے دورِ حکومت کے پانچویں سال سے ان کے تمام سکوں پر سنہ "مولودی" ہی ثبت ملتا ہے۔

تقویم ہجری کا حساب گردشِ قمر سے کیا جاتا ہے اور ہجری سال میں بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں۔ سلطان شہید کی مولودی تقویم قمری شمسی تقویم تھی۔ مولودی سال میں بارہ شمسی مہینے ہوتے تھے اور ان میں خاص وقفوں سے ایک مہینے کا اضافہ ہوتا تھا۔ سلطان شہید نے اپنی تقویم کے لئے ہندو تقویم کا ساٹھ سالہ دور بھی اختیار کیا تھا لیکن مہینوں اور سالوں کو انہوں نے عربی نام ہی دیئے تھے۔

نئی تقویم کے آغاز کے ساتھ ہی سلطان شہید نے اپنے سکوں کو بھی نئے نام دیئے یہ نئے نام ان سکوں کی پشت پر کندہ ملتے ہیں۔ سلطان شہید نے اپنے طلائی سکوں کے نام خلفائے راشدین کے اسمائے مبارک پر اور نقرئی سکوں کے نام ائمہ معصومین کے پاک ناموں پر رکھے تھے۔ تانبے کے سکوں کے لئے انہوں نے سیاروں کے عربی اور فارسی نام تجویز کئے تھے۔ سلطان شہید نے اپنے پہلے ڈبل پیسے کا نام حضرت عثمانؓ کے اسم گرامی پر "عثمانی" رکھا تھا۔ لیکن بعد میں جو ڈبل پیسے ڈھلے اس کے لئے انہوں نے ایک سیارہ کا نام تجویز کیا۔

اس طرح سلطان شہید نے اپنے چار پگوڈا کے مساوی طلائی سکے کو حضور

سرورِ کائنات صلعم کے اسم مبارک "احمدؐ" کی نسبت سے "احمدی" کا نام دیا۔ ڈبل پگوڈے کے مساوی سکے کو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نام مبارک کی نسبت سے "صدیقی" قرار دیا۔ ایک پگوڈے کے برابر سکے کو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی نسبت سے "فاروقی" پکارا۔ ڈبل روپے کو چوتھے خلیفہ اور پہلے امام، حضرت علیؓ کے اسم مبارک "حیدرؓ" کی نسبت سے "حیدری" کا خطاب دیا۔ روپے کو امام اول کی نسبت سے "امامی" قرار دیا۔ نصف روپے کو چوتھے امام حضرت امام زین العابدینؓ کی نسبت سے "عابدین" ربع روپے کو پانچویں امام حضرت امام محمد باقرؓ کی نسبت سے "باقری" روپے کے آٹھویں حصے کو، چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؓ کی نسبت سے "جعفری" اور روپے کے سولہویں حصے کو ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظمؓ کی نسبت سے "کاظمی" اور روپے کے بتیسویں حصے کو حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت سے "خضری" کے نام دیئے تھے۔

سلطان شہید نے پہلی مرتبہ جو ڈبل پیسہ جاری کیا تھا اس کا نام تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے نام پر "عثمانی" رکھا تھا۔ لیکن بعد میں عثمانی سے اس کا نام مشتری سیارے کے نام پر "مشتری" رکھ دیا۔ پیسہ کو "زہرہ"۔ آدھے پیسے کو "بہرام" ربع پیسے کو "اختر" اور پیسے کے آٹھویں حصے کو قطب کے نام دیئے تھے۔ سلطان شہید کے سکوں میں بس ایک طلائی سکہ پنام ہی ایسا ہے جس پر اس سکے کا نام کندہ نہیں۔ باقی تمام سکوں پر ان کے نام کندہ ہیں۔

ہمالہ کے دامن میں جو گھنے جنگل ہیں ان کو چھوڑ کر پورے ہندوستان میں اگر کہیں ہاتھی پایا جاتا ہے تو وہ بس میسور ہی کے گھنے جنگل ہیں۔ سلطان شہید اپنے ملک کے اس عظیم الجثہ حیوان پر بڑے نازاں تھے۔ قدیم طریقۂ جنگ میں اس حیوان کو وہی کلیدی اہمیت حاصل تھی جو آج کل کی جنگ میں "ٹینک" کو حاصل ہے۔ اسی لیے انہوں نے اپنے بیشتر سکوں پر ہاتھی کا بڑا نفیس اور خوبصورت نقش کندہ کرایا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی

ٹیپو سلطان کی علمی اور سماجی خدمات

طائرانہ نظر

ٹیپو سلطان وہ بد قسمت حکمران تھا جس کی حکومت کا پورا زمانہ جنگ و جدل اور معرکہ آرائی میں بسر ہوا اور تین دشمن اس کی ریاست کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور بالآخر ٹیپو سلطان کی بہادرانہ شہادت پر حکومت کا خاتمہ ہوا لیکن یہ امر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ سلطان تینوں دشمنوں کی متفقہ فوج کا مقابلہ کرتا رہا اور اگر اس کے نمک حرام غدار ملازم دشمن سے مل نہ جاتے تو ٹیپو پر غلبہ حاصل کرنا اور فتح پانا آسان نہ تھا۔

یہ امر درحقیقت قابل تعریف اور لائق ستائش ہے کہ ٹیپو سلطان باوجود اپنی جنگی مصروفیتوں اور دشمنوں کے نرغے میں گھرا ہونے کے علم و فن کی سرپرستی کرتا اور سماجی اصلاح کا کام بھی کرتا رہا۔

ٹیپو سلطان کو علم و فن سے جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی سرپرستی میں کئی کتابوں کو مرتب کرایا چنانچہ حسب ذیل کتابوں کی ترتیب سلطان کی سرپرستی میں ہوئی ہے۔

۱۔ خلاصہ سلطانی (احکام النساء)

۲۔ زاد المجاہدین۔

۳۔ جواہر القرآن۔

یہ تینوں کتابیں قاضی غلام احمد صاحب کی مصنفہ ہیں۔ قاضی صاحب ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اس کے دار السلطنت سرنگ پٹن کے قاضی تھے۔ جید عالم تھے۔ عربی فارسی اور اردو میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

تینوں کتابوں کے مخطوطات لندن میں موجود ہیں۔

اول الذکر کتاب میں فقہ عقائد اور شریعت کا بیان ہے۔ کتاب کئی فصلوں پر مشتمل ہے چند فصل یہ ہیں۔

غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، رضاع، فقہ، آداب شوہر، حقوق مرد حقوق عورت، طلاق، خلا، قربانی، ذبح، حلال، حرام وغیرہ۔ یہ کتاب نثر میں ہے حمد و نعت کے بعد سلطان کی مدح بھی ہے۔ ایک مختصر نظم بھی اس میں درج ہے جو حسب ذیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب شاعر بھی تھے۔

او شہ کہ جنکی فتح جہاں میں ہیں آشکار

تیغ ان کی دشمنان کے یو سرکوں کرے شکار

روشن کئے ہیں دین کوں توڑے ہیں کفر کو

کفار ان کے عصر میں ہیں یوں ذلیل و خوار

ہیبت سوں ان کے شاہ فرنگوں کا دل جگر

پکھلے کے جیوں کہ شیشہ سنین یاقوت خام کار

فیاض جن کے ہات سیں ہے ابر بھی خجل

او قطرہ بخش آب کا یو در کرے نثار

شاہ جہان ہے او ٹیپو سلطان دین کے

عالم کوان کے فیض سوں راحت ہے بے شمار

قاضی صاحب کی دوسری دو کتابیں ہم کو دستیاب نہیں ہوئیں۔ اس لئے کر اس کے متعلق کوئی تفصیل درج نہیں کی گئی۔

فتح نامہ ٹیپو سلطان۔ اس کتاب کا دوسرا نام اضراب سلطانی ہے۔

اس کا مصنف ٹیپو کے دور کا ایک شاعر حسین علی عزت ہے اس میں ٹیپو سلطان کے ایک جنگ کا حال شاعر نے چشم دید لکھا ہے۔ جنگ انگریز نظام اور مرہٹوں کی متفقہ فوج سے ہوئی تھی جس کا آخری نتیجہ صلح پر ہوا تھا۔ اس مثنوی کے دو مخطوطات لندن میں ہیں (یورپ میں دکھنی مخطوطات صفحہ ۲۰۸) اور ایک مخطوطہ کتب خانہ نواب سالار جنگ میں موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء میں مرتب ہوئی ہے۔

عزت ٹیپو سلطان کا درباری شاعر تھا۔ اس کتاب کا آغاز یہ ہے۔

عجائب سنو دوستاں داستاں
کہ جس کے بیان میں تا صر ہے زباں
مرہٹہ مغل فوج سب جمع کر
خوشی سات سلطان کے سن یہ خبر
کئے سب نے یوں شرط سوگند سات
لیویں ملک جلدی یوں اب پانے ہات

یہاں مغل سے مراد نظام کی فوج ہے کیوں کہ نظام مغلیہ حکومت کے صوبیدار سمجھے جاتے تھے۔

مفرح القلوب ــــ

اس کا مصنف بھی حسین علی عزت ہے اس میں موسیقی کا تذکرہ ہوا ہے اور ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۲ء میں اس کی تصنیف ہوئی ہے۔ اس کتاب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عزت کو شاعری کے ساتھ موسیقی میں بھی دستگاہ حاصل تھا۔ کتاب پانچ فصل میں منقسم ہے اور پانچ راگ کے تحت تیس غزلیات درج ہیں راگوں کے نام بھی کسی قدر مفصل دیئے گئے ہیں یعنی ان کو

طرزِ سلطانی۔ طرزِ سروسہی طرزِ سروش، طرزِ سرد بازنی اور طرزِ سبز داری سے موسوم کیا ہے۔

فتح المجاہدین ۔ اس نام کی کتاب ٹیپو سلطان کے حکم سے میر زین العابدین شوستری نے مرتب کی۔

اس میں فوجی قواعد و ضوابط جن کو خود ٹیپو سلطان نے بنایا تھا جمع کئے گئے ہیں چنانچہ اس کتاب کے دیباچہ میں حسب ذیل صراحت ہے۔

"اس ناتجربہ کار یعنی ضعیف الخلائق زین العابدین کو اعلیٰ حضرت سلطان نے مثل سابق حکم دیا کہ آتش خانہ (توپ خانہ) فوج کشی اور سپاہ کی تنظیم کے قواعد جو خود سلطان نے ایجاد فرمائے سلک تحریر و رشتہ تقریر میں لائے :

یہ کتاب سنہ ۸۳ ۱۷ء یعنی سنہ ۱۱۹۷ھ میں مرتب ہوئی ہے اور آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ پہلے دو باب میں اسلامی مسائل ہیں اور چھ ابواب میں فوجی قواعد و ضوابط کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔ قواعد کے بعض اصطلاحات اور باجوں میں بجائے جانے کے گیت وغیرہ اردو میں ہیں۔ فتح المجاہدین کا فارسی متن مرتبہ ڈاکٹر محمود حسین کراچی سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکا ہے .... یہ وہ چند کتابیں ہیں جن کی ہم کو اطلاع ہے۔ ان کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کس طرح علم کی اور زبان کی خدمت کی ہے۔

ٹیپو سلطان کے سماجی کارنامے بھی کئی ہیں انہوں نے معاشرت کو درست کرنے اور بیجا اسراف کو مسلمانوں سے دور کرنے کے لئے خود رسومات شادی بیاہ ترتیب دی کی اور اس موقع پر گانے کے لئے گیت لکھے اور عورتوں کے لباس میں برہنگی کو دور کرنے کے لئے انہوں نے عورتوں کے لئے جو جمپر یا انگیا پہننے کا حکم دیا تھا اس میں ستر کا پورا لحاظ تھا یعنی آستین نصف ہاتھ سے زیادہ ہوتی تھی آج سے پندرہ سال پہلے تک عام غیر مسلم عورتوں میں اس قسم کی انگیا استعمال ہوتی تھی۔

لنگایت قوم کے بعض مندروں میں جتنی آئین موجود ہیں ایک ایسی قوم بھی موجود

ہر جو انسانی اعضائے تناسل کی پرستش کرتی تھی اور خاص موقعوں پر علانیہ جنسی پوز کے ساتھ عوام کے سامنے سے گزرتے تھے۔ ٹیپو سلطان نے اس حیا سوز بداخلاقی کی ممانعت کر دی تھی۔

بہر حال ٹیپو سلطان کے جنگی کارناموں سے قطع نظر ان کی علمی ادبی اور سماجی خدمات بھی قابل قدر اور لائق ستائش ہیں۔ ان کا اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ایک ضخیم مقالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے جس نے اپنی بعض دوسری مصروفیتوں کے باعث اس مضمون میں صرف ان کتابوں کی نشان دہی کی ہے جو سلطان کے حکم سے مرتب ہوئی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کتاب پر تفصیل سے مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ جو میرے لئے دشوار ہے۔

حکیم محمود احمد برکاتی

کتب خانہ سرکار خداداد

مسلمانوں نے ابتدا سے اب تک کتابوں کے ساتھ جس غیر معمولی شغف کا عملی مظاہرہ کیا ہے وہ مولینا شبلی سے لے کر آج تک داستان سراؤں کا ایک محبوب موضوع رہا ہے، اس داستان کی تکرار سے جو فوائد منصور ہیں افسوس ہے کہ وہ مترتب نہیں ہوتے، سلطان شہید کی کل مدت فرماں روائی تقریباً سترہ سال ہوتی ہے اس مدت میں اس نے مخطوطات کا نفیس ذخیرہ فراہم کر لیا تھا، اتفاق ہے کہ قیام پاکستان کو بھی ٹھیک اتنی ہی مدت ہوتی ہے، لیکن اس سترہ سال کے عرصہ میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کتب خانہ کو واپس لے آتے، یہ ذخیرۂ کتب ایک سو چونسٹھ سال سے "ولایت" میں ہے، اسے ہنوز برصغیر نہیں لایا جا سکا۔

کتابوں سے غیر معمولی شغف کا ہم نے کتنا غیر معمولی مظاہرہ کیا ہے! بھلا کوئی حد ہے ہماری علم دوستی کی۔

بہر حال سلطان شہید کا کتب خانہ، اصولاً ہماری ملک تسلیم کئے جانے کے بعد باوجود ابھی تک انڈیا آفس لائبریری کی زینت ہے اور اس کے متعلق ہمارا واحد ذریعۂ علم وہ فہرست ہے، جو ۱۸۰۹ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی، اس فہرست کی بنیاد پر اس کتب خانہ اور اور اس کے مخطوطات کا ایک رواں تعارف ہم آپ سے کرا رہے ہیں[1]۔

[1] اس سلسلے میں بھی ایک لطیفہ سنتے چلئے! کتب خانہ پر مضمون لکھنے کے لئے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کتب خانہ کی مختصر تاریخ

"سرکار خداداد" کی عمر تقریباً ۴ صدی (۱۷۶۲ — ۱۷۹۹ء) ہے اور اس کے فرمانرواؤں کی کل تعداد دو ہے، حیدر علی (م ۱۷۸۲ء) نے اسے قائم کیا اور فتح علی ٹیپو کی شہادت (۱۷۹۹ء) پر یہ ختم ہو گئی۔ اس ثلث قرن کی مختصر مدت میں بھی یہ دونوں حکمراں متعدد حریفوں سے مسلسل برسرپیکار رہے۔ مگر اس کے باوجود سقوط سرنگاپٹم کے بعد جب کمپنی کے کارکنوں نے کتب خانۂ سرکار خداداد پر قبضہ کیا تو وہ "تقریباً دو ہزار" کتابوں پر مشتمل تھا، فہرست نگار کا بیان ہے کہ

> ان میں سے بہت کم کتابیں حیدر علی اور ٹیپو نے خریدی تھیں بلکہ یہ اس لوٹ میں آئی تھیں جو مالوَر، کڑپا اور کرناٹک میں انہوں نے کی تھی۔ کچھ کتابیں بیجاپور اور گولکنڈہ کے بادشاہوں کی ملک رہ چکی تھیں، زیادہ تر کتابیں، نواب محمد علی خاں والی کرناٹک کے بھائی نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں کی ملک تھیں اور ۱۷۸۰ء میں حیدر علی نے حاصل کی تھیں۔"

یہ کتب خانہ عربی، فارسی، ترکی اور اردو زبانوں میں مختلف علوم و فنون کی تقریباً دو ہزار کتابوں پر مشتمل تھا۔ ہر کتاب جو کتب خانہ میں داخل ہوتی اس کی نہایت خوبصورت جلد بنوائی جاتی تھی، جلد کے وسط میں آب زر سے "اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین" رکھا جاتا اور چاروں گوشوں پر خلفاء اربعہ (رضوان اللہ علیہم) کے اسماء گرامی کندہ کئے جاتے اوپر "سرکار خداداد"

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) جب ہمیں اس کی فہرست کی ضرورت ہوئی اور تلاش کیا تو ہمیں مسلمانوں کی اس "علم دوستی" اور "ٹیپو پرستی" پر حیرت ہوئی کہ کراچی کے بیشتر سرکاری و شخصی کتب خانے اس فہرست سے بھی خالی اور محروم تھے، آخر انڈیا آفس کی لائبریری سے ڈاکٹر سید معین الحق کے توسط سے یہ کتاب عاریتاً حاصل ہوئی۔

اور نیچے "اللہ کافی" لکھا جاتا تھا۔ سلطان شہید جس کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اس پر "مہر سلطانی" بھی ثبت کر دی جاتی تھی۔

فہرست نگار ایک ایسی قوم کا فرد ہے، جو مسلسل کئی قرنوں سے حقیقتاً علم دوست چلی آرہی ہے اس لئے وہ کتابوں کے ذخیرہ کرنے اور کتب خانہ بنانے کی اہمیت کو سمجھتا ہے اور اس کی نظر میں یہ ایک قابل فخر اور شائستہ تحسین و ستائش کام ہے اس لئے وہ اس نفیس ذخیرۂ کتب کی فراہمی کا فخر سلطان کو حاصل نہیں ہونے دینا چاہتا اور اسے "لوٹ کا مال" بنا کر سلطان کے اس کارنامے کی اہمیت کو کم کرنے کے درپے ہے مگر اولاً تو لوٹ کے مال میں کتابوں کو بھی شامل کرنا خود علم دوستی کا ایک درجہ ہے، ورنہ ہم تو ایک ایسی قوم سے بھی واقف نہیں جس کو "فتح دکن" میں "دارالترجمہ" کا عظیم الشان ذخیرۂ کتب ہاتھ آیا مگر اس نے بجائے اس کے کہ ان کتابوں کو حاصل کرکے خورش ہوتی۔ انہیں محفوظ کرتی ان کی تعداد بڑھاتی، برقی آلات سے ان تمام کتب کو خاکستر میں تبدیل کر دیا اور اس طرح ان مندآوروں کی یاد تازہ کر دی جنہوں نے بغداد پر قبضہ کرکے وہاں کی کتابوں سے حمام گرم کئے تھے

پھر لوٹ ہی میں کتابیں حاصل کرکے ان کو مرکز سلطنت میں منتقل کرنا، ان کی نگرانی کے لئے مہتمم کا تقرر، ان کی حفاظت کا معقول اہتمام اور سب سے بڑھ کر ان کا مطالعہ اور صحیح استعمال! کیا یہ سب باتیں بھی آپ ہی مدعا کو ثابت کرتی ہیں۔

ان سب پر مستزاد یہ کہ ان کتابوں میں سے ۴۵ کتابیں ایسی بھی ہیں جو سلطان شہید کے حکم سے یا اس کی نگرانی و سرپرستی میں تالیف یا ترجمہ کی گئیں اور اس کے نام معنون کی گئیں۔

سقوط سرنگاپٹم کے بعد کمپنی نے اس کتب خانے پر قبضہ کرکے اس کی حفاظت کا اہتمام کیا اور حادثۂ شہادت کے ٹھیک ایک سال بعد اس فتح کی یادگار کے طور پر جب سنہ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی اساس قائم کی گئی تو یہ کتب خانہ کالج میں منتقل کر دیا گیا اس کتب خانہ کی تقریباً نصف کتابیں آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیوں اور

رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو بخش دی گئیں، باقی نصف کتابیں چند دن کالج میں رہیں،
یہیں اسٹوارٹ نے ان کی فہرست مرتب کی اس کے بعد یہ انگلستان منتقل کر دی گئیں
اور آج تک وہیں ہیں۔

فہرست پر ایک نظر

۱۸۰۳ء میں فورٹ ولیم کالج میں پرشین لینگویج کے جونیر پروفیسر کی حیثیت سے
بنگال اسٹیبلشمنٹ کے سابق میجر چارلس اسٹوارٹ (Charles Stewart)
کا تقرر ہوا، اس نے کالج میں اس ذخیرۂ کتب کو دیکھ کر پہلے تو ذاتی طور پر دلچسپی لی اور طے کیا کہ
ملازمت سے سبک دوش ہونے پر ان کتابوں پر کام کروں گا اگرچہ چند روز بعد اس کی درخواست
پر کمپنی نے یہ خدمت اس کو باقاعدہ تفویض کر دی، ساتھ ہی کالج سے متعلق چار منشیوں کو اس
کی اعانت پر بھی مامور کر دیا گر چونکہ منشیوں کو کالج میں بھی اپنے فرائض ادا کرنا ہوتے تھے اس لئے
وہ اسٹوارٹ کے زیادہ کام نہ آسکے ان میں صرف ایک صاحب مولوی حسین علی (جنہیں دہلی اردو اخبار
کے ایڈیٹر کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے) نے آخر تک معاونت کی اسٹوارٹ نے ایم ڈی
ہربیلوٹ M.D. Herbelot کی "بلیوتھک اورینٹیل"
Bibliotheque oriental اور اس کو رائل و فرانس کے کتب خانوں کی
مطبوعہ فہرست کو نمونہ بنا کر ایک متوسط ضخامت کی فہرست مرتب کی۔
یہ فہرست اسٹوارٹ نے انگلستان پہنچ کر ۱۸۰۹ء میں اپنے صرف سے بغیر کسی کی
اعانت کے محدود تعداد میں طبع کرائی تھی۔

فہرست کا پورا نام ہے Desriptive cataloge
of the Oriental library of the late
Tippoo Sultan of Mysore

فہرست کی ضخامت بڑے سائز کے ۳۶۴ صفحات ہے۔ ترتیب یوں ہے۔

(۱) انتساب

(۲) پیش لفظ ص الف تا

ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ ضخامت کی اس کتاب میں ہمارے مفید مطلب صرف ۱۸۴ صفحات ہیں جن میں سرکار خداداد کے کتب خانہ کی فہرست پیش کی گئی ہے اس فہرست کے مطالعہ کے بعد ، ، کے علمی مقام، فن کتابیات میں اس کی ناواقفیت اور

ملہ حیات (بایوگرافی) کو اسٹوارٹ نے Memoirs سے تعبیر کیا ہے اس دور میں اس معنی میں میموررس کا رواج ہوگا اس طرح متعدد الفاظ کے املا کو ہم اس دور کے املا سے مختلف پاتے ہیں مثلاً دہلی کو Dhely اور دکن کو Dekhan

عہ پیش لفظ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ حصہ جلد اول کے طور پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فہرست کے جو اہم نقائص ہم نے محسوس کئے ہیں وہ عرض کرتے ہیں۔

فہرست نگار جیسا کہ خود انھوں نے پیش لفظ میں اعتراف کیا ہے نوعمری ہی میں فوج میں ملازم ہوگئے تھے اور ۲۵ سال تک فوج ہی میں خدمات انجام دیتے رہے اس لئے انہیں علمی مشاغل کا موقعہ بہت کم نصیب ہوا یہی وجہ ہے کہ ہم اس فہرست کو ایک فہرست کی حیثیت سے بہت ناقص پاتے ہیں۔

سب سے نمایاں نقص اس فہرست میں املا کی اغلاط ہیں، نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر کتاب کا نام فارسی رسم الخط میں بھی دیا ہے، یہ نام بالعموم املا کی غلطیوں سے خالی نہیں ہیں، علم نحو کو ہر بار حائے حطی کے بجائے ہائے ہوز سے لکھا ہے: ہند کو ہنید معارج کو موارج، نکات کو نقات، اعمی کو عمی، اعجاز کو عجاز، فواکہ کو فواقہ، مجحوب کو مہجوب، صادق کو سادق، سوزنی کو صوزنی، ہمام کو حمام، رامائن کو رامایان، الغ خانی کو الخاقانی، قرابادین کو قرابدین، سویدی کو تسویدی، وغیرہ بکثرت الفاظ کے غلط املا بار بار غلط لکھے گئے ہیں۔

املا کی غلطیاں صرف فارسی رسم الخط تک محدود نہیں ہیں، رومن رسم الخط میں بھی یہی رنگ ہے، ایک کتاب کا نام ہے ابناء الجنان (ان ب ا) اس کو فارسی رسم الخط میں بھی ابنار لکھا ہے اور رومن میں بھی ABNA اسی طرح اخلاق محسنی کو MOHUSSENY "مقالۂ خامس النجوم" میں خامس کو حامس HAMIS لکھا ہے۔

مشہور کتابوں اور مشہور مصنفین کے ناموں میں جو غلطیاں کی ہیں وہ مضحکہ خیز ہیں، بالخصوص تاریخ ہند کی کتابوں میں مثلاً مشہور کتاب گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ)

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ہے اگر میری ہمت افزائی کی گئی تو دوسری جلد بھی جلد پیش کروں گا جس میں دوسرے فنون کی کتابوں کے اقتباسات بھی درج ہوں گے مگر کتاب اپنے نقائص کے باعث مقبول نہیں ہو سکی اس لئے نہ جلد اول کی دوبارہ اشاعت کی نوبت آئی نہ جلد دوم کی اشاعت کی۔

کو کتاب نوشتہ تمام" اور اس کے مصنف کا نام محمد کاظم Kazim لکھا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور کتاب "جذب القلوب" کو "جذب القلوب مدینہ" لکھا ہے، گلزار ابرار کو غوثی مانڈوی کے بجائے محمد غوث گوالیاری کی تالیف بتایا ہے راحۃ القلوب کے مصنف کو نظام احمد لکھا ہے۔

محمد غوث گوالیاری کے جواہر خمسہ کو حمسیہ Humsyeh لکھا ہے اور مصنف کا نام غوث العالم تحریر کیا ہے اور تاریخ وفات ۹۷۰ھ؍۱۵۶۳ء کے بجائے ۹۶۳ھ؍۱۵۶۱ء لکھی ہے، ابوالحسن فرحانی کو ابوالحسین محمود گاواں کو محمد جیلانی، الفرج بعد الشدت (از ابو علی تنوخی) کو Terrekh ایساغوجی کو عیساغوجی لکھا ہے۔

علوم وفنون کی تقسیم بھی صحیح نہیں ہے، ایک باب کا عنوان ہے نجوم Astronomy لیکن نجوم، فلکیات، ہیئت، جفر، رمل، زیج و تقویم غرض متعدد علوم کی کتابیں درج کر دی ہیں، طب کے لئے انگریزی اصطلاح فزک Physic استعمال کی ہے غالباً ۱۹ ویں صدی کے آغاز میں طب کو فزک ہی کہا جاتا ہوگا، تصوف کو "صوفی ازم" اور کلام وعقائد کو تھیالوجی لکھا ہے، طب کی بعض کتابیں لغات میں بعض صناعات میں بعض دکھنی کتب میں درج ہیں، "فلسفہ" کے عنوان کے تحت منطق، کلام کی کتب حدیہ تک کہ فن معانی وبیان و بدیع کی کتب مختصر المعانی ومطول اور ان کے حواشی بھی درج کر دیئے ہیں،

سب سے اہم عیب جس نے اس کتاب کی افادیت کو یکسر ختم کر دیا ہے یہ ہے کہ مصنف نے اس میں کتابوں کے سنین کتابت کا قطعاً اہتمام نہیں کیا، سنین کتابت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کتاب کی قدر وقیمت کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، مخطوطات میں اصل اہمیت سنین کتابت کی ہوتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ کتاب ایک "فہرست" Catalogue نہایت ناقص و ناکافی اور ایک طالب علمانہ کوشش معلوم ہوتا ہے۔

کاش! پاکستانی جامعات کے اساتذہ کو خدا توفیق دے کہ وہ اپنے کسی طالب علم

کو ڈاکٹریٹ کے لئے "کتب خانۂ سرکار خداداد" کو تحقیق کے لئے منتخب کرنے کی ہدایت کریں اور
اس طرح یہ نئی فہرست اردو میں مرتب ہوئی اور اس کے استفادہ کا دائرہ وسیع تر ہو سکے
پھر ایک قیمتی ذخیرۂ کتب کی ایک مفصل و مکمل اور صحیح و جامع فہرست ہمارے ہاتھوں میں
آئے جس میں یہ بھی بتایا جائے کہ ان کتابوں میں کون کون سی کتابیں اب طبع ہو چکی ہیں اور جو
ہنوز محفوظ ہیں وہ دنیا کے کن کن کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں اور ان میں سے کون سی
کتابیں ایسی ہیں جو صرف اس کتب خانے کی زینت ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اردو زبان میں اس کتب خانہ کی ایک ایسی فہرست کی اشاعت
اس کتب خانہ کی واپسی کی بھی راہ ہموار کرے گی۔

بہر حال اگر خدا ناخواستہ ہمارے طلبا اور اصحاب تحقیق میں سے کسی صاحب کو اس بات
کی توفیق ارزانی ہو کہ وہ انگلستان جا کر اور انڈیا آفس میں چند روز صرف کر کے نادر ذخیرۂ
کتب کی ایک نئی اور جامع فہرست خود مرتب کریں تو ان سے یہ گذارش کرنے کو بھی جی
چاہتا ہے کہ وہ کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے
کتب خانوں میں بھی اس کتب خانہ کی کتابوں کی تلاش کر کے ان کو شامل فہرست کریں کیونکہ
فہرست نگار نے جہاں اور غلط بیانیاں کی ہیں وہاں اس کتب خانہ کی تعداد کتب کے سلسلے
میں بھی مغالطہ دینے کی سعی ناکام کی ہے۔ پہلے خود ہی فرمایا کہ "تقریباً دو ہزار کتابوں" پر یہ
کتب خانہ مشتمل تھا پھر فرمایا کہ ان میں صرف چند کتابیں Only a few
Manuscripts کیمبرج، آکسفورڈ اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو
ہدیہ کر دی گئیں" لیکن وہ چند کتابیں تقریباً نصف کتب خانہ کے برابر تھیں اس لئے
کہ فہرست نگار نے اپنی فہرست میں جن کتابوں کی تفاصیل درج کی ہیں ان کی مجموعی تعداد
ایک ہزار نوے ہوتی ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت سلطان کے فوراً بعد کتب خانہ کو
بھی لوٹا گیا تھا بعد میں کسی کو توجہ ہوئی ہوگی اور اس نے بقیہ کتابوں کو محفوظ کیا ہوگا،
کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب اپنے ایک مضمون (صدق جدید لکھنؤ ۲۱-۲-۵۸ء)

میں ایک کتاب اورنٹیل فریگ منٹس Orintal Fragments
نے اس کے مصنف ایڈورڈ مور Edward Moore کا (جو حادثۂ
شہادت کے وقت سرنگاپٹم میں موجود تھا) بیان نقل کرتے ہیں۔

ایک انگریز نے ایک جوڑی جڑاؤ کنگنوں کی سلطان کے
زیورات میں سے ایک سو روپیہ میں خریدی یہ جوڑی انگلستان میں
چالیس ہزار پونڈ میں فروخت ہوئی مصنف نے خود ایک مخطوطہ
سلطان کی لائبریری سے پانچ روپیہ میں خریدا اسی وقت اس کے ایک
دوست نے اس کی قیمت دو ہزار دے ڈالی بعدہٗ یہی مخطوطہ
ڈھائی سو پونڈ میں این ایچ اسکوائر (بمبئی سول سروس) کے ہاتھ
بکا۔

قرآن مجید کا مخطوطہ جو شاہ دین پناہ محی الدین عالم گیر کے کتب خانہ میں رہا تھا اور جس کے
ہدیہ کا اندازہ نو ہزار روپیہ لگایا گیا تھا، وہ نادر و مقدس مخطوطہ خود اسٹوارٹ کا بیان
ہے کہ اب

"اچھے اور عظیم تر شہنشاہ (انگلستان) کی قیمتی
لائبریری میں ہے" م ۱۶۶

ان واقعات کی روشنی میں میرا قیاس یہ ہے کہ یہ کتب خانہ دو ہزار سے زیادہ
کتب پر مشتمل ہوگا، پہلے لوٹ مار پھر تقسیم پھر "ہدیہ بازی" میں اس کی ہر اور کم سے کم ہر
کتابیں منتشر ہوگئیں اور صرف ایک ہزار دو سے کتابیں رہ گئیں جن کے نصیب میں صف سوم
کا کوئی مستشرق بھی نہیں بلکہ ایک سپاہی — میجر چارلس اسٹوارٹ — لکھا تھا۔

کتب خانہ ایک نظر میں

اسٹوارٹ نے اپنی کتاب میں جن ایک ہزار نوے کتابوں کی تفصیلات درج کی ہیں
علوم و فنون کے لحاظ سے ان کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

تاریخ وتذکرہ

فارسی :- عام ۲۷

ہند ۲۵

مذہبی ۵۶

عربی ۱۰ کل ۱۱۸

تصوف : فارسی ۹۷

عربی ۱۸ کل ۱۱۵

اخلاقیات

فارسی ۲۳

عربی ۱ کل ۲۴

نظم

فارسی ۱۷۲

عربی ۱۸ کل ۱۹۰

قصص وحکایات

فارسی ۱۸ کل ۱۸

مکاتیب

فارسی ۵۱

عربی ۲ کل ۵۳

علوم وصناعات

فارسی ۱۸

عربی ۱ کل ۱۹

حساب وریاضی

فارسی ۳

عربی ۴ کل ۷

نجوم

فارسی ۱۲

عربی ۸ کل ۲۰

طب

فارسی ۴۸

عربی ۱۴ کل ۶۲

فلسفہ

عربی ۵۴ کل ۵۴

صرف ونحو

فارسی ۱۲

عربی ۳۳ کل ۴۵

لغت وفرہنگ

فارسی ۱۴

عربی ۱۵ کل ۲۹

کلام وعقائد

فارسی ۱۱

عربی ۳۵ کل ۴۶

فقہ

عربی ۶۵

فارسی ۳۰ کل ۹۵

حدیث

فارسی	۷	
عربی	۳۹	کل ۴۶
قرآن مجید	۴۴	کل ۴۴
تفاسیر و تجوید	۴۱	کل ۴۱
اوراد و وظائف	۳۵	کل ۳۵

اردو و دکھنی

نظم	۲۳	
نثر	۴	کل ۲۷
ترکی و تاتاری	۲	کل ۲

کل ۱۰۹۰

زبانوں پر ان کتب کی تقسیم یوں کی جائے گی کہ

ترکی زبان کی کتابیں	۲
اردو اور دکھنی کی کتابیں	۲۷
عربی کی کتابیں تقریباً	۴۰۰
فارسی کی کتابیں تقریباً	۲۶۱

کل ۱۰۹۰

یہ کتب خانہ جیسا کہ اس سے پہلے صراحت کی جا چکی ہے سراسر مخطوطات پر مشتمل ہے اور مخطوطات کی ندرت اور قدر و قیمت اس وقت متعین کی جا سکتی ہے جب یہ

عہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب خانہ کی جو کتب ادھر ادھر تقسیم ہوئیں انہی میں مطبوعات کا تمام تر حصہ بھی چلا گیا ورنہ کتب خانہ میں مطبوعہ کتب کا نہ ہونا قابل فہم نہیں ہے کیونکہ عہد سلطان سے تقریباً ۱/۲ ۲ صدی قبل طباعت کا رواج ہو چکا تھا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

معلوم ہو کہ یہ مخطوطہ کب کتابت کیا گیا ہے؟ اسے کس نے کتابت کیا ہے؟ کس مخطوطہ کی اہمیت ندرت اور قیمت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب یہ کہا جائے کہ یہ اصل مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یا پھر وہ مصنف کے اصل مسودہ سے منقول ہو یا پھر وہ مصنف سے قریب العہد ہو یا وہ کسی مشہور عالم کے ہاتھ لکھا ہوا ہو یا کسی خاص شخصیت کی ملک رہا ہو، یا کسی نامور کاتب کا تحریر کردہ ہو فہرست نگار نے ان تمام امور سے صرف نظر کا خصوصی التزام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان شہید کی شخصیت سے روحانی و جذباتی لگاؤ کے باوصف ہم ان کے کتب خانہ کی اس فہرست کا مطالعہ کرتے ہیں مگر اس میں کوئی کشش نہیں پاتے ایک مثال عرض کرتا ہوں: اس فہرست میں آپ پڑھتے ہیں کہ "اس کتب خانہ میں صحیح بخاری کا بھی ایک نسخہ تھا، صحیح بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ایک معتبر مجموعہ ہے، جسے محمد بن اسماعیل بخاری نے جمع کیا تھا، تو آپ فرحت انبساط کی کیفیت اپنے قلب میں محسوس نہیں کرتے، برخلاف اس کے میں آپ کو بتاؤں کہ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) اسلامی و مشرقی فنون کی بہت سی کتابیں طبع ہو چکی تھیں، خود اس فہرست میں بعض مخطوطات کے ضمن میں فہرست نگار نے بتایا ہے کہ یہ کتابیں فلاں فلاں سنین میں فلاں فلاں مقامات پر طبع بھی ہو چکی ہیں، یہی نہیں بلکہ بعض مطبوعات کے سلطان کی حیات ہی میں برصغیر پہنچنے کی بھی اس فہرست کے ایک ضمیمہ (نمبر) میں صراحت ہے، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود سلطان کے حکم سے اور نگرانی میں کئی انگریزی اور فرنچ کتابوں کے تراجم ہوئے تھے، ان کتابوں کے اصل مطبوعہ متون آخر کہاں گئے؟

کہنے کا مقصد اپنی اس بات کو دہرانا اور منوانا ہے کہ کتب خانۂ سلطانی میں وسیع پیمانے پر خورد برد ہوئی ہے اور پیش نظر فہرست کی مندرجہ کتب کو ہم زیادہ سے زیادہ اصل کتب خانہ کا ہر حصہ کہہ سکتے ہیں۔

(۱۳) فتح المجاہدین عسکری قوانین کا کوڈ جسے خود سلطان نے جمع کیا، اس کے ایک حصہ کا ترجمہ مسٹر بی کرسپ (بنگال) نے شائع کیا ہے[1] (خطوط ۳۴، ۱۲۴)

(۱۴، ۱۵) حکم نامۂ جاسوساں و حکم نامۂ اتالیق، پہلی کتاب جاسوسوں کے لئے سلطان کی ہدایات کا کوڈ ہے یا محکمۂ خفیہ کا ہدایت نامہ ہے، دوسری کتاب سلطان کے صاحبزادوں کے اساتذہ کے لئے ایک مفصل ہدایت نامہ ہے (خطوط ۳۵، ۳۶، ۹۳۳)

(۱۶) "حکم نامہ" حکومت کے مختلف شعبوں کے لئے قواعد و ضوابط مثلاً لگان نامہ، خزانہ رجسٹری، منادی، شعبۂ کاروان، معفخ، شفا خانہ۔

(۲۹) توشک خانہ، اسلحہ خانہ، توپ خانہ، قلعہ بندی، یہ تمام احکام خود سلطان کی نگرانی میں مرتب کئے گئے۔ (خطوط ۲۲ تا ۲۵، ۳۳۴ ۹۴)

گورنر جنرل کے پرشین سکریٹری کا مندرجۂ ذیل نوٹ، مندرجۂ بالا تمام حکم ناموں پر منطبق ہوتا ہے۔

> "ٹیپو سلطان نے یا تو بہت واضح انداز میں اپنی مطلق العنانی اور اپنی مبینہ آزادی کے اظہار کے لئے اور نفرت اور غرور کی بنا پر تمام اسلامی حکومتوں میں مستعمل تبدیل کر دیا اور حکومت کے تمام شعبوں کے نام اور عہدے اور اس کی تقسیم کا نظام، لگان کی اصطلاحات، آلات، جنگ، سکے، اوزان اور پیمانے بدل کر ہندوستان کے دیگر حصوں میں مستعمل ناموں کے بجائے اپنے ایجاد کردہ اصطلاحات رائج کیں"

(خطوط ۲۳ تا ۲۴، ۹۴)

[1] یہ کتاب ڈاکٹر محمود حسین نے ۱۹۵۰ء میں کراچی سے شائع کرا دی ہے۔

کا اندراج نہیں ہے۔ (فہرست ص۱۹۱) تاریخ عام ۴۸

(۲) عروس عرفان (عام خط) کسی متعصب مسلمان کے قلم سے، مذہب اسلام کے محاسن، ہندوؤں کو تبلیغ کے لئے، معنون سلطان ٹیپو بمقام سرنگاپٹم، (فہرست ص ۴۵۴) تصوف ۹۵

(۳) زاد المجاہدین (شکستہ) جو مذہبی جنون کی ترغیب اور ہنود پر تشدد کی دعوت اکثریت کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا گیا، معنون بہ سلطان ٹیپو "(فہرست ۴۵۴) تصوف ۹۶

(۴) وعظ المجاہدین، ہندوؤں کی ایذا رسانی اور عیسائیوں کی بیخ کنی کی ترغیب اور اس موضوع پر متعدد آیات قرآنی کے حوالے، سلطان کے حکم سے ترتیب دی گئی جس کا ذہن شب و روز اس موضوع پر منہمک رہتا تھا زمان شاہ وغیرہ سے اس کی مراسلت انہی باتوں سے پُر ہے اور اس کے خواب جو جنگ نامۂ میسور" (مرتبہ بیٹسن Beatson) کے ضمیمہ کے طور پر طبع ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ سوتے وقت بھی اس کا ذہن انہی تصورات میں گم رہتا تھا۔

(نوٹ) بیں صوفیوں سے ان تین کتابوں کے شائع کرنے پر معذرت خواہ ہوں لیکن میرے مولوی نے جو سید تھے (مولوی حسین علی) ان کتابوں کو قدامت پسندانہ تصانیف میں شامل کرنے پر شدید اعتراض کیا تھا (اس لئے مجبوراً یہاں درج کیا تھا) تصوف ۴۵۴

(۵) قصۂ داد بخت، منظوم حکایات، جنہیں سلطان ٹیپو کے استاد حسین علی (ملک الشعراء سلطنت خداداد) نے نظم کیا (فارسی شاعری ۱۰۱ ص ۷۴)

(۶) لعل و گوہر، یہ بھی ایک منظوم حکایت ہے اور اس کا ناظم بھی ملک الشعراء حسین علی ہے، یہ افسانہ بھی حیدر علی کے عہد میں منظوم ہو کر شاہزادہ ٹیپو کے نام سے ۱۷۷۶ء میں معنون ہوا تھا، (فارسی شاعری ۱۰۲ ص ۷۴)

(۷) مؤید المجاہدین ۔ یہ فارسی زبان میں ۲ منظوم خطبات ہیں، جو سلطان کے حکم زین العابدین نے نظم کئے تاکہ سلطنت خداداد کے تمام مساجد میں نماز جمعہ میں سنائے جایا کریں ان میں ہندوؤں اور عیسائیوں کی مخالفت کی گئی ہے، خط نستعلیق، سلطان کے دستخط اور مہر سے مزین، (فارسی شاعری ۱۲۰ ص ۷۶)

(۸) حکم نامۂ وکلار علی خاں وغیرہ (خط شکستہ آمیز) ۱۷۸۶ء میں سلطان نے قسطنطنیہ فرانس اور انگلستان جو وکلار (سفرار) بھیجے تھے، ان کے نام ہدایات پر مشتمل مکاتیب کا یہ مجموعہ ہے یہ آٹھ مکاتیب ہیں پہلے خط میں سفرار کے طرزِ عمل کے متعلق عام ہدایات ہیں دوسرے خط میں، فرانسیسی قوم سے روابط پیدا کرتے وقت ملحوظ امور کے بیان میں۔

تیسرے خط میں، عثمان پاشا سے ملاقات کے انتظام کی ہدایت چوتھے خط میں سلطان کے قابلِ خرید اشیاء کی فہرست۔ پانچویں خط میں گرینڈ سیگنیر کے سلسلے میں مزید انتظامات کی ہدایت چھٹے خط میں۔ فرانس کے "راجہ" (شاہ) کے سلسلہ میں مزید انتظامات کی ہدایت، ساتویں خط میں، انگلستان کے "راجہ" کے سلسلہ میں شکایات و ہدایات، آٹھویں خط میں مذکورہ "راجاؤں" کے تحائف کی فہرست اور سفرار کو مزید ہدایات (خطوط و فنشات ۲۹ ص ۹۲۳)

(۹) "روزنامچۂ غلام علی خاں وکیل وغیرہ" (خط شکستہ)

اس مجموعہ میں جو غلام علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے بعض اہم معلومات ہیں۔ یہ روزنامچہ قسطنطنیہ کی سفارت کے متعلق ہے اور ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۶ء تک کی روداد ہے۔ (خطوط ۳۰ ص ۹۲۳)

(۱۰) حکم نامۂ وکلار بنام قطب الملک وغیرہ، ۹۰-۱۷۸۹ء میں سلطان کی طرف سے دربار حیدرآباد میں قطب الملک اور علی رضا سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ حکم نامہ ان سفیروں کے نام ہدایات کا حامل ہے، اس میں ان تحائف کی فہرست بھی ہے جو نظام کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (خطوط ۳۱ ص ۹۲۳)

(۱۱) روزنامچۂ وکلار حیدرآباد، قطب الملک اور علی سفرار سلطان برائے حیدرآباد کا روزنامچہ: انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا، خطوط ۳۲ ص ۹۲۳)

(۱۲) فرمان بنام علی راجا، یہ سلطان کا فرمان ہے علی راجا کے نام جو غالباً کنانور کا حاکم تھا اس کے ساتھ کناری زبان میں چند خطوط بھی ہیں (خطوط و فنشات ۳۳ ص ۹۲۴)

فلاں کتب خانے میں صحیح بخاری کا ایک نسخہ ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطالعہ میں رہا ہے یا اسے مشہور خطاط یاقوت نے لکھا ہے یا اس پر شاہ عالمگیر کی مہر ہے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھے گا اور آپ اس نسخہ کی زیارت کے متقاضی و آرزومند ہوں گے۔ یہ کیوں؟ بات یہ ہے کہ صحیح بخاری اب ایک عام کتاب ہے بارہا طبع ہو چکی ہے اس لئے اس کے کسی نسخے میں جب تک آپ کسی خصوصیت اور ندرت کی نشان دہی نہیں کریں گے مخاطب کو اس کی زیارت کے لئے مضطرب کر دینے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے، یہاں صورت یہ ہے کہ اصل کتابیں سات سمندر پار دفتر ہند میں آراستہ ہیں اور آپ کا واحد ذریعۂ علم جو فہرست میں ہے وہ ان خصوصیات کے اظہار سے عاجز ہے۔ مصنفین کے ناموں اور کتابوں کے ابواب وحصوں کی تفصیلات سے اب ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا کیوں کہ ان میں سے تقریباً ۷۵ فی صد کتب اب عام طور پر مطبوع و شائع ہیں۔

اس کتب خانے کا وہ حصہ تاریخی اہمیت کا حامل اور ہماری خصوصی توجہ کا مستحق ہے جو صرف اس کتب خانے کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہماری مراد ان ۴۵[1] کتابوں سے ہے جو سلطان کے حکم سے اس کی نگرانی و سرپرستی میں لکھی گئی یا اس کے نام معنون کی گئیں، ذیل میں ان کی تفصیل[2] درج کی جاتی ہے۔

(۱) کیفیت راجہائے میسور، بخط شکستہ، میسور کے راجاؤں کے حالات پر مشتمل ایک کنڑی زبان کی کتاب کا فارسی ترجمہ جو بحکم سلطان کیا گیا مگر اس کتاب میں سنین

[1] فہرست نگار نے کئی مقامات پر ان کتابوں کی تعداد ۴۵ بتائی ہے لیکن ہمیں ۳۴ کتابوں کے متعلق ٹیپو سے انتساب یا اس کی نگرانی کی صراحت ملی ہے۔

[2] یہاں سے ہم فہرست کی عبارت کا اس کے لہجہ میں ترجمہ کریں گے۔

(۳۰) کتاب اخبار" اخبارات کے اقتباسات اور ان خاص واقعات کی یادداشتیں جن سے سلطان خود کو متعلق سمجھتا تھا، یہ تحریریں اس کے خوابوں کے رنگ سے مشابہ ہیں جو بیٹ سن Beatson کے "جنگ نامہ میسور" کے ضمیمہ کے طور پر شائع ہوئے ہیں، نیز ایشیاٹک انول رجسٹر برائے سنہ ۱۸۰۰ء میں طبع ہوئے (خطوط رام ۹۴)

(۳۱) رسالہ رنگ وبو، کپڑوں کو رنگنے اور عطر سازی کے فن پر ایک رسالہ جو سلطان کے حکم کے مطابق ان فنون کے متعلق موصولہ مواد پر مشتمل ہے۔

(علوم وصناعات ر۸ م ۹۷)

(۳۲) "مفردات در علم طب" نباتیات اور تاریخ طبعی پر ایک مقالہ جو فرانسیسی اور انگریزی کتابوں سے ترجمہ کیا گیا، پودوں کی تصاویر سے مزین، سلطان کے حکم ترجمہ کیا گیا" علوم وصناعات ر۹ م ۹۷)

(نوٹ) " یہ ظاہر ہے کہ ٹیپو فنون کی قدردانی اور سرپرستی کرتا تھا اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مختلف علوم پر یہ کتابیں یا تو مرتب کی گئی تھیں یا مختلف زبانوں سے سلطان کے ذاتی اہتمام یا نگرانی میں ترجمہ کی گئی تھیں، یہ امکان ہے کہ ہمارے کچھ بدقسمت اہل وطن (انگریز) جو عرصہ تک اس کی قید میں رہے اور اس طرح انھوں نے دکھنی زبانوں میں دسترس حاصل کر لی انہی اسیروں نے ان تراجم میں اس کی معاونت کی: م ۹۷

(۳۳) بحرالمنافع، فن ولادت اور حفظ صحت اطفال اور اور دفع جن پر ایک مفصل مقالہ۔ مصنفہ مولوی محمد معنون بنام سلطان۔

در سنہ ۱۷۹۴ء (طب ۴۲ م ۱۱۳)

(۳۴) تحفہ محمدی، ادویہ کا بترتیب حروف ہجا ایک مقالہ، محمد نصیر افشار ترک کے قلم سے معنون بنام سلطان ٹیپو" (طب ۴۳ م ۱۱۴)

(۳۵) قانون در علم طب ۔ شفا خانہ لندن کی قرابادین کامل کا ترجمہ: مترجم کا دیباچہ
میں بیان ہے کہ یہ کتاب یورپ کے فاضل اطبا کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہے، بحکم
سلطان ٹیپو" طب ۴۴ ص ۱۱۲)

(۳۶) ترجمہ کتاب انگریز ، برقی اور طبی تجربات پر ایک انگریزی مقالہ کا فارسی ترجمہ ہے۔
(طب ۴۵ ص ۱۱۲)

(۳۷) ترجمۂ کتاب فرنگ ، ڈاکٹر کاک برن Cockburne کے رسالہ
Twist of the Intestines (معار) کا ترجمۂ فارسی"
طب ۴۶ ص ۱۱۳

آخری پانچ کتابیں، ان ۵۴ کتابوں میں شامل ہیں جو علوم
وضاعات ۹ کے نوٹ میں مذکور ہیں: ص ۱۱۲

(۳۸) فتاوی محمدی ، احکام شرع محمدی جو ۳۱۳ ابواب پر مشتمل ہیں میسور کے علماء کی
ایک جماعت نے سلطان ٹیپو کے حکم سے جمع کیا۔
"یہ کتاب سلطان کے محبوب موضوع جہاد کے
بیان سے شروع ہوتی ہے اور اس میں ہنود
اور نصرانیوں کے خلاف مسلمانوں کو برانگیختہ
کرنے کے لئے قرآن اور احادیث کے بہت
سے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔"
(فقہ ۹۲ ص ۱۵۷)

(۳۹) جامع عباسی ، مندرجۂ بالا کتاب کی تلخیص جس میں ۹۲ ابواب ہیں از عبدالرحمن عباسی
معنوی بنام سلطان ، (فقہ ۹۳ ص ۱۵۷)

(۴۰) رکوعات قرآن مجید، قرآن کی تلاوت کے دوران رکوع اور سجود ادا کرنے کی
ہدایات ، کل تعداد ۵۸۰ ، مصنف نامعلوم لیکن سلطان کے حکم سے مرتب
کی گئی ، (تفسیر ۴۱ ص ۱۷۴)

(۴۱) قصہ لعل و گوہر، لعل و گوہر کی داستان محبت جو "لعل و گوہر" (نظم فارسی ۱۲۲) سے اردو میں ترجمہ کی گئی۔ (کتب اردو و دکھنی ۱۳۱ ۱۸۰۲)

(۴۲) مفرح القلوب، فارسی اور دکھنی میں قصائد مدحیہ اور نظموں کا مجموعہ ہے، ملک الشعراء سرنگاپٹم حسین علی نے سلطان ٹیپو کی نذر کیا!

(کتب اردو دکھنی ۱۸۱ ۱۸۱۲)

(۴۳) خلاصۂ سلطانی، قصہ اسلامی کا خلاصہ جسے سلطان ٹیپو کے حکم سے جمع کیا گیا۔ مصنفین :- سید امام الدین و محمد صمد قاضی سرنگاپٹم"

(کتب اردو دکھنی ۲۶ ۱۸۳۴)

فہرست نگار نے لکھا تو کئی مقامات پر یہ ہے کہ مختلف علوم کی ۴۵ کتابیں سلطان کے حکم سے یا اس کی نگرانی میں لکھی گئیں لیکن خود اس نے اس بات کی صراحت جن کتابوں کے متعلق کی ہے وہ ۴۳ نکلیں، ان ۴۳ کتابوں کے متعلق فہرست نگار نے جس انداز سے تعارف کرایا ہے ہم نے اس کا لفظی ترجمہ کر دیا ہے تاکہ فہرست نگار اور اس کے ہم نواؤں کے تاثرات اور ما فی الضمیر آپ پر مخفی نہ رہے۔

پروفیسر سید احمد چشتی، ایم۔اے

ٹیپو سلطان کے عہد میں اردو کی ترقی

ٹیپو سلطان صرف ایک جری اور بہادر سپاہی ہی نہیں تھا بلکہ وہ علم وادب کا دلدادہ اور علماء اور مصنفین کا سرپرست بھی تھا، جہاں وہ انگریزی سامراج کے خلاف قومی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے آخری دم تک لڑتا رہا وہاں اس نے علوم و فنون اور اردو کو بھی اپنی ذاتی توجہ کا مرکز بنایا۔

ٹیپو سلطان نے ۱۷۸۲ء سے ۱۷۹۹ء تک حکومت کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اردو اپنے ابتدائی مراحل طے کر چکی تھی۔ وہ شمالی ہند سے خلجی اور تغلق افواج کے ہمراہ بولی ٹھولی کی شکل میں نکل کر گجرات کے راستہ دکن پہنچ چکی تھی اور احمد آباد میں سلاطین گجرات اور دکن میں بہمنی، عادل شاہی، قطب شاہی اور نظام شاہی دربار دیکھ چکی تھی اور وہاں نکھر نکھرا کر علمی زبان بن چکی تھی۔ نیز اسی اثناء میں دلی میں شاہجہاں کے زمانے میں اس کا نام اردو پڑ چکا تھا تاہم وہاں اس کا دائرۂ عمل محض بول چال تک محدود تھا۔ علمی زبان بننے کا شرف اسے ولی گجراتی کے دلی پہنچنے پر حاصل ہوا جہاں ان کے دیوان شاعری کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ان کی دیکھا دیکھی دلی اور اس کے گرد و نواح میں اردو شعراء

کا ایک گروہ پیدا ہوگیا۔ جب ٹیپو سلطان کا عہد آیا اس وقت وہ میر و سودا کی مطلع نظر بنی ہوئی تھی۔

مگر میسور کا علاقہ جس پر ٹیپو سلطان کا تسلط تھا ان مقامات سے جہاں اردو اپنا اثر جمائے ہوئے تھی کچھ اس قدر دور افتادہ تھا کہ وہاں ایک عرصہ تک اردو کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ اور اگرچہ علاء الدین خلجی اور محمد تغلق دونوں اپنی اپنی مہموں کے دوران میسور تک پہنچے تھے لیکن ان مہموں کے نتیجہ میں شمالی ہند اور میسور کے لوگوں میں میل جول کے علاوہ کسی اور قسم کا رابطہ قائم نہ ہوسکا تھا۔ البتہ ۱۴۰۰ء میں جب سلطان فیروز شاہ بہمنی نے وجیانگر کی شہزادی سے شادی کی تو اردو بولنے والوں کی کچھ تعداد ملازمت کی غرض سے حدود میسور میں آبسی اور اس طرح میسور میں جو اس وقت سلطنت وجیانگر میں شامل تھا اردو کا قدرے رواج ہونے لگا۔

اس کے بعد اردو میسور میں بتدریج ترقی کرتی رہی حتیٰ کہ ۱۶۸۴ء میں جب بیجاپور پر مغلوں کا قبضہ ہوا تو میسور بھی جو اس وقت بیجاپور کی مملکت میں تھا اور جہاں اردو بولنے والے بے شمار دکھنی خاندان آباد ہوگئے تھے، مغلوں کے مفتوحہ علاقوں ملا لیا گیا۔ اور شمالی ہند سے اردو بولنے والوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

الغرض حیدر علی کی تخت نشینی سے پیشتر میسور میں اردو کا اچھا خاصا رواج ہوچکا تھا۔ وہاں اس زمانے کی دو کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے جن کے نام "تنبیہ الغافلین" اور "ہزار مسائل" ہیں۔ دونوں کتابیں فارسی سے اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں ان میں سے اول الذکر نثر میں ہے اور موخر الذکر منظوم ہیں۔

اگرچہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا اکثر و بیشتر وقت جنگ و جدل میں گذرا جس کی وجہ سے وہ علوم و فنون کی جانب زیادہ توجہ نہ دے سکے تاہم یہ امر نہایت تعجب خیز ہے کہ ان کے عہد میں اردو نے خاطر خواہ ترقی کی اور ان کی سلطنت میں کئی بلند پایہ اردو شاعر پیدا ہوئے۔ نیز حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد کی دفتری زبان فارسی تھی لیکن اردو کا رواج عام تھا۔

حیدر علی خود پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس قدر ادب شناس تھا کہ بقول جناب محمود خان محمود بنگلوری "ان کی محفل میں خلاف ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی"[1] اس کی علم دوستی اور ہنر پروری کا شہرہ سن کر علوم و فنون کے کئی ماہر دور دراز مقامات سے آکر سرنگاپٹم میں جمع ہو گئے تھے ان میں شمالی ہند کے شعرا بھی تھے جس کی وجہ سے میسور کی شاعری پر شمالی ہند کا اثر غالب آنے لگا تھا۔ اس کے دربار سے کم از کم نو ادیب اور شاعر وابستہ تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شاہ محمد صدر الدین، ۲۔ محمد سعید مہکری عاصی، ۳۔ خیر اللہ شاہ قادری خادم، ۴۔ شیخ میاں فضل اللہ فقیر، ۵۔ سید حسین علی شہباز، ۶۔ میر حسین علی، ۷۔ محمود خاں شیرانی ۸۔ محمد مخدوم شاکر بیجاپوری اور ۹۔ شاہ کمال الدین کمال۔

ان میں سے میر حسین علی نے ٹیپو سلطان کا زمانہ بھی دیکھا۔ وہ "نشان حیدری" کے مصنف ہیں جو انہوں نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے متعلق لکھی۔ اگرچہ ان کی مادری زبان فارسی تھی لیکن عربی اور اردو میں اچھے شعر کہتے تھے۔[2]

جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے ٹیپو سلطان صرف صاحب سیف ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بھی تھا، محمود خان محمود بنگلوری کے بیان کے مطابق "وہ اعلیٰ درجہ کا ادیب، فاضل اور شاعر تھا۔ اس نے متعدد کتابیں خود تصنیف کی ہیں"[3] نیز اس کے عہد میں فقہ، تاریخ وغیرہ کئی فنون میں کتابیں لکھی گئیں۔ خود اس کا اپنا ایک بیش قیمت کتب خانہ تھا جو سرنگاپٹم کی تسخیر کے موقع پر غارتگرانہ لوٹ کی نذر ہو گیا جو کچھ بچ رہا اسے ولایت بھیج دیا گیا۔

سلطان کی علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ سرنگاپٹم میں خود اس کی سرپرستی میں ایک یونیورسٹی قائم ہوئی تھی جس کا نام جمیع الامور تھا۔ اس میں مذہب کے علاوہ دوسرے علوم و فنون

[1] ۔ تاریخ سلطنت خداداد

[2] ۔ میسور میں اردو مؤلفہ محمد سعید عبد الخالق

[3] ۔ تاریخ سلطنت خداداد

کی حوصلہ افزائی کے لئے جو اقدام کئے وہ اس بات کی دلیل ہیں کہ اسے علم و ہنر سے بےحد شغف تھا۔ اس سلسلہ میں اس کا خاص کارنامہ فوجی تنظیم کی اصلاح ہے جب اس نے دیکھا کہ فوج کی تعلیم و تربیت اور فنون حرب کے لئے یورپین قواعد بہت موزوں ہے تو اس نے اپنی فوج کو بھی انہیں کے انداز پر مرتب کیا اور اس سلسلہ میں ایک کتاب لکھوائی جس کا نام "فتح المجاہدین" رکھا۔

اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ معاشرہ کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دی اور شادی بیاہ کے رسوم کے قوانین مرتب کرائے اور اس سلسلہ میں بھی ایک کتاب لکھوائی۔ نیز اس نے فن موسیقی کے قوانین و ضوابط بھی ایک کتاب مرتب کرائی جس کا نام "مفرح القلوب" رکھا۔

لیکن ٹیپو سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ اردو شاعری کی سرپرستی ہے وہ بھی حیدر علی کی طرح علماء اور شعراء کا بڑا قدر دان تھا۔ محمد سعید عبدالخالق کا بیان ہے کہ اس نے بھی "اپنے باپ کی طرح اردو شاعری کی جی کھول کر سرپرستی کی اور باہر سے قابل اردو شعراء کو اپنے ہاں آنے اور مستقل سکونت اختیار کرنے کی دعوت دی"[1] نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے عہد میں کئی شاعر اردو کی آبیاری میں مصروف عمل رہے اور حیدر علی کے عہد میں میسور پر شمالی ہند کی شاعری کا جو اثر غالب آنے لگا تھا وہ ٹیپو سلطان کے عہد کے ان مصنفین اور شعراء کا ذکر

ذیل میں ٹیپو سلطان کے عہد کے ان مصنفین اور شعراء کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی تصانیف یا کلام دستیاب ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کے مفصل حالات سے لوگ واقف نہیں تاہم جو کچھ معلوم ہو سکا ہے درج کیا جاتا ہے۔ نیز ان میں سے بعض کی نثر اور نظم کے نمونے بھی پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اس وقت کے دکن اور میسور کے علاقوں کی اردو کا کچھ اندازہ لگایا جا سکے اور شمالی ہند اور دکن کی زبان اور ادب میں جو فرق تھا وہ نمایاں ہو جائے اگرچہ ان نمونوں کی اہمیت محض تاریخی ہے تاہم ان کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ

[1] میسور میں اردو

دکن میں اردو کا صدیوں سے رواج ہونے کے باوجود شمالی ہند کے مقابلہ میں وہاں کے شعرو ادب پر مقامی رنگ کا عنصر زیادہ غالب تھا۔ نیز وہاں کی زبان ہنوز اتنی نہیں منجھی تھی جیسی کہ شمالی ہند کی جس کی وجہ سے وہاں ایسے الفاظ کا استعمال بدستور رائج تھا جو خاص دکن سے تعلق رکھتے تھے مثلاً "او" بمعنی وہ۔ "مجہ" بمعنی میرے "کہنی" بمعنی کہنے کی "سین" اور "سوں" بجائے سے۔ "اونچہ" بمعنی یوں ہی" میں کیا" بجائے میں نے کیا "نیں" نہیں۔ "کتنے ایک" بمعنی کئی "پیچھے" بمعنی بعد" ہوئے" بجائے ہو۔ "ہوا" بجائے اور "مصلحت کیا" بمعنی مشورہ کیا۔

ٹیپو سلطان کے عہد کی نثر

ڈاکٹر نصیرالدین ہاشمی نے اس عہد کی نثر کی جو تصانیف گنائی ہیں وہ یہ ہیں :-

۱۔ حیدر نامہ : حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد حکومت کی تاریخ ہے جو اردو میں لکھی گئی ہے اس کے مصنف کے نام اور تاریخ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا ڈاکٹر ہاشمی نے اس کے دو نسخوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک برٹش میوزیم میں ہے اور دوسرا انڈیا آفس میں۔ عبارت کا نمونہ حسب ذیل ہے :

> جب بزرگان نواب حیدر علی خان بہادر کے ملک عرب سے بیجاپور آئے اور کتنے ایک دن پیچھے بادشاہ بیجاپور کی سرکار میں نوکر ہوئے لیکن اس وقت یہ عمدہ اور معتبر سردار تھے اور ان کی تابعداری میں بہت لوگ تھے۔ اس باعث اطراف کے ملکوں پر نام آوری اور بزرگی سے مشہور تھے اور یہ آپس میں تین بھائی تھے یعنی محمد فتح اللہ، غلام حیدر اور غلام علی، بڑے جوان مرد عقل مند تھے اپنی دانائی و باہوشی کے سبب سے بادشاہ کے دربار

میں بہت مرتبہ و بزرگی پیدا کئے اور کئی برس تک اسی طرح اپنے اپنے کام پر
مشغول و سرگرم تھے[1]

۲۔ خلاصۃ سلطانی : اس عہد کی دوسری کتاب خلاصۂ سلطانی ہے اس کا دوسرا نام " احکام النسار " ہے ڈاکٹر نصیر الدین کے بیان کے مطابق انڈیا آفس میں اس کے دو نسخے ہیں۔ یہ کتاب فقہ حنفی پر ہے اس کے مصنف قاضی غلام احمد ہیں جو ٹیپو سلطان کے عہد میں سرنگاپٹم کے قاضی تھے۔ نثر کا نمونہ حسب ذیل ہے :

کہتا ہے کہ کتب معتبر میں لکھے ہیں کہ جو کوئی مسلمان ہو، مسلمانی کے احکام سنین ضروریات دین کے نماز کے روزے کے حیض کے نفاس کے واقف نہ ہوئے نماز اس کی درست نہیں ہے۔ اور نکاح ان کا جائز نہیں ہے کھانا جور پانی ان کے ہاتھ کا روا نہیں ہے بلکہ امام ابوحفص بخاری کہتا ہے کہ کافر ہوتا ہے نعوذ باللہ منہا[2]۔

۳۔ جنگ نامہ : اس عہد کی تیسری کتاب جنگ نامہ ہے جس کی تصنیف ۱۱۹۶ھ تا ۱۲۱۲ھ کے درمیان ہوئی اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں کتاب دراصل حیدر علی کے واقعات پر مشتمل ہے لیکن اس میں ٹیپو سلطان کی تخت نشینی تک کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

راجہ میسور سرنگ پٹن کا کل مختار تھا اور نام اس کا کشن راج تھا دوسرا لقب کراجوری نند راج تھا۔ اس وقت ملک سرنگ پٹن کا بہت کم تھا اس دولت کی فوج زیادہ، اس واسطے طلب تنخواہ لوگوں کو اور سپاہیوں کو دینے بسر نہیں آتا تھا، اس واسطے راجہ تخت کا دیوان

[1] مدراس میں اردو۔

[2] " " " "

دیوراج اور صوبیدار ویرانا کو بلا کر ایک روز مصلحت کیا[1]

ٹیپو سلطان کے عہد کے شعرار

محمد سعید عبدالخالق اور ڈاکٹر ہاشمی نے اس عہد کے جن شعراء کا ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حُسین : ان کے حالات زیادہ معلوم نہیں۔ البتہ انہوں نے اپنی تصنیف میں اپنے متعلق جو اشعار کہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نام حسین ابن نادر ہے خاندان بنی ہاشم سے تھے اور ان کے آباؤ اجداد ملک عرب سے ہندوستان آئے تھے۔

محمد سعید عبدالخالق کے بیان کے مطابق ان کی تصنیف کا نسخہ ٹیپو سلطان کے ہاتھ کا ۱۱ محرم ۱۲۰۸ھ کا لکھا ہوا ہے جس پر آخر میں ٹیپو سلطان کے دستخط بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب مذہبی عقائد کے متعلق ایک فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور ذیل کے شعر سے شروع ہوتا ہے۔

خدا کو حمد بیحد[2] ہے سزاوار   وہی واحد وہی ہے کرتار

شاعر کسی سید حسن نامی بزرگ کا حلقہ بگوش تھا جن کی اس نے اس طرح تعریف کی ہے :

کہوں مرشد کا میرے منقبت میں   مبارک ذات اور اخلاق طیب

او ہے اولاد میں غوث الصمد   او یعنی ہیں ولی روشن احد کے

مبارک نام اس سید حسن کا   چرن کی خاک سرمہ مجھ نین کا

صفت کہنی سکت نہیں ہر زبان میں   نہیں آتا قلم کے بھی دہاں میں

۲۔ زین العابدین : یہ "فتح المجاہدین"[3] کے مصنف ہیں۔ یہی وہ کتاب ہے جو

---

[1] مدراس میں اردو

[2] غالباً سہو کاتب ہے ممکن ہے کہ "بیحد ہے" ہو

[3] فتح المجاہدین پر اس شمارہ میں ایک تفصیلی مضمون موجود ہے۔ مرتب

فوجی تنظیم پر ٹیپو سلطان کے ایما سے لکھی گئی کتاب ۱۱۹۶ھ میں مرتب ہوئی اس میں فوجی اصطلاحات اور جنگ کے طور وطریق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں فوجی نغموں کا بھی ذکر ہے جن کے لئے وقت کی رعایت سے مختلف راگ مقرر کئے گئے ہیں۔ ان راگوں کے لئے جو گیت تجویز کئے گئے ہیں ان کی زبان اردو ہے۔ راگوں کے نمونے حسب ذیل ہیں :۔

ملک ہندوستان میں دین کا وہی سلطان ہے — غرق جس کے آب خنجر میں فرنگستان ہے

کیا ہے نسبت جاہ و حشمت میں سکندر سے تجھے — بارگاہ قدر کا دارا ترا دربان ہے

ہے وہی انسان کامل جس میں ہے معنی کی بو — نقش دیبائی وگرنہ صورت انسان ہے

صبح سویرے

فرنگ لرزاں تیری تیغ سے کیوں نہ لرزاں ہو

کہ جس کے خوف دم سے برق بردم پابہ داماں ہو

دعا کرتا ہے ہر یک مور جس وادی میں تو گذرے

کہ یارب یہ جہاں داور زمانے کا سلیماں ہو

اب ہر ذرہ سے یہ لفظ نکلے ہے بصد آمین

فلک پہ مہر ہے جب تک زمیں پہ ٹیپو سلطاں ہو

۲۔ ٹیپو سلطان کے معاشرتی اصلاح کے لئے شادی بیاہ کے رسوم سے متعلق جو مجموعۂ قانون مرتب کرایا اس میں بھی اردو گانے شامل تھے۔ اس مجموعہ کے مصنف کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ اس مجموعے میں جلوہ کے موقع پر گانے کے لئے جو اشعار درج ہیں وہ یہ ہیں :

حمد خدا کے بعد از صلوات پہنچا بہم — وقت اجابت ہے مانگوں دعا مقدم

آدم صفی و حوا جیسے تھے مل بالفت — کہ یک کی یک اطاعت دائم رہیں وہم

ویسا ہی رکھ اسے یا رب نوشہ عروس کے تیئں — قائم بعیش و عشرت مسرور و شاد باہم

لے غالباً سہو کاتب ہے "کیونکر" چاہئے تھا۔

مثل ذبیح وہاں رکھتے جوں بانسبت | انکو بھی اونچہ رکھو توں الفت کے بیچ محکم
با مصطفےٰ محبت الفت سے کر اطاعت | جوں عائشہ خدیجہ رہتے تھے بس مکرم

۴۔ حسن علی عزت :- ٹیپو سلطان نے فن موسیقی کے قواعد و ضوابط پر جو کتاب مرتب کرائی یہ اس کے مصنف ہیں۔ کتاب کا نام "مفرح القلوب" ہے اس میں موسیقی سے متعلق چند عنوان قائم کئے گئے ہیں اور ان سے فرداً فرداً بحث کی گئی ہے مصنف نے یہ بھی اہتمام رکھا ہے کہ ہر عنوان کے تحت ایک فارسی اور ایک اردو غزل دی ہے۔

۵۔ طرب : یہ فتح نامہ کا مصنف ہے۔ اس مثنوی میں ٹیپو سلطان کی ان فتوحات کا ذکر ہے جو اسے مغلوں اور ہندوؤں کی مشترکہ افواج پر حاصل ہوئیں۔

۶۔ مولوی محمد اسحاق :- یہ "ریاض العارفین" کے مصنف ہیں جسے انہوں نے فارسی سے اردو میں نظم کیا ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں :

فارسی سے تھی نثر یہ آشکار | میں کیا اس کو نظم سے زیب دار
فارسی کی بحر کی سی پی اندر | تھے چھپے یہ بے بہا لعل و گوہر

یہ مثنوی اخلاقیات پر ہے جس میں مصنف نے گیارہ باب قائم کئے ہیں مصنف نے ہر باب میں اولیاء و علماء اور سلف صالحین کے قصے اپنے بیان کی تائید میں پیش کئے ہیں۔

۷۔ خانہ زاد : ان کا نام محمد علی مہکری تھا ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے:

شام تو ہو گئی سحر ہو جائے گی | رکشتی در بحر در بر ہو جائے گی
جب نگہ نگہ پڑی اکسیر | یہ دیکھتے ہی خاک زر ہو جائیگی

۸۔ زٹل : محمد سعید عبد الخالق نے اس کا تخلص اسی طرح درج کیا ہے حالانکہ خود شاعر نے اپنی ہجو کے مقطع میں "زٹلی" استعمال کیا ہے۔ یہ شمالی ہند کے جعفر زٹلی کی طرح میسور کا ہزل گو شاعر تھا۔ وہ جب کسی امیر کی ہجو لکھتا تو وہ کچھ دے دلا کر اسکا

منہ بند کرتا اور اپنی جان چھڑاتا ۔ جب امرا سے انعام واکرام دیتے دیتے تھک گئے تو اس نے ٹیپو سلطان کا رخ کیا اور ذیل کے اشعار میں اپنی خستہ حالی کا نقشہ کھینچکر اس کے سامنے پیش کیا ؛۔

اے سراج بزم دولت از تو روشن دوسرا
کیا سبب تاریک ہے اب تک مراہی جھونپڑا
دال تو تو نئیں میسر گوشت کا تو ذکر کیا
گہہ بگہہ گردو میسر بھاجی لبس کھوپرا
جاں تلک اسباب تھا بیچکر چپٹ کر گئے
تا بجد مسّل وچوکھا دیکھی سو پارا
تجھ کو لازم ہے زٹلی کی خبر لینا مدام
تو سگ و دنیا و دیں ہے میں ہوں تیرا گوچڑا[۱]

۹ کرمانی ؛۔ ان کا نام سید حسین علی تھا، غالباً ان کے بزرگ کرمان سے آئے تھے اس لئے کرمانی کہلاتے تھے اور یہی تخلص کرتے تھے ۔ وہ "نشان حیدری" کے مصنف ہیں ۔ انہوں نے حیدر علی کا زمانہ بھی دیکھا ان کا اجمالاً ذکر حیدر علی کے عہد کے شعرا میں بھی کیا گیا ہے ؛ چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

اے فلک بس تو سفلہ پرور ہے   نیک بدخواہ و کینہ پرور ہے
تیری خاطر خرابیاں جگ ہیں   یکسر اہل جہاں پہ اظہر ہے
بولے مجھ کو نیا لہ سر کو پیٹ   ٹیپو سلطان شہید اکبر ہے

---

[۱] غالباً چیچڑی کی بگڑی ہوئی شکل ہے ، جو اکثر کتوں سے چپکی رہتی ہے ۔ دکن میں اس کو گوچڑی کہتے ہیں ۔ شاعر نے بطور گوچڑا استعمال کیا ہے ۔

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

اردو کا سب سے پہلا اخبار
اور
ٹیپو سلطانؒ

جو لوگ اردو اخبار نویسی کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس سے واقف ہیں کہ اس مسئلہ پر کہ

اردو کا سب سے پہلا اخبار کونسا تھا؟

اس کا نام کیا تھا؟

کس نے نکالا تھا؟

کب نکالا تھا؟

کہاں سے نکالا تھا؟

اب تک بہت گرم گرم بحثیں ہو چکی ہیں۔ اور بعض بڑے بڑے آدمیوں نے ان بحثوں میں بڑی گرمجوشی سے حصہ لیا۔

۱۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں بڑے زور شور سے دعویٰ کیا کہ میرے والد مولوی محمد باقر نے سب سے پہلا اردو اخبار دہلی سے سنہ ۱۸۳۶ء میں جاری کیا۔ اس دعویٰ کی تصدیق مختلف مشاہیر ادب نے بھی کی۔ جن میں علامہ پنڈت برجموہن کیفی خاص طور پر سرفہرست ہیں۔ "دہلی اردو اخبار" اس کا نام تھا۔ اور سنہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔

۲۔ بعض احباب قدر کا خیال ہے کہ سب سے پہلا اردو اخبار "آگرہ اخبار" تھا جو اکبر آباد سے

۱۸۲۱ء میں جاری ہوا۔

۳۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ نہیں سب سے پہلا اخبار جام جہاں نما کا ضمیمہ تھا جو ۲۹ مارچ ۱۸۲۲ء کو جاری ہو کر ۱۸۲۴ء تک نکلتا رہا۔ پھر بند ہو کر دوبارہ ۱۸۲۵ء میں جاری ہوا

۴ اس کے بالمقابل مسٹر یوسف کاظم عارف نے بنگال اردو کانفرنس منعقدہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء میں بڑے زور شور سے اعلان کیا کہ "اردو کا سب سے پہلا اخبار کلکتہ سے ۱۸۲۱ء میں جاری ہوا جس کا نام مراۃ الاخبار تھا اور جس کو راجہ رام موہن رائے نے جاری کیا تھا"

۵۔ ناظم سیتاپوری جو بیسیوں مضمون قدیم اخبارات کے متعلق لکھ چکے ہیں فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا اردو اخبار " اردو اخبار " کے نام سے کاظم علی نے ۱۸۱۰ء میں کلکتہ سے نکالا۔

اخبارات کی تاریخ سے خود مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔ چنانچہ میں بھی سالہا سال تک اسی چکر میں مبتلا اور اسی تحقیق میں سرگرداں رہا لیکن ولکن لیطمئن قلبی والا معاملہ رہا۔ آخر ایک روز اچانک اخبار میں یہ دیکھ کر کہ اردو اخبار نویسی کی ابتدا انیسویں صدی میں نہیں بلکہ اٹھارھویں صدی میں ہوئی حیران رہ گیا، مجھے اس اخبار کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ دراصل پہلا اردو اخبار حضرت ٹیپو سلطان رحمت اللہ علیہ کے حکم اور فرمان سے جاری ہوا تھا۔ اور یہ انکشاف اردو اخبار نویسی کی تاریخ کے لئے بلا شبہ باعث صد افتخار ہے۔ تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

حضرت ٹیپو سلطان رحمت اللہ علیہ والی میسور (جنوبی ہند) نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں یہ حکم جاری فرمایا کہ فوراً ایک سرکاری پریس جاری کیا جائے۔ جس میں عربی حروف میں ٹائپ کی چھپائی ہو۔ چنانچہ سلطانی حکم کی تعمیل میں ۱۷۹۴ء میں پریس قائم کیا گیا۔ اور بڑی خوبی کے ساتھ کام کرنے لگا۔ اس کے مابعد حضرت سلطان نے ارشاد فرمایا کہ اس پریس سے اردو زبان میں ایک اخبار جاری کیا جائے جس کا نام "فوجی اخبار" رکھا جائے اس حکم پر فوری عمل ہوا۔ اور اخبار شاہی سرپرستی اور سرکاری نگرانی میں نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری ہوا۔ یہ اردو زبان کا سب سے پہلا اخبار تھا جو کتم عدم سے عالم شہود میں آیا۔ چونکہ یہ سرکاری اخبار تھا اور سرکاری حکم سے جاری ہوا تھا۔ اس لئے عوام تک اس کی رسائی نہ

تھی صرف شاہی فوج کے افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس میں خصوصیت یہ تھی کہ یہ اردو زبان میں نکلتا تھا جس کی اس وقت ظاہراً کوئی حیثیت نہ تھی۔ ہر طرف فارسی کا دور دورہ تھا اور وہی سرکاری زبان تھی اردو بالکل ابتدائی حالت میں تھی، وراُس سے عام طور پر اعلیٰ طبقہ کو کچھ دلچسپی بھی نہ تھی۔ مگر حضرت سلطان کی دوربین نظروں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب فوج اور عوام سب کی زبان اردو ہوگی۔ اور اس زبان کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا اور سارے ملک کی زبان ایک دن اردو ہی ہو جائے گی۔

اس اخبار میں جیسا کہ اُس کے نام سے ظاہر ہے سلطانی فوج کے حکام اعلیٰ کے نام شاہی ہدایات ہوتی تھیں۔ فوج کی نقل و حرکت کی خبریں اور افسران کے تعین و تبادلے کی اطلاعات بھی اس میں درج ہوتی تھیں۔ فوج کے متعلق عام احکام بھی اس میں شائع ہوتے تھے۔ پھر فوج کے متعلق مفید مطلب مضامین بھی اس میں اکثر شائع ہوتے رہتے تھے۔ غرض یہ اخبار سلطانی فوجوں کا آرگن تھا اور بڑی شان کے ساتھ بڑی تقطیع پر ہفتہ وار شائع ہوا کرتا تھا۔ اس اخبار کی اشاعت صرف حضرت سلطان کی فوجوں تک محدود تھی۔ جب نمک حراموں کی غداری اور انگریزوں کی عیاری کے باعث حضرتِ سلطان نے شیر جیسی بہادری کے ساتھ لڑکر جام شہادت نوش فرمایا تو آپ کے بعد آپ کے تمام مال و متاع خزانہ، نوادرات اور محل و قلعہ پر قابض ہو جانے کے بعد انگریزوں نے اس عظیم الشان پریس اور فوجی اخبار کے تمام فائلوں کو بھی ضبط کر لیا۔ پریس اپنے استعمال میں لے آئے اور لٹیروں اور ڈاکوؤں کی طرح انتہائی نفرت اور حقارت کے ساتھ تمام اخباروں اور فائلوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا اور اس تمام تاریخی نادر ذخیرے کو آگ لگا کر برباد اور تباہ کر دیا۔ افسوس صد ہزار افسوس انگریزوں کو ہر اُس چیز سے سخت دشمنی تھی جو حضرت سلطان رحمتہ اللہ علیہ کی ملکیت تھی۔ لہٰذا انہوں نے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا اور انتہائی وحشت و بربریت کے ساتھ ایسی تباہی پھیلائی جس کی حد نہیں۔ اُن کی نفرت حضرت سلطان سے اس قدر بڑھی کہ انہوں نے اپنے کتوں کا نام "ٹیپو" رکھنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح اپنی ناپاک ذہنیت کا اظہار کیا۔

میں آخر میں یہ لکھ کر اپنے مختصر مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اردو کا یہ سب سے پہلا اخبار ۱۷۹۴ء میں جاری ہو کر ۱۷۹۹ء تک مسلسل پابندیٔ وقت کے ہفتہ وار شائع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو حضرت سلطانؒ کی شہادت کے ساتھ اس اخبار

کی زندگی کا چراغ بھی گل ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اردو کے اس سب سے پہلے اخبار کے متعلق ہمیں تمام معلومات اخبار ہماری زبان علی گڑھ بابت یکم جولائی ۱۹۵۸ء سے حاصل ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

عروس المجالس

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کو جب جزیرہ سری رنگا پٹم کا قبضہ حاصل ہو گیا تو انہوں نے سلطان ٹیپو کے محلات تک رسائی کی جہاں سلطان مرحوم کی ذاتی آرام گاہ میں ان کو ایک کتب خانہ بھی ملا جس میں بیشمار علمی جواہر پارے بصورت مخطوطات موجود تھے جس کی طرف عالمانہ طور پر توجہ کی گئی تو اس کتب خانہ کی ایک تفصیلی فہرست بھی مرتب کی گئی جو آج بہت اہم اور علمی کارنامہ تصور کیا جاتا ہے اگرچہ بہت کمیاب ہے۔ بہرحال سلطان کے محل میں ایک کتب خانہ کا وجود ثابت ہے حسن اتفاق سے ان میں ایک کتاب بصورت مخطوطہ اردو نظم میں تھی جو سلطان کے سامنے لکھی گئی اور بعد میں وہی بنگلور میں ۱۲۶۹ھ میں طبع ہوئی جس کا ایک مطبوعہ نسخہ راقم کو بنگلور میں ہی ۱۹۲۹ء میں میسر آیا جس کا بیان تو عارف کرانا مقصود ہے اس کا نام یہ ہے۔

یہ کتاب "مسمی عروس المجلس

سرورق پر ایک دائرہ میں نام اس طرح لکھا ہے کہ لفظ " یہ کتاب " تو باہر اوپر درج ہے اور دائرہ کے احاطہ میں یعنے نام کتاب "مسمی عروس المجلس" لکھا ہے جس کے گرد لکھا

۱۷

"افصح فصحا و ابلغ بلغا العالم جناب مرحوم قاضی غلام قاسم صاحب مہری نور اللہ مرقدہ کی تصنیف کی ہوئی"

اس کے نیچے سیدھی سطور میں لکھا ہے:

" باعث کم یابی کے اکثر مسلمان بھائیوں کو دست رس نہ ہوتی تھی اس لئے فقیر حقیر خادم الطلاب محمد صالح ومہورو نے اپنے مطبع صالحی میں حلیہ طبع سے آراستہ کیا تاکہ ہر ایک ادنیٰ و اعلےٰ کو میسر ہوا اور پڑھنے سے مقصد دارین حاصل ہوئے"

اس کے بعد نیچے مطبع وغیرہ کا نام ہے مگر ابتدا میں کچھ حصہ ضائع ہو چکا ہے تاہم ذیل کے الفاظ مفید اطلاع بہم پہونچاتے ہیں۔

از یکشنبہ ۱۲۶۹ ہجری مقدسہ معلی وعلی صاحبہ افضل الصلوٰۃ اکملۃ التحیۃ

کتاب کی ابتدا یوں ہوتی ہے جو رسم الخط نسخ میں طبع ہوئی اور اس علاقہ میں اس وقت یہی طرز تحریر عام طور پر رائج تھا۔

شروع نامہ کروں نام خدا کو ۔۔۔ اچھوں ممتاز تا کنج مہا سوں
سراؤں کیا اسے جن یکیحن سوں ۔۔۔ کیا پیدا دو عالم امر کن سوں
زمین اور آسمان کی سب طبق جوڑ ۔۔۔ اٹھایا اپنی صنعت کا سبھی شور

شریعت کا دیا می قصر ان کوں ۔۔۔ رسالت کا دیا و العصر انکوں
موید کرا نو کون چار اصحاب ۔۔۔ دیا اسلام کی قوت کا اسباب

نعت سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

ہوا پیدا جو رحمت عالمین کا ۔۔۔ سراج الاولین اور آخرین کا

سو کیا رتبہ ہے اس ختم رسل کا | امام الانبیا نور سبل کا
ہوا محبوب دلبر خاص رب کا | ہوا فریاد رس ہے پاس سب کا

یتیمی میں لیا شاہی جہاں کی | مبارک خسروی سب انس و جانکی

ہوا معراج اسکو قاب قوسین | کلا یا پھر کہ او ادنی سوں عینین
فتحنا زیں فتحنا کی اسے ہے | کشائش میں الم نشرح جسے ہے

رہیں گے چار حد پر چار یاراں | آ ہیں درمیان شاہ دینداراں
الٰہی توں آپیں فضل و کرم سوں | ملا قاسم کوں شاہ محترم سوں

مناجات بحضرت قاضی الحاجات

کروں اب عاجزی سوں میں مناجات | منگوں رب پاس اپنے دلکی حاجات
ہوا ہوں میں نپٹ بیتاب و بیکس | اغثنی یا غیاث المستغثین

نہیں کچھ آسرا تجھ فضل کے باج | تیرا فضل و کرم درکار ہی آج

طفیل اس مصطفیٰ کی یا الٰہی | مری حاجات بر لانا کما ہی

در سبب تالیف

سخن گوئی سوں بند کر کر زبانکوں | اٹھا خاموش سب شور و فغانکوں
سخن کے دام سوں آزاد ہو کر | اٹھا یک دیر جیب دل شاد ہو کر
سو کی یاران مخلص صاف سینہ | سخن کا آکر یوں کھولے خزینہ

کریوں چپ ہوکر رہنا لے ترا کام	سخن سوں ہی ترا مشہور تر نام

سولا توں نظم میں حضرتکا مولود	ترا دنیا و دین میں ہوئی بہبود
یہی کچھ احوال جو گذرا ہے ان پر	تو لا بحث دیگر سب بیان کر

کیا نامہ شروع لکھنیکوں اس دم	ستیا دل پر سوں سارا یکطرف غم
رجوع درگاہ میں لاکر خدا کے	ے اسکے برگزیدے مصطفاکے
سیر سے سوں سعی اور ادھر سوں اتمام	مگر توفیق حق سوں پا دے انجام
عروس المجلس اس کو کر کہ موسوم	کیا بارہ مجالس پر تو مقسوم
بیاں ہر ایک مجلس کا جدا ہے	سبھی احوال سلطان ھدا ہے
انا امید ہے دانشوروں سین	سخن فہمو نسین دانش گستروں سین
اگر دیکھیں جو کوئی سہو وخطا ہے	تو مجکون ان ستین چشم عطا ہے
اگر طاقت اچھے اصلاح کرنے	تو جائز نا رکھیں اس سوں گذلینے
دگر طاقت نہیں تو ہو کر خاموش	نہ لاویں جا ہلیکے کی دیگ کون جوش
سنہ ہجری تھی بارا سو اوپر نو ۱۲۰۹	اتھا سلطان عادل ٹیپو خسرو
مظفر شاہ غازی کا زمانہ	لکھا جب یو عروس جاودانہ
کہوں کیا اس کے فرزند گرامی	ہوا ہے فتح حیدر جگمیں نامی
رکاب اندر ظفر اس کے روا ہے	فتحمندی اسی کے ہم عنان ہے
ہمیشہ جسم اچھو او ملک اور شاد	مدد دیے جس کیتین نصر من اللہ
پھڑے پر گر کسی کا ہو دے دل شاد	تو میرا بھی کرے خوبی سیتین یاد
پھڑے یک فاتحہ اور سورہ اخلاص	میرے مرنیکے بعد از عام اور خاص

اس کے بعد کتاب کی مجالس شروع بعنوان "مجلس اول بخوانند" یعنے یہ کتاب بارہ

مجالس پر مشتمل ہے اور ہر مجلس کا عنوان دے کر اس کے ابتدائی دو اشعار کو یوں لکھا ہے ۔

بچن کھولوں یہاں درج دھن سوں ‏ ‏ ‏ درافشانی کروں رنگین سخن سوں

فصاحت کا قلم اب ہات لے کر ‏ ‏ ‏ لکھوں میں مجلس اول سراسر

یعنی ہر مجلس کئی سو اشعار پر ختم ہوئی ہے غرضکہ اس طرح آنحضرت صلعم کی حیات طیبہ کو نظم میں بیان کر دیا ہے اور آخر مجلس کا یہ شعر ہے ۔

ہوئی اتمام یہاں یو مجلس آخر ‏ ‏ ‏ کہو صلوات ادنے اور اکابر

اس کے بعد پھر آخری عنوان یوں ہے ۔

دربیان ختم کتاب گوید

بحمد اللہ ہوا اتمام نامہ ‏ ‏ ‏ کیا یاری یہاں تلک آ کے خامہ

سخن کے کام سوں پایا فراغت ‏ ‏ ‏ سخن کا حق سوں پایا تھا بلاغت

مرا قابل نہ اس رتبے کی اشعار ‏ ‏ ‏ ولیکن اس طریقے پر ہی گفتار

لکھا ہوں جو میری آیا قلم سین ‏ ‏ ‏ زبان اوپر جو کچھ گذرا رقم سین

کیا آغاز تھا ماہ محرم ‏ ‏ ‏ گئے تھے روز پندرہ کچھ نہیں کم

ہوا اتمام لک کامل ایک ماہ ‏ ‏ ‏ سنہ سوں تو کیا اوّل میں آگاہ

قصص کا ترجمہ سب یوں کیا ہوں ‏ ‏ ‏ نہیں کچھ بیش و کم پر دل دیا ہوں

بھوت محکم ہیں سب اسکی حکایات ‏ ‏ ‏ کئے ہیں معتبر راوی روایات

رکھا یوں دل میں جو ہوئے سبکوں معلوم ‏ ‏ ‏ سبھی احوال آں سلطان معصوم

جو حضرت پاس یہ پاوے قبولی ‏ ‏ ‏ فضیلت سوں بدل تو ہوے فضولی

غرض قاسم کون تو اتنا ج بس ہے ‏ ‏ ‏ بجز اس کے نہیں تو کچھ ہوس ہے

آخری دو اشعار ؎

نبی کے پاس ہی اس کا جواب ہے　　سبھی حضرت کی یہاں حاصل رضا ہے

رضا اور سخن پایا ہے اتمام　　محمد پر کہو صلواۃ اکرام

تمام شد

یہ تمام کتاب ۲۹۸ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۱۹ اشعار ہیں اور وہ پرانے طرز کے خاص خط نسخ پر طبع ہوئے ہیں جو اس قدیم اردو کے لئے مفید تھا یعنی قریب ساڑھے پانچ ہزار اشعار کا یہ مجموعہ آنحضرت محمد رسول اللہ کی حیات طیبہ کو بیان کرتا ہے۔ متذکرہ بالا اشعار سے واضح ہے کہ کتاب کو مصنف نے سلطان ٹیپو کے زمانہ ۱۲۰۹ھ میں لکھا اور متذکرہ بالا خاتمہ کے اشعار سے واضح ہے کہ اس نے اسے محرم کے مہینے میں نصف سے شروع کرکے ایک ماہ کامل میں مکمل کیا اور زبان اس کی اردو وہ ہے جو آج بھی اس علاقہ میں برابر اسی طرح بولی جاتی ہے۔ افسوس اس امر کا ہے کہ شاعر غلام قاسم مہری سے متعلق مجھے اپنے کتب خانہ کے کسی کونے سے حالات میسر نہیں آئے البتہ اس نے اپنے اشعار میں اپنا تخلص "مہری" کی بجائے اس مسودہ میں "قاسم" بیان کیا ہے۔

متذکرہ بالا مندرجہ اشعار سے واضح ہے کہ مصنف نے کتاب کو سلطان ٹیپو کے زمانہ میں ۱۲۰۹ھ اس کی شہادت سے چار سال پیشتر تصنیف کیا تھا جبکہ دہلی کی سلطنت پر ظفر شاہ غازی تھا جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے مگر مرکز میں بہت ہی بدامنی تھی جو ایک طرح اور ثبوت ہے کہ سلطان ٹیپو کو ان کی کمزوریوں کی وجہ سے انگریزوں سے جنگ کرنی پڑی پھر مصنف نے اس کے آگے شعر میں سلطان ٹیپو کے فرزند اکبر 'فتح حیدر' کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک مزید دلیل ہے کہ وہ اس خاندان سے زیادہ قربت رکھتا ہے اور ملک کی فراغ بالی کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

غرضیکہ یہ ایک تاریخی کارنامہ سلطان ٹیپو کے عہد کا بہت اہم ہے یعنی

اردو زبان اس علاقہ میں پوری طرح بسرپرستی حکومت نشو ونما پارہی تھی اور اسی کا ایک لہجہ تھا جو اس سے واضح ہے اور سب سے بڑھ کر سلطان کا اپنا ذوق بھی واضح ہے ۔ اسی طرح اور تصانیف بھی میسر ہو سکتی ہیں ۔

دو اہم تاریخی دستاویز

۱۹۴۲ء میں راقم کو میسور میں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے جلسہ میں بحیثیت رکن از دکن کالج پونہ شرکت کا موقع ملا۔ وہاں اس جلسہ کے موقع پر ایک نمائش تاریخی دستاویزوں کی ہوئی۔ جو عام طور پر ہر جلسہ کے موقع پر ہوتی ہے۔ حسن اتفاق سے وہاں دو فارسی دستاویز قدیم طرز کے عرضیوں کی طرح شوکیس میں آویزاں تھے۔ جن کو راقم نے جلدی میں نقل کرلیا اور ان کو یہاں شائع کیا جاتا ہے۔

اول میں تو پورنیا کی طرف سے لارڈ ویلزلی کی خدمت میں درخواست ہے کہ مجھے مہاراجہ جو اس سے قبل سلطان ٹیپو کی حراست میں تھا اس کا دیوان مقرر رہنے دیا جائے۔ جہاں تک سلطان ٹیپو کا تعلق ہے دیوان پورنیا نے جو کردار پیش کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر انگریز کو۔ دراصل اپنا اقتدار قائم رکھنا تھا اس غرض سے بھی دیوان ایسا ہونا چاہیئے تھا جو انگریز کے اشارہ پر چلتا کیوں کہ سیاسی طور پر انگریز نے یہی ایک اصول قائم کرلیا تھا کہ ایسے منتظمین کے ذریعہ اپنا تسلط جمائے رکھے اسی طرح دوسرے دستاویز سے واضح ہے کہ ۲۷ محرم ۱۲۱۴ھ کو مہاراجہ میسور کو گدی نشین کیا گیا وہ اس کی طرف سے ایک طرح کا اقرار نامہ ہے اور انگریز کا شکریہ ہے یعنی یہ ہر دو دستاویز لارڈ ویلزلی کی خدمت میں لکھے گئے ہیں جبکہ سلطان ٹیپو کا خاتمہ کردیا گیا۔

میرا خیال ہے کہ یہ دستاویز کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے سوا اس کے کہ ان سے معاملات میسور اس زمانہ میں انگریز کے حق میں باقاعدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ویسے مجھے ان کی صحت میں بھی شک ہے بہرحال یہاں ان کو اس غرض سے شائع کیا جاتا ہے کہ شاید کوئی تاریخی کام کرنے والا طالب علم ان سے کماحقہ استفادہ کرسکے اور

اس کے لئے مفید ثابت ہوں یا ان کی اصل حقیقت پر کوئی روشنی پڑ سکے۔

نواب صاحب کیوانجناب معلی الالقاب فیض رسان معدن عدل واحسان نواب لارڈ مارنگٹن صاحب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ

صداقت انتہا پور نیا بعد تقدیم لوازم فدویت و نیازمندی معروض میدارد
پیش ازیں عریضہ در کیفیت ایجاد ارسال حضور فیض گنجور نموده روشن حبات شده
باشد بتاریخ بیست وہشتم محرم ۱۲۱۴ ھجری روز یکشنبہ جنرل صاحب مشفق مہربان
رفیع المکان منیع الشان جنرل جارج ہارس صاحب بہادر ودی ہاسرل کرنل
ارسترد سلی صاحب بہادر وہارسریل سری رسلی صاحب بہادر اکرنل ادلم کرکپارک
صاحب بہادر وکرنل ماریگلوس صاحب بہادر پنج سردار مختار ذوی الاقتدار
دیگر سرداراں سرکار کمپنی بہادر واز سرکار نواب آصف جاہ بہادر نواب میر عالم
بہادر بمیسور تشریف آورده در ساعت سعید دست مہاراجہ صاحب کشن راج دیر
گرفتہ مسند نشین ساختند وروبست ساکنان شہر واطراف راکناف آمده معائنہ
کرده شاداں وخرماں شدند نام آوری آنجناب کہ دستگیری مہاراجہ فرمودند در
تمامی ملک وروی زمین بعدلت وحق پژوہی اشتہار پذیرفت کہ دولت دست
رفتہ پنجاه سالہ را مجدداً قائم نمودند جده وما دراں مہاراجہ صاحب زیاده ازحد
حصر شکر گزار جناب فیضماب اند وبمہاراجہ صاحب خریطہ شکر عنایت معہ جواہر
و دولت خلعت ارسال جناب داشتہ اند فدوی بموجب حکم عالی در نوکری
مہاراجہ صاحب حاضر بوده لوازم بندگی بجا خواہد آورد آنجناب فدوی را کہ بر
کار دیوانی مہاراجہ صاحب مامور سرفراز فرموده اند حسب الحکم عالی کاربند
امورات دولت و در صداقت و دولت خواہی سرکار کمپنی انگریز بہادر را

بخ ثابت خواہد بود باقی حقائق جنرل صاحب موصوف و سردار مختار بلند اقتدار بجناب ارقام نمودہ اندر روشن خواہد شد امید وار است پیوستہ بعد در نوازشنامجات فیض آیات معزز و مباہی مشیدہ باشد آفتاب عمر و دولت از افق ابہت طالع و لامع باد

نواب صاحب بفضل مناقب قدردان زمان مظہر نواب لارڈ مارنگٹن صاحب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہٗ

میسور مہاراجہ کشن راج وزیر بعد ابراز انہ لوازم رسوخیت و نیاز شہود رائے خورشید ضیائی عالی میدار د جنرل صاحب مشفق مہربان کرم فرما جنرل جارج ہارس صاحب بہادر بعد افتتاح قلعہ سری رنگ پٹن نیازمند را از قید متخلص کردانیدہ آب و خور ملبوسات لطف کردہ پرورش نمودند بعد انقضای یکماہ بحکم مرحمت عنوان آن مظہر عدل و احسان جنرل صاحب ممدوح و دھازل از نزد سلی صاحب بہادر دھازل ہنری دسلی صاحب بہادر و کرنل ادلم کرکپاترک صاحب بہادر و کرنل باری کلاس صاحب بہادر پنج سردار مختار ذوالاختیار مسند نشینی راج میسور نیازمند مقرر نمودند ۔ تاریخ بیست و ہفتم محرم ۱۲۱۴ ہجری روز یکشنبہ پنج سردار بلند اقتدار و دیگر سرداران کمپنی انگریز بہادر و از سرکار نواب آصف جاہ بہادر نواب میر عالم بہادر بمیسور تشریف آوردہ در ساعت اسعد دست این نیاز سرشت را گرفتہ مسند نشین ساختند انتہای بندوبست و انتظام ملک و دولت پورنیا رابکار دیوانی نیازمند مامور و ممتاز کردانیدند ، این دولت را کہ از دست رفتہ پنجاہ سال شدہ بود ان تفصیل مناقب دستگیری نمودہ مجدداً و قائم و زینت استحکام بخشیدند شکر این عطیہ عظمیٰ بکدام زبان ادا نماید۔ اگر ہر سو زبان گردد و عمری بعذب

البیانی پردازد داز عہدہ شکر بیرون نتواند آمد، بندہ واولاد بندہ تا دور شمس و
قمر در صداقت و دولت خواہی سرکار کمپنی انگریز بہادر راسخ دم وثابت قدم خواہد بود
موافق حکم عالی پورنیا را برکار دیوانی مامور داشتہ بادبا سی ملک وآسودگی رعایا و
خورسندی برایا بطرزیکہ در سرکار کمپنی انگریز بہادر بندگی وصداقت بندہ روز افزون
شود خواہد پرداخت ۔

تاریخ شہادت

سلطان ٹیپو کی تاریخ شہادت جو در اصل بروز جمعہ بست ونہم شہر ذیقعدہ ۱۲۱۳ھ کو سری رنگاپٹن میں ہوئی۔ اسے بعض لوگوں نے مختلف طرح اظہار کیا ہے چنانچہ مختلف ماخذ سے لے کر ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ شمشیر گم شد۔

۲۔ ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

۳۔ گفت ہاتف زنیم آہ بہ تفت۔ نور اسلام و دین ز دنیا رفت۔ (۱۲۱۳)

۴۔ نسل حیدر شہید اکبر شد

۵۔ تاریخ بست ونہم ذیقعدہ تھا مہینہ
جمعہ کا روز حضرت شہید ہو گئے سلطان۔
۱۲۱۳ھ

محمد ایوب

تحفۃ المجاہدین پر ایک نظر

ٹیپو سلطان کے مختصر دور میں نظام حکومت کے تقریباً تمام شعبوں میں بڑی حد تک نہ صرف اصلاحات ہوئیں بلکہ بعض ایجادات بھی ہوئیں۔ اس کے زمانے میں علوم و فنون میں بھی ترقی ہوئی۔ نئی نئی کتابیں لکھی گئیں۔ ٹیپو سلطان نے فوج کی اصلاحات و ترقی میں خاص طور سے دلچسپی لی۔ اور اس کے قواعد و ضوابط کو مرتب کیا۔ بحری بیڑے کو ترقی دی۔ فوجی آئین و ضوابط پر اس کے حکم سے ایک کتاب "فتح المجاہدین" لکھی گئی۔ اس کتاب کے مؤلف زین العابدین شوستری ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد شوستر (ایران) کے رہنے والے تھے۔ زین العابدین کے والد میر رضی وارد ہند ہوئے وہ دہلی سے بنگال اور بنگال سے حیدر آباد دکن پہنچے اور وہاں ایک جاگیر حاصل کر لی میر رضی ١١٩٤ھ / ١٧٨٠ء میں وہیں فوت ہوئے۔ میر رضی صاحب علم و فضل تھے میر رضی کے دو فرزند ابوالقاسم مشہور بہ میر عالم اور زین العابدین تھے۔ میر عالم دکن کی تاریخ میں خاص شہرت کے مالک ہیں ان کی انگریز دوستی مشہور و معروف ہے۔

میر عالم کے چھوٹے بھائی زین العابدین تھے وہی اس کتاب "تحفۃ المجاہدین" کے مؤلف ہیں ١٧٥٤ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے جوانی میں مدراس اور بالا گھاٹ پہنچے آخر میں ٹیپو سلطان کی ملازمت میں آئے اور اس کے مشیر خاص اور امرائے عظام میں شامل ہوئے[1] فوج میں سپہدار کے عہدہ پر سرفراز تھے مگر فوجی میدان میں وہ زیادہ کامیاب

[1] تحفۃ العالم از عبداللطیف خان ص ١٧١-١٧٢ (میر کار عالی حیدر آباد دکن ١٢٩٤ھ)

ثابت نہ ہو سکے مگر قلم کے ذریعہ ان کی صلاحیتیں خوب اجاگر ہوئیں۔

زین العابدین کے سن اور مقام وفات میں اختلاف رائے ہے ڈاکٹر محمود حسین صاحب نے عبداللطیف مؤلفہ تحفۃ العالم کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہ زین العابدین سرنگاپٹم کے زوال کے بعد ہی حیدر آباد میں فوت ہو گئے[1]

زین العابدین کی مندرجہ ذیل تصانیف ملتی ہیں۔

۱۔ **زبرجد**: نظم و نثر کا مجموعہ ہے۔ جس میں علم نجوم کا بیان ہے یہ کتاب ٹیپو سلطان کے لئے لکھی گئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی لائبریری میں اس کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

۲۔ **مؤید المجاہدین المعروف بہ فتح المجاہدین**: ایک سو چار منظوم[2] خطبات کا مجموعہ ہے جو عید اور جمعہ کی نماز کے موقعہ پر پڑھے جاتے تھے ان خطبات میں خاص طور سے جہاد کی تبلیغ کی گئی ہے اس کتاب کے دو نسخے انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔

(۳) **تحفۃ المجاہدین**: زین العابدین کی نہایت اہم کتاب ہے یہ کتاب خاص ٹیپو سلطان کے حکم سے لکھی گئی ہے اس کتاب میں ایک مقدمہ اور آٹھ مندرجہ ذیل باب ہیں مقدمہ میں مؤلف نے بعض مسائل اور ضروریات دین کا بیان کیا ہے۔

باب اول: در بیان مسائل اعتقاد و نماز و مسائل منع تمباکو و نمک حرامی و ترکہ و جہاد وغیرہ۔

باب دوم۔ در بیان فالنامہ اذن علی و اسمائے نومقرری برائے تقسیم حساب

[1] ملاحظہ ہو فتح المجاہدین از زین العابدین شوستری مرتبہ از ڈاکٹر محمود حسین (انگریزی مقدمہ ص XXVIII) (کراچی سنہ ۱۹۵۰ء)

[2] زین العابدین کی شاعری کے نمونے نواب غلام محمد غوث خاں اعظم کے تذکرے صبح وطن اور لائق کے تذکرہ گلدستہ کرناٹک میں بھی ملتے ہیں۔ (فتح المجاہدین مقدمہ انگریزی ص XXVI)

نقط وزن۔

باب سوم : دربیان تدابیر حرب

باب چہارم : دربیان احکام بنام سرخشی و متصدیان تعلقہ کچہری حضور

باب پنجم : دربیان ضابطۂ تفویض خدمات

باب ششم : دربیان سام قواعد ولام داران حضور

باب ہفتم : دربیان قواعد سواران

باب ہشتم : دربیان قواعدہ پیادہ

تحفۃ المجاہدین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان فوج کی اصلاحات وضروریات پر بہت توجہ دیتا تھا اس کو اس کا احساس تھا کہ اس کا مقابلہ انگریزوں سے ہے جن کی فوجی قوت مضبوط ہے ان کے پاس بہترین اسلحہ جات ہیں اور ان کے فوجی اصول و قواعد بھی اہم ہیں اس لئے اس نے فوجی اصلاحات پر خاص توجہ دی۔ نئی نئی اصطلاحات وضع کی گئیں قواعد کے موقعہ پر اردو کی ترویج کی گئی [۱] اور جہاد کا موضوع عام کیا گیا۔

تحفۃ المجاہدین کے بہت سے قلمی نسخے کتب خانوں میں ملتے ہیں صرف انڈیا آفس لائبریری میں اس کتاب کے بائیس ۲۲ قلمی نسخے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ برٹش میوزیم بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) رائل ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کتب خانے آصفیہ (حیدرآباد دکن) ریکارڈ آفس (حیدرآباد دکن) اور دوسرے ذاتی کتب خانوں میں اس کتاب کے نسخے موجود ہیں [۲]۔

اس تاریخی دستاویز اور قابل قدر کتاب کو ڈاکٹر محمود حسین صدر شعبہ تاریخ (عام) کراچی یونیورسٹی نے ۱۹۵۰ء میں مرتب فرمایا ہے انہوں نے مختلف قلمی نسخوں سے مقابلہ کیا ہے اور اس پر انگریزی میں ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب

[۱] اردو کا رواج ٹیپو سلطان کی فوج میں کے عنوان سے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے ایک مقالہ جون ۱۹۲۸ء کے مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) میں لکھا ہے

[۲] فتح المجاہدین، مقدمہ انگریزی ص XLI

موصوف نے تاریخ وادب کے میدان میں ایک گراں قدر خدمت ہے۔

اب ہم تحفۃ المجاہدین کے ہر باب کا بالتفصیل جائزہ لیتے ہیں۔

باب اول : پہلے باب میں سب سے پہلے عقائد اسلام کا بیان کیا گیا ہے جس میں خدا کی وحدانیت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، نماز، زکوٰۃ، ماہ رمضان کے روزے، ایمان مفصل، احسان، قیامت، صفات خدا تعالیٰ، کلام اللہ، پیغمبران، کتب سماویہ، روز آخرت، سوال منکر نکیر عذاب قبر، حساب، جزا و سزا، میزان، پل صراط، بہشت، دوزخ ازل، تقدیر خیر و شر اور تخلیق عالم کا ذکر ہے کہ اس باب میں مسلمانوں کو کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اس عنوان کے آخر میں صاحب کتاب لکھتے ہیں۔

"ہم چنیں واجب است دانستن این معنی کہ پیغمبر ما متولد شدہ در مکۂ معظمہ، ونشو ونما یافتہ است در آنجا، ومبعوث شدہ بآنجا و ارتحال فرمودہ است در مدینہ طیبہ و مدفون است بآنجا و آنجناب عربی است۔ از قوم قریش است بنی ہاشم است، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

یہ تمام بیان ایک روایت پر مبنی ہے جو خلیفہ دوم سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بعد مسائل وضو، واجبات وضو اور فرائض غسل بیان کئے ہیں اور پھر مسائل نماز کا بیان ہے جن میں شرائط نماز، فرائض نماز، تاکید نماز با جماعت، شرائط امام اور نماز عیدین کا ذکر ہے۔

اس باب کا خاص حصہ مسائل جہاد سے متعلق ہے مصنف نے جہاد سے متعلق مسائل کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اس کا انداز یہ ہے کہ پہلے مسئلہ کو بیان کرتا ہے اس کے بعد اس کی تائید میں آیات قرآنی پیش کرتا ہے پھر اس آیت کا فارسی میں ترجمہ کرتا ہے پھر اس مسئلہ سے متعلق احادیث و روایات نقل کرتا ہے بعض جگہ اس ترتیب کے خلاف بھی ہے۔ ذیل میں ان مسائل کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: کفار سے جہاد دین اسلام کی نصرت کے لئے ہونا چاہیئے۔

مسئلہ نمبر ۲ جہاد جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد کرنا چاہیئے۔

مسئلہ نمبر ۳ جب کفار مسلمانوں کے شہر میں داخل ہوجائیں تو ان سے جہاد واجب ہے۔

مسئلہ نمبر ۴ جس پر جہاد واجب ہے اس سے روگردانی کرنا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر ۵ اگر کوئی مجاہد کی مدد نقد، ماکول، زر، سلاح جنگ یا گھوڑے وغیرہ سے کرے تو اس کو بہت ثواب ہے۔

مسئلہ نمبر ۶ اگر کوئی جہاد کے موقعہ پر کفار کی مدد کرے اور اس کا میلان کفر کیطرف ظاہر ہو تو وہ کافر ہے اور اگر ایسا ظاہر نہ ہو تب بھی اس کو قید کرنا چاہیئے اور سزا دینی چاہیئے۔

مسئلہ نمبر ۷ جو شخص کفار کی رفاقت میں مسلمانوں سے جنگ کرے وہ بھی مخالف شرع ہے اور وہ شخص دوزخی ہے۔

مسئلہ نمبر ۸ مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں ہے کہ قدرت و امکان ہوتے ہوئے کفار کی اطاعت کریں۔

مسئلہ نمبر ۹ اگر کفار مغلوب ہونے کے بعد جزیہ نہ دیں اور اطاعت نہ کریں تو ان سے محاربہ کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں۔

مسئلہ نمبر ۱۰ کفار کا ان کے شہروں اور قلعوں میں محاصرہ کرنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱ جب لڑائی میں کفار حربی قید ہوجائیں تو ان کی عورتیں اور مال حلال ہوجاتا ہے ذمی کا نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲ سربراہ حکومت اگر کسی حربی کافر سے مسلمان ہونے کے لئے کہے اور وہ مسلمان نہ ہو تو اس کا قتل جائز ہے اور اگر وہ کافر ذمی ہو تو اس کا قتل واجب نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳ اگر کوئی کافر حربی گرفتار ہوجائے اور کوئی اس سے مسلمان ہونے کو کہے اور وہ قبول نہ کرے تو سربراہ حکومت چار صورتیں اختیار کرسکتا ہے اس میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر احسان کرکے اس کو چھوڑ دیا جائے۔

مسئلہ ۱۴: ترغیب جہاد

مسئلہ ۱۵: اگر جہاد پر قدرت ہو تو کفار کو خراج ادا کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ ۱۶: جو جہاد میں مارا جاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

مسئلہ ۱۷: کفار کی رفاقت میں مسلمانوں کو نہیں لڑنا چاہیئے۔

مسئلہ ۱۸: اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ یہود یا نصاریٰ یا مجوسی مسلمانوں سے بہتر ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔

"واجب است بر مسلمین اطاعت امام مسلمان و رعیت را و سپاہ را بفرمان پذیر شدن امر او شکر او و دعائے در حق و بقول و فعل و نیت و خدمت امام واجب است بر رعیت و خدمت بادشاہ برابر است بطاعت خدا۔"

مسئلہ ۱۹: اگر سربراہ حکومت کو کوئی اس کے سامنے ازراہ نعمت و محبت برا کہنے تو اسے مہلت دی جا سکتی ہے اور اگر از راہ حسد و عداوت کہے تو اس کو سزا دینی چاہیئے۔ اس کے بعد غیبت کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔

مسئلہ ۲۰: اگر کوئی شخص سربراہ حکومت سے مکر کرنے اور دوسرا شخص اس پر آگاہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ سربراہ حکومت کو اس سے مطلع کر دے ورنہ دونوں اس گناہ میں شریک ہوں گے۔

مسئلہ ۲۱، ۲۲، ۲۳: ان میں مسئلہ عزار کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

مسئلہ ۲۴: بادشاہ سایہ خدا است در زمین۔

مسئلہ ۲۵: سات سال کی عمر کے بچہ کو نماز کی تاکید کرنی چاہیئے اور دس سال کی عمر کے بچہ کو ترک نماز پر مارنا چاہیئے۔

مسئلہ ۲۶: مسجد تعمیر کرانے والے کے لئے بڑا اجر ہے۔

مسئلہ ۲۷: ترغیب تزویج یتیمہ وارملہ یعنی زنے کہ بے چیز و نادار باشد

مسئلہ ۲۸: تعزیر شرب خمر

مسئلہ ۲۹: حد زنا

مسئلہ ۳۰: حرام است دروغ گفتن و شہادت دروغ دادن

مسئلہ ۲۱: شرط محاربہ امام با مسلمین با کفار

مسئلہ ۲۲: اگر کوئی سربراہ حکومت کی اطاعت ترک کرے تو اس کو محبوس کر دینا چاہیئے

مسئلہ ۲۳: نمک حرامی و غداری کے اقسام

مسئلہ ۲۴: تمباکو نوشی اور تمباکو خوری حرام ہے۔

مسئلہ ۲۵: اس مسئلہ کا عنوان" در باب ترکہ" ہے مؤلف کتاب نے لکھا ہے کہ ملک کا وارث بادشاہ کے مرنے کے بعد بڑا لڑکا ہونا چاہیئے اس سلسلے میں اس نے بعض دلائل دیئے ہیں۔

وہ لکھتا ہے:۔

"در ایران و توران نیز بسبب ہمیں شیوۂ مزمومہ سلطنت برہم خوردہ می خورد بخلاف سلطنت روم و زمینداران ایں ملک ہند کہ بسبب عدم نزاع وارثاں از مدت ہائے مدید حکومت در خاندان آنہا پائدار است و ایں معنی خصوصیت بسلاطین و روسار ندارد" (۴۵۶)

مؤلف لکھتا ہے کہ اگر اس کے خلاف عمل میں آئے تو قاضی اور مفتی کو اس کے خلاف فتویٰ دینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ نقطۂ نظر اسلام کے بڑی حد تک خلاف ہے۔ اس طرح تو مملکت ذاتی جائداد میں منتقل ہوتی جارہی ہے۔

مسئلہ ۲۶: مرتبہ جہاد و غزار و شہادت افضل از مرتبۂ ولایت است (۴۷۴)
اس ضمن میں ذمی کی تعریف اور شرائط بھی لکھے ہیں آخر میں لکھا ہے کہ جہاد کفار فرض کفایہ ہے۔

مسئلہ ۲۷: ترغیب جہاد ،عنوان کے آخر میں لکھتا ہے

"چوں نصاریٰ خذلہم اللہ اشد کفار و بدترین مشرکین اند ہر کہ قدرت می یابند در دیں بد آئین خود شریک می سازند و بے حرمتی دین محمدی اصلاً قصور نمی کنند پس قتل ایشاں بر ہمہ مسلمانان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واجب تر از قتل سائر کفرہ فجرہ است" (۴۹۲-۵۰)

مسئلہ ۲۸: کفار سے بغیر دعوت کے قتال نہیں کرنا چاہیئے، راہب کو قتل نہیں کرنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ ۲۹: سامان جہاد و آلات حرب کی فراہمی کی ترغیب، شوکت اسلام کا مظاہرہ، احکام مال غنیمت، جاسوس کفار کے احکام، احکام موالات کافران یہوداں و نصاریٰ۔

مسئلہ ۴۰: احوال امام مہدی و ظہور امام مہدی " در سنہ یک ہزار و سی صد ہجری" بدعات محرم کا رد، احکام محرم کے سلسلے میں مؤلف لکھتا ہے۔

"۔ . . ایستادہ کردن علم و نمودن فاتحہ حضرت امام حسین و شہدا رضی اللہ عنہم معمول باشد بحال داشتہ، . . . اکثر مرداں کہ بنا بر نفع خود علم ایستادہ کردہ مرداں را فریب دادہ زر جمع می کنند ازیں معنی اہانت علم مبارک می شود، لہٰذا با اہل اسلام تاکید باید کرد کہ ایں ہم بدعت موقوف کردہ تا سیزدہ ایام محرم از نام حضرت امام حسن و حسین و جمیع شہیداں دشت کربلا فاتحہ شربت و طعام و اشیائی نفیس باید کرد و ثواب ختم کلام اللہ از نام ارواح مطہر باید بخشایند" (۴۷)

مسئلہ ۴۱: قریش، عرب، شیخ، مہاجر، انصار اور سید کی تعریف

باب دوم: دوسرے باب میں دو فالنامے "اذن علی" کے عنوان سے شامل کتاب ہیں اور اوزان و پیمائش کے نئے نام دیئے گئے ہیں پہلے فالنامے میں سات اشعار اور دوسرے میں تین اشعار ہیں فالنامہ اول کے پہلے چار اشعار تمہید کے طور پر ہیں اور ترکیب فال آخر کے تین ہی اشعار میں مندرج ہے۔

ان فالناموں سے اس دور کی مذہبی حالت اور معاشرہ کے ذہن و مزاج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اوزان کے لئے نئی اصطلاحات وضع کی گئیں تولہ کے لئے "جوز" سیر کے لئے "دک" اور من کے لئے "اطل" الفاظ وضع کئے گئے جوز کی چھوٹی اکائیاں آیۃ، با، آد، اور "طا" مقرر ہوئیں۔ اس طرح

پیمائش کا اندازہ از سر نو مقرر کیا گیا ہے یہ باب بہت مختصر ہے۔ اور فالنامول کے ساتھ اوزان و پیمائش کا پیوند کچھ بے تکی سی بات ہے۔

باب سوم: یہ باب دراصل حاصل کتاب ہے اس میں مصنف نے جنگی قواعد، اسرار و رموز اور فوجی افسران کے فرائض کو شرح و بسط سے قلم بند کیا ہے سردار فوج کو جنگ کے محل وقوع کا خود اندازہ کرنا چاہیئے، درختوں کے جھنڈ، دامن کوہ اور دریاؤں کی جو اس موقعہ پر اہمیت ہوتی ہے اس کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اور بتایا ہے کہ اگر ایسے موقعہ پر دشمن حملہ کر دے تو کیا تدابیر اختیار کی جائیں، توپ خانہ کے متعلق کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ شب خون کے موقعہ پر کن امور کو پیش نظر رکھا جائے۔ ایسے موقعہ پر افواہ پر کان نہیں رکھنا چاہیئے، رات کے وقت کن تدابیر کو عمل میں لانا چاہیئے۔ پسپائی کے وقت اگر سردار فوج بھاگے تو اس کو قتل کر دینا چاہیئے سپہ دار کے جنگ میں کام آنے کے بعد اس کا نائب اس کی جگہ سنبھالے اور اس طرح یہ ترتیب قائم رہے سپہ سالار کی اطاعت ہر صورت میں واجب العمل ہے۔ جنگ میں سپہ سالار محل وقوع کا گہرا مطالعہ و معلومات حاصل کرے توپ خانہ کا آغاز اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہیئے۔

بعض تدابیر کے متعلق مختلف لڑائیوں کے حوالے ملتے ہیں کہ ان تدابیر کے ذریعہ "حوالی کوپل" میں مرہٹوں سے جو لڑائی ۱۲۰۰ھ میں ہوئی اس میں فتح ہوئی اسی طرح حوالی چیچا ور اور حوالی ارکاٹ میں ۱۱۹۴ھ میں پریٹ فیٹ اور بیلی کی فوجوں پر کامیابی حاصل ہوئی۔

توپ خانہ کی اہمیت کو خاص طور سے واضح کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ نصاریٰ اس سلسلے میں کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ گھوڑے اور شمشیر کو ہمیشہ درست رکھنا چاہیئے اور قلعہ کو تیار رکھیں۔

اشراف اور کم حیثیت کی تفریق بھی ملتی ہے ظاہر ہے کہ یہ جاگیرداری اور ملوکیت کا زمانہ تھا لہٰذا اس قسم کے رجحانات کا پایا جانا ضروری ہے سپاہی کو اپنے فرائض منصبی تندہی سے انجام دینے چاہئیں اگر وہ اپنے فرض منصبی کے

ادا کرنے میں تساہل کرتا ہے تو اس کی اصل میں خطا ہے اور اگر سپاہی شہید ہوتا ہے
یا اجل طبعی سے مرتا ہے تو سرکار سے اس کو وظیفہ ملے گا۔
اس کے بعد حرب و جنگ کے قواعد و ضوابط درج ہیں۔

چوتھا باب

چوتھا باب انیس ۱۹ عنوانوں پر مشتمل ہے اس سے فوج کے افسران و عہدیداران کے فرائض
حقوق اور ذمہ داریوں کا بیان کیا گیا ہے اور ہر چیز کا ایک مکمل ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔
نمک حرامی و غداری پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ غداروں کو کس نوع کی
سزا دینی چاہیئے اسلحہ کو صاف اور درست رکھنا چاہیئے اور احکام شرعی کا ترجمہ کر کے مشتہر
کرنا چاہیئے۔

عنوان اول۔ بخشی اور سپہ دار اور اس کے عہدیداران کے فرائض اور ذمہ داریاں
اسلحہ کی درستی اور صفائی کی ہدایات، اور فوجی قواعد کے اصول تفصیل سے بیان
کئے گئے ہیں۔

عنوان دوم۔ بخشی اور متصدیوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کا بیان ہے

عنوان سوم۔ احکام یساقچی

عنوان چہارم۔ احکام رسالدار

عنوان پنجم۔ احکام جوق دار،

عنوان ششم۔ احکام سرخیل

عنوان ہفتم۔ احکام جماعہ دار،

عنوان ہشتم۔ احکام دفعہ دار

عنوان نہم۔ احکام یزک دار

عنوان دہم۔ قاعدۂ چاشت و شان

عنوان یازدہم۔ قاعدہ تبدیلی منقلا

عنوان دوازدہم۔ قاعدہ کیوان و منقلا

عنوان سیزدہم۔ قاعدہ تبدیلی یزک وغیرہ سہ قاعدہ

عنوان چہاردہم۔ قاعدۂ نشان

عنوان پانزدھم : قاعدۂ طریقۂ سلام بہ آقا۔

عنوان شانزدھم : ضابطۂ اخوت و رخصت لباس پوشی

عنوان ھفدھم : رخصت قشلاق

عنوان ھجدھم : قاعدہ طعام خوردن

عنوان نوزدھم : قاعدہ سردادن توپ ہائے خوشی

باب پنجم

پانچواں باب گیارہ عنوانوں پر مشتمل ہے اس میں فوجی عہدیداروں سے تقرر اور ترقی کے قواعد و ضوابط بیان کئے گئے ہیں۔

عنوان اول۔ قاعدہ آداب علم سرکار اسد الہٰی

عنوان اول۔ صاحب خدمات آسامیوں کی مفصل فہرست درج ہے۔

عنوان نہم۔ صبح، دوپہر اور فوج کے دوسرے مظاہر روز عیدین وغیرہ پر نغمے گائے جاتے تھے ان سے متعلق ابیات درج ہیں۔

وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد وماں گردید ظلمت منتشر

از عروج دین شدہ مخذول کفار جہاں

وقت دویم نہضت

وصف عزم لشکر شاہنشہ دارا غلام

می نماید صفحہ را چوں مہر تاباں راہوار

بیت وقت سوم نہضت

ہر کجا گرند سپاہت جلوہ گر اے شاہ دہر

نصرت و فتح و ظفر گردد ز گردش آشکار

بیت وقت چاشت وتبدیل مستقلا

چو راکب گشت فوج و لشکر شاه جهاد آئین
کند بر منقلائے او فلک فتح و ظفر تعین

بیت وقت سرور و فرحت

چو گیرد رعد در کف چابک برق ابر می گرید
ز هول شاه نیسان کافران غرق اندر شاشا

بیت وقت اجتماع مردم

ز حکم محکم شاهنشه خورشید و مه آسا
عجب نبود که گردد اجتماع روز و شب یکجا

بیت وقت جلد قدم

سپاه شاه باشد جلد زان سان
که زو شد شرمگیں برق درخشان

بیت وقت تشهیر مرد گناهگار

ز عدل شاه گردد فتنه بیرون
نه از عالم ز زیر چرخ گردون

بیت وقت ضرب شان

کند ضرب بستان تو سلطان
عدو را در زمان نابود و بیجان

بیت وقت آهسته قدم

تأنی بهر کار بهتر بود
که از صبرها آب گوهر شود

بیت روز عید

دل خلق لبریز شد از نشاط
کند دام گلشن از و انبساط

بیت وقت شان

شان خورشید و فلک پیش تو اے شاه زمان
نیست ز انگونه که در خاطرش آرند گمان

بیت وقت نشان دو درخش شام

زنشان گفتن و از توپ نشان خصم بسوخت

زآنکہ این راز دہد خانۂ اودا بر باد

بیت وقت درخش یک پاس شب

از توپ شاہ گردد دل خستہ کافران را

سوزان نزاست از برق بر جان مشرکان را

بیت وقت نہفنت

ہر گہ قلم نوید عزم سپاہ سلطان

سرعت کند ازاں دم خورشید و ماہ تابان .

فارسی زبان کے ساتھ اردو زبان سے بھی اعتنا کیا گیا اور وہ ابیات مندرجہ ذیل ہیں[1]

بیت وقت طلوع صبح نوبی اول

صبح دم ہے اسے مجاہد خواب سوں بیدار ہو

طاعت حق واسطے جلدی سوں تم ہوشیار ہو

وقت نوبی دوم

جب مہیا جہت نہضت ہو دیں یکسر مجاہدین

مثل بسمل ہوں طپاں دہشت سوں ہر دم مشرکین

وقت نوبی سوم

فوج شہ جب ہو وے راہی فضل حق ہیں بے گماں

نصرت و فتح و ظفر یک سیں ہو دیں ہم قراں

---

[1] اردو ابیات مطبوعہ نسخہ میں باب پنجم کے عنوان نہم کے تتمہ کے طور سے آخر میں شامل ہیں (ملاحظہ ہو ص ۲۲۰ - ۲۲۳)

نغمہ اصغر وقت چاشت

چلے جب منقلائے شاہ کفاران بے دین پر
دو اسپہ نصرت فتح و ظفر ہو دیں لے رہبر

وقت سرور و فرحت بہ نغمۂ اصغر

ہے فرحت عدل سے شاہجہاں کے سب دلاں اوپر
کہ نازاں جس کے دو راں سے کواکب آسماں اوپر

وقت اجماع بہ نغمہ اصغر

عجب نین حکم سے سلطان کے ہو وے جمع گر یکجا
فلک پر جوں ثریا آفتاب و ماہ و اختر ا

وقت جلد قدم

جلد ہی اس قدر فوج شہنشاہ
کہ جن سے ہے خجل خورشید اور ماہ

وقت تشہیر

ہو وے انصاف شہ سے فتنہ باطل
امان و امن ہے عالم کوں حاصل

وقت ضرب سناں

کرے ضرب سناں شاہ دوراں
عدو سے بہ گہر تا بو د و بے جاں

بہ وقت آہستہ قدم

تامل سے نیک ہو وے ہنر
تانی میں ہوتا ہے پانی گہر

بیت روز عید

ہے لبریز عشرت دل خاص و عام

لوی جسوں گلزار فرحت کو دام

بیت وقت شان

شان شاہنشہ دوراں ہے اس درجہ بلند

نارسا جس کے مراتب سے ہے فکروں کا کمند

وقت مرشدن درخش شام

جب درخش شہ دوراں ہووے ہر شام کو سر

یہ نشان خانۂ اعدا کو جلاوے یک سر

وقت درخش یک پاس شب

ہووے درخش شے جب مانند براق تاباں

کفار بے حمیت دہشت میں ہووے سوزاں

وقت یک پاس شب در شکر

صفحہ پر کلک شکیں جب لکھے عزم سلطاں

سرعت کو دام اس سے لیتا ہے ماہ رخشاں

عنوان دہم۔ ضابطہ تعداد سر دادن گولہ (تیر) قنبارہ و وزن گولہ (تیر) و بارود در دمیۂ قنبارہ

عنوان یازدہم۔ ضابطۂ کمان و سپاہیہ قنبارہ۔

باب ششم

چھٹا باب توپ خانہ کے قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے اس میں مندرجہ ذیل چھ عنوان ہیں:۔

عنوان اول: قواعد مردم شہاب دار۔

عنوان دوم - گشت یک جائی شہاب دار

عنوان سوم - کود شہاب دار

عنوان چہارم - متفرقہ شہاب دار

عنوان پنجم - قواعد مردم جہاز

عنوان ششم - سپاہ بستن مردم جہاز

باب هفتم

سواروں کے قواعد وضوابط سے متعلق یہ باب ہے اس میں بارہ عنوان ہیں -
قواعد اور پریڈ کی تمام اصلاحات فارسی میں تھیں -

در بیان قواعد سواران تعلقہ عسکر مشتمل بر دوازدہ عنوان -

عنوان اول - قواعد حریفانہ .

عنوان دویم - گشت بر دو نوع

عنوان سویم - ترکیب قلعہ چہار برجی بر دو نوع -

عنوان چہارم - قواعد جنگ دو طرفہ بر سہ نوع -

عنوان پنجم - قواعد غیر اوقات مقرری

عنوان ششم - قواعد سواران عسکر در وقت جنگ

عنوان ھفتم - قاعدۂ چاشت وشان

عنوان ھشتم - قاعدۂ تبدیل منقلا

عنوان نہم - قاعدۂ کیوان

عنوان دھم - قاعدۂ تبدیل پزک

عنوان یازدھم - قاعدۂ طریقۂ سلام بہ آقا وغیرہ دو قاعدہ

عنوان دوازدھم - ریخیۂ تعلقہ عسکر -

(اما قاعدۂ سواران تعلقۂ عسکر یک ٹیپ را دیا ہر قدر کہ جمعیت باشد آں را دو

صف برابر استاده کرده چهار یوز یا هشت یوز مقرر کرده این سام بگوید۔

راست بیں	صف اول پنج گام پیش آ
راست چپ کشاد	یوز دار بکش شمشیر
پیش آر شمشیر	باش یعنی عهده داران بر ساعد چپ شمشیر گرفته برابر جوانان بر مثل خود استاده شود۔
واکن تفنگ	نصب کن هلال
زانو تفنگ	آمده تفنگ
چپ گیر تفنگ	بر آر سیل
در آر سیل	بگذار سیل
زانو تفنگ	بردار قاشلق باید که در دست چپ تفنگ گرفته قاشلق بر دارد
بر آر طرنگ	چشک
قاشلق	پر کن طرنگ
بر آر سیل	در آر سیل
بگذار سیل	آماده تفنگ
برگیر تفنگ	بزن
آماده تفنگ	برکش چانک باید که در دست چپ تفنگ را گرفته چانک را بکشد
بر آر پارچه	صاف قاشاق
بگذار پارچه	قاشاق
بگذار تفنگ	یوزدار بکش شمشیر
پیش آر شمشیر	بر دوش شمشیر

پیش آر شمشیر	بگذار شمشیر
زانو تفنگ	داکن ہلال
قائم تفنگ	یوزدار پیش آر شمشیر
بگذار شمشیر	راست چپ کشاد
گیریال برای شتر عسکر بستان شتر	فرود آئی
پا در رکاب	سوار شو
راست چپ متصل	راست پشت گرد

رد و قتبکہ رو گفت باید کہ ہمہ
متفرق شوند۔

عنوان اول ۔ قواعد حریفانہ سواران لشکر۔
عنوان دوم۔ دو عنوان گشت ہائے یک جائی۔
عنوان ششم ۔ قاعدہ سواران عسکر در وقت جنگ
عنوان ہفتم۔ قاعدۂ چاشت حرشان
عنوان ہشتم۔ قاعدۂ تبدیل منقلائے عسکر
عنوان نہم ۔ قاعدۂ کیوان عسکر
عنوان دھم۔ قاعدہ تبدیل یزک سواران عسکری
عنوان یازدھم۔ افسروں کو سلام کرنے کے قواعد اور آخر میں مندرجہ ذیل اردو کے ابیات درج ہیں جو فوجی قواعد وغیرہ کے موقعہ پر گائے جاتے تھے۔

وقت طلوع صبح

وصف حسن خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار
بی گمان بر بیت ہووے مطلع صبح بہار
وقت یکپاس روز بلند شدہ بجہتہ منتلا و چاشت

جاہ تیرا دیکھی اے جمجاہ جب عرض حشم
تنگی جا کے سبب ہفت آسمان ہو شرمسار

در وقت ترکی اول نہفت

ابر کے مانند بر روے ہوا ہووے روان
عزم تیرے کی صفت کہئے اگر با کوھسار

در وقت ترکی دویم نہفت یعنی زین بندی

جب تری سین زیب پاوے خانۂ زین پری عجب
جلوہ گر گر مہر ہو بر ابلق لیل و نہار

در وقت ترکی سیوم یعنی سوار شدہ راہ رفتن

مہر و مہ روپوش ہو جون زنگ آلود آئینہ
جب ترا گلگوں گرد انگیز ہو در کار زار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہووے جب وہ برق تگ ہامون نورد
چشمۂ آئینہ سین سیراب ہووے مور و مار

در وقت شمشیر کشیدن

اژدھا دم تیغ تیری جب علم ہو در مصاف
برق جیسا کے ابر کے پردہ مین پنہاں بار بار

در وقت شمشیر غلاف کردن

جا گرے جس طرح وہ افعی روئین در نیام
اژدھا اس دھج ستی ہرگز نلاوے روبغار

در وقت جنگ

برق جان کوہ گراں پیک اجل دست قضا
تیغ و گرز و تیر و خنجر کے ترے ہیں نام چار

در وقت فتح

ہر ملک کوں ورد ہو إنا فتحنا دمبدم
جب ہو تو پا در رکاب از بہر قصد کارزار

بجہت اجتماع مردم

حکم محکم سین ترے اے مہر تاباں کیا عجب
گر بنات النعش یکجا جمع ہو پروین وار

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہتہ شان

کس طرح کہئے تجھے جمجاہ اے یکتائے دور
بے کمین بندہ سین تیرے شان کسرا آشکار

وقت یک شب گزشتہ

حکم تیرا گر کرے امر یزکداری بچرخ
ماہ ہو باخیل انجم درپہ تیرے پاسدار

وقت نہضت در سازز برسالہ شترعسکر باید نواخت

بیائید وقت جہادست این
غنیمت شمارید وقت چنین

وقت راہ رفتن درسازز برسالہ شترعسکر باید نواخت

خدایا جہان پادشاہی ترا است
زما خدمت آید خدائی تراست

وقت جنگ در سازز برسالہ شتر باید نواخت

بیائید اے زمرہ مسلمین
کہ در درک اسفل ہمہ مشرکین
فرسید واجر عظیم از خدا
بیابید بی شبہ بروز جزا

باب ہشتم

یہ آخری باب ہے اس باب میں سواروں سے متعلق ہدایات خاص طور سے درج ہیں اس میں اٹھارہ عنوان ہیں۔

عنوان اول۔ قواعد وقت جنگ و وقت جلدی

عنوان دوم۔ قواعد حریفانۂ عسکر

عنوان ہفتم۔ قواعد غیر اوقات

عنوان ہشتم۔ رخصت مردم

عنوان نہم۔ قاعدہ چاشت وشاں

عنوان دہم۔ قاعدہ کیواں ومنقلا

عنوان یازدہم۔ قاعدہ نشان

عنوان دوازدہم۔ قاعدۂ تبدیل رزک

عنوان سیزدہم۔ ضابطہ اخوت ولباس

عنوان چہاردہم۔ رخصت قشلاق

عنوان پانزدہم۔ ضابطۂ تفویض خدمات

عنوان شانزدہم۔ قاعدۂ طعام خوردن

عنوان ہفدہم۔ قاعدۂ سلام بہ آقا وغیرہ۔

عنوان ہجدہم۔ آسانی صاحب خدمتان عسکر

تتمہ کتاب میں سانپ، بچھو، پاگل کتے، چوہے اور گیدڑ وغیرہ کے کاٹے ہوئے کے علاج کے بعض نسخے درج ہیں۔

سید سخاوت علی

ٹیپو سلطان کی شہادت

(۴ مئی ۱۷۹۹ء)

۱۲۱۳ھ محمدی میں دریائے تنگ کے کنارے سلطان ابوالفتح ٹیپو سلطان نے خواب دیکھا "قیامت کا دن ہے کوئی شخص کسی کو نہیں پوچھتا۔ اس حال میں ایک عرب نہایت قوی ہیکل جسیم منور چہرہ و سرخ چہرہ پر داڑھی اور مونچھیں۔ آئے اور ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں کہ تم ہمیں جانتے ہو کہ ہم کون ہیں۔

ہم نے کہا ہم نہیں جانتے اس وقت فرمایا کہ میں علی مرتضیٰ ہوں اور پیغمبر خدا نے فرمایا اور فرماتے ہیں کہ تمہارے بغیر اپنا قدم بہشت میں نہیں رکھوں گا اور تمہارا انتظار کروں گا تمہارے ساتھ بہشت میں جاؤں گا۔ میں خوش ہوا اور جاگ گیا۔

خدا قادر و پیغمبر خدا شفیع ہیں و بس۔"

(ٹیپو سلطان کے خواب)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان کے دل میں شروع ہی سے شوق شہادت موجود اور اسی بنا پر ان کو یہ خوشخبری پہنچائی گئی۔

ٹیپو سلطان کی پوری زندگی ایک دلیر سپاہی کی زندگی تھی حالانکہ ان کی پرورش

شہزادوں کی طرح ہوئی تھی۔ لیکن تاریخ کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس مرد مومن نے علم وعمل کو ساتھ ساتھ رکھا اور ہر قدم پر اپنی خدا داد قابلیت اور علم کا مظاہرہ کیا۔

باؤرنگ نے جو ایک متعصب دشمن وقائع نگار ہے ایک موقعہ پر لکھا ہے۔

"یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بہت طاقتور تھا اور جب وہ اپنے فوجی یا شہری افسران کو لکھنے پر آتا تو ہر ممکن مضمون پر بہت تفصیل سے نصیحت کرتا خواہ وہ فوجی کارروائی سے متعلق ہو یا عام قوانین کے متعلق ہو یا کہ تجارت کے متعلق ہو۔ وہ ہر فن کے اصول زبانی سنا سکتا تھا۔ جن میں سائنس، طب، تجارت، مذہبی معلومات، انجینئرنگ، فوجی انتظامات اور علوم وفنون شامل تھے۔

لیکن اس کے علاوہ بھی ایک چیز تھی جو ٹیپو سلطان کی تمام زندگی میں کارفرما رہی اور وہ تھا جذبہ جہاد جو بے انتہا محبت رسول کا آئینہ دار تھا۔ ٹیپو سلطان کو بچپن سے جہاد کی تعلیم ملی تھی اور اس کا شوق اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا جس کا اظہار سینکڑوں طریقے سے ہوتا رہا۔

اپنی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد سلطان نے فتح المجاہدین لکھوائی جس کے دیباچہ میں رقمطراز ہے:

"سلطنت تیموریہ بسبب چند در چند کہ عمدۃ آنہا نمک حرامی نوکران شور بخت آن خاندان بود تا بحدے اختلال وضعف پذیرفت کہ نصارائے کوٹھی دار سواحل ہند کہ بہ بہانۂ تجارت ہمیشہ درکمین بودند بعض از مخبطب مغزان بے ہوش و دنیا خران دین فروش را وسیلۂ ملک گیری وممالک ستانی نمودہ تمامی مملکت بنگالہ و پارہ از ملک کرناٹک دکن بندر سورت را بتصرف آوردہ گلبانگ اذان را بصدا ہائے عنیف ناقوس پادریان و عصا در رائے مشائخان را بہ صلیب و پرستش کشیشان سہل ساختند کار بہ رسید کہ مال وعرض مسلمین دست خوش بیداد کفار فرنگ و امرائے اسلام در بلاد جیب وزنگ بعرض بیع و شری در آمدند تا آنکہ آفتاب

ملک ستانی حضرت ظل الٰہی از افق کفر نوری و مشرق اسلام از نوری طالع و لامع گردید بضرب شمشیر آبدار التہاب لزار فتن را ساکن گردانیدہ گلستان شریعت محمدی را از خار و خاشاک کفر مصفا و آئینہ ملت احمدی را از زنگ شرک پاک و مجلا ساخت ؛

(فتح المجاہدین)

یہ کتاب اگرچہ فن سپہ گری اور توپ اور بندوق کی لڑائی کے اصولوں پر تھی لیکن اس کی ابتداء مسائل ضروریہ نماز کے علاوہ جہاد مسئلوں سے شروع کی گئی تاکہ ہر شخص کے دل میں وہی شوق جہاد پیدا ہو جس سے سلطان کا دل لبریز تھا۔

جو لوگ جہاد کی اصلیت سے واقف ہیں وہی سمجھ سکتے ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق اور دین و ایمان کے قیام کے لئے جان و مال کو فدا کر دینے میں جو لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے اُس کے بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔

اللہ پاک نے اپنے پیغمبرؐ کے ذریعہ سے جہاد کرنے والوں کا جو انعام بتایا وہ کچھ ایسا شاندار تھا کہ مسلمان ہمیشہ اس کے لئے سرکیف رہا۔ فتح المجاہدین میں اس کے متعلق بھی مسئلہ بیان کیا گیا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

"مر   غزا و شہادت افضل مرتبہ ولایت است چنانچہ خود خدا تعالیٰ میفرماید در شان اولیا"

"الا ان اولیاء الیہ لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔ الذین امنو کانو لیتقون لہم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الاخرۃ۔

یعنی تحقیق اولیا . . . . . . :

و در شان شہدا می فرماید

ولا تحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ امواتا بل احیا ر عند ربھم یرزقون   فرحین بما اٰتٰھم اللہ من فضلہ و

یستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم الا خوف علیھم
ولا ھم یحزنون

ان دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شہدائوں کی فضیلت اولیاء اللہ پر اس طرح ثابت کی ہے کہ ان کو پروردگار کی طرف سے رزق ملتا ہے اور فرحت ابدی میں مسرور رہتے ہیں۔ اس امتیاز کی شان یہ ہے کہ کامل حیات ابدی ملتی ہے اور کفن دفن اور غسل کے بھی محتاج نہیں ہیں۔

مسائل جہاد کے نتیجہ میں ہے کہ

وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون
وجاھدوا فی اللہ جہاد ھوا لسکم

اور حدیث شریف کہ

ان احسن الاعمال فی الدنیا جہاد الکفار

"چونکہ نصاریٰ کافر اور بدترین مشرکین ہیں اور جس پر ان کو موقع ملتا ہے اپنے مذہب میں شامل کر لیتے ہیں۔

اور دین محمدی کی بے حرمتی میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے لہٰذا ان کا قتل تمام مسلمانوں پر بموجب آیۂ کریمہ مذکورہ و احادیث عظیم واجب تر تمام کفار سے سب ایسی صورت میں تمام اہل اسلام پر فرض ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی جب ان کو دودھ دیں اور کہیں کریں کہ اللہ کے فضل سے اور پیغمبر کی برکت سے تجھ کو دودھ دیکر پالتے ہیں تاکہ نصاریٰ کو قتل کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو جب ان کو ہتھیار دیں اس وقت بقدر استطاعت پیغمبر اور صحابہ کرام کی فاتحہ دلوائیں اور نیت کریں کہ تجھے خدا اور رسول کے حکم سے جو اسلحہ دیا جاتا ہے وہ قتل نصاریٰ کے لئے چاہیئے کہ دل و جان سے جہاد کی کوشش کرے۔

(فتح المجاہدین صفحہ ۵۰)

اسی طرح جہاد کے تمام مسائل نہایت خوبی اور آسان سے سمجھائے گئے ہیں

اس قدر مکمل کوئی کتاب مسائل جہاد پر نہیں لکھی گئی۔

مجاہدین اسلام کو ہر دور میں غداروں اور نمک حراموں سے واسطہ پڑا ہے چنانچہ سلطان کی دور بین نگاہوں نے آس پاس کے غداروں کو تاڑ لیا تھا۔ اسی لئے اس کتاب میں نمک حرامی کی سزا اور اس کی دینی اور دنیاوی خواری کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

یہ چیز قرین قیاس ہے کہ سلطان کے دل میں شہادت ہوتے ہوئے اس کو یقین ہوگا کہ اس قدر مستحکم سلطنت خداداد کو اگر کوئی مٹا سکا تو غدار ہی ہوں گے اور ان ہی کی وجہ سے سلطان کو شہادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ ۴ مئی کی صبح کو جب سلطان کے سامنے فرض اور محبت کی کشمکش تھی اور حرم اور اہل قلعہ کی تباہی سامنے نظر آرہی تھی جب شوق شہادت بڑھا تو انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"رضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

اور یہ کہہ کر وہ مجاہد اعظم تلوار و تفنگ لے کر میدان کارزار میں شریک ہوگیا اور تاریخ شاہد ہے کہ مولائے کائنات کی مرضی اس کے حرم سرا کی حفاظت ہی تھی، اور اس شہید ناز کے بعد حملہ آور اس کے پسماندگان کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ تمام غدار اس کی مرضی کے مطابق اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

اگر سلطان میں شوق شہادت و جہاد نہ ہوتا تو وہ یقیناً اتنا عالی دماغ زیرک اور سیاست داں تھا کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں دونوں سے سمجھوتہ کرکے اپنی سلطنت کو وسیع کر سکتا تھا جو دوسروں نے کیا لیکن اس نے شیرانہ زندگی کو گیدڑ کی زندگی پر ترجیح دی اور مصلحت اندیشی اور پر لعنت بھیجی ۔

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

۴ مئی کو سینہ پر گولیاں کھا کر سلطان گھوڑے سے گرے اور پیاس کی شدت کا اظہار کرتے رہے ان کے قریب ہی ان کا جان نثار رام خان زخمی پڑا تھا۔

انگریز سپاہی جو لوٹ مار کے لئے مشہور تھے زخمیوں کو لوٹنے میں مست، ایک سپاہی نے چمکتا ہوا پیش لگے تھے دیکھا اور ہاتھ بڑھایا غالباً یہ پہلا اور

آخری ہاتھ جو سلطان کے سامنے گستاخی کر گیا فوراً ہی سلطان نے تلوار کا وار دیا جس سے اس کے گھٹنے پر ضرب کاری لگی پاس بدنصیب نے بندوق کی نال سے کنپٹی پر گولی چلادی جس سے فی الفور سلطان کی بر سول کی امید بر آئی

بندۂ آزاد را شانے دگر
مرگ اور ادی دہد جانے دگر

دنیاوی دسترخوان سے اٹھا ہوا فرزند ملت بارگاہ الٰہی میں پیش ہو چکا جہاں اس کی بھوک اور پیاس کے لئے سامان عند ربہم یرزقون رکھا ہے۔ اور ابدی فرحت و مسرت اس کی تقدیر ہو چکی ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سلطان نے جس دلیری اور جانبازی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اس کی مثال نہیں ملتی اور اس کا سبب وہی محبت رسول تھی اور وہ بشارت عظمیٰ تھی کہ بغیر تمہارے بہشت میں قدم نہیں رکھیں گے۔ نصیب۔

انگریز اگرچہ سب کو ساتھ لیکر اس شیر کے مقابلہ کے لئے آئے تھے لیکن ان پر اتنی ہیبت طاری تھی کہ دوسرے دن ان کی فوج نے پورے اعزاز کے ساتھ سلطان کو دفن کیا اس کا نقشہ جو ایک انگریز نے کھینچا ہے ذیل میں ہے۔

"بڑی مشکل سے سلطان کی لاش "کشتوں کے پشتوں" میں ملی اور بالکل صاف شناخت کر لی گئی جسم ابھی تک گرم تھا اور آنکھیں کھلی تھیں ۔ چہرہ بالکل نہیں بگڑا تھا حالانکہ تین گولیاں جسم میں لگی تھیں اور ایک کنپٹی میں سلطان کا صافہ، صدری اور پٹکہ غائب ہو گیا تھا۔ لیکن سیدھے بازو میں ایک تعویز تھا۔ جس کو فوراً پہچان لیا گیا۔ لاش کو پالکی میں رکھ کر قلعہ میں پہنچا دیا گیا۔

دوسرے دن جنازہ شاہی احترام کے ساتھ روانہ ہوئے جن کے مجمع چار یورپین



"ٹیپو سلطان شہادت کے بعد"

مقبرہ ٹیپو سلطان شہید رح سرنگ پٹم

مسجد سرنگا پٹم



دریا دولت باغ (اندرونی منظر)

کمپنیاں تھیں۔ جنازہ کو سلطان کے خاص خدمتگارانی کے ہوئے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے شہزادہ عبدالخالق اور دوسرے دوسرے درباری افراد تھے۔ جن علاقوں سے جنازہ گذرا انہیں دونوں طرف مسلمان کھچا کھچ در رو رہے آہ وزاری کر رہے تھے اور ہر طرح سے اظہارِ غم کر رہے تھے۔

لال باغ کے مقبرے کے دروازے پر فوج نے شاہی سلامی پیش کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور جب میت قبر میں اتاری گئی اس وقت بارہ ہزار روپیہ غریبوں اور مسکینوں کو دیئے گئے اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کی سنجیدگی میں اضافہ کرنے کے لئے آسمان سے بجلی کی گرج ہو رہی تھی جو تھوڑی دیر بعد کئی دفعہ جزیرہ پر گری۔

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمیں

سلطان شہید کی موت دراصل ایک آدرش کی موت تھی۔ آزادی اور غیرت اور خودداری کی موت تھی اس حالت پر آسمان سے بھی سلسلہ آہ و بکا جاری رہا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ فتح المجاہدین میں جن دو چیزوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا وہ جہاد اور نمک حرامی نہیں اور سلطان کی زندگی کا آخری باب ان دونوں کو واضح کر گیا۔

افراد کی موت دراصل اقوام و ملل کے لئے مشعلِ راہ ہوتی ہے وہ مرتے ہی جان سے گذر جاتے ہیں لیکن آنے والوں کے لئے اولوالعزمی اور جانبازی کی قابلِ تقلید مثال قائم کر جاتے ہیں۔

حسین ابن علی عبداللہ ابن زبیر، محمد بن قاسم اور لاکھوں فرزندانِ توحید شوقِ شہادت میں دنیا کو ٹھکرا کر حیاتِ ابدی سے ہمکنار ہو گئے لیکن ان کی گرمئ حیات اب تک ملت کو تابناک کئے ہوئے ہے۔

میر جہانگیر علی خاں، سابق لکچرار کلبرگہ گلبرگہ (دکن)

ٹیپو سلطان شہید کا مقبرہ

سرنگاپٹم میسور سے آٹھ نو میل کے فاصلہ پر دریائے کاویری کے ایک جزیرہ نما میں آباد ہے جس کا طول تین میل اور عرض ایک میل ہے۔

نواب حیدر علی خاں اور ان کے فرزند ٹیپو سلطان کے زمانہ میں یہ ایک بہت آباد شہر تھا اس لئے کہ ریاست میسور کا پائے تخت ہو گیا تھا مگر اب اس کی حیثیت ایک قصبہ کی ہے جس کی مردم شماری نو، دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس کی عظمت، اس شاندار تاریخی پس منظر کی وجہ سے ہے جو اس سے وابستہ رہے اور جس کے دیکھنے کے لئے سیاح دور دور سے آتے ہیں۔

شاہی محلات کا اب کہیں نام و نشان نہیں صرف ایک محل "دریا دولت" باقی ہے جو اپنے بانیوں پر خون کے آنسو بہانے کے لئے رہ گیا ہے۔ اس محل کا محل وقوع بڑا احمقانہ ہے۔ ہر طرف سے دریا کی موجیں اس سے آ آکر ٹکراتی ہیں بلکہ یوں کہئے کہ اپنے بہادر اور دلیر رہنے والوں کی یاد میں اپنا سر پھوڑتی رہتی ہیں۔ اس محل کے قریب ہی وہ مقام ہے جہاں سلطان نے جام شہادت نوش کیا۔ **دیول** (مندر)

جزیرہ سرنگاپٹم، بہت قدیم مقام ہے جس کی پرانی تاریخ تاریکی میں ہے۔ جو سال

معلوم ہوسکا ہے وہ یہ ہے کہ گنگا خاندان کے راجگان اس پر قابض تھے۔ بارھویں صدی، میں "ہوئیسالہ" راجہ "دوار سمدر" نے دریائے کاویری کے دونوں کناروں پر کچھ زمین، سری وشنو کے مشہور چیلے رامنوجاچاریہ نے وقف کردی تھی اور انہی کا بنایا ہوا "سری رنگناتھ سوامی" کا یہ بڑا بھاری اور قدیم دیول ہے۔

یہ بہت بڑا دیول ہے اس کی بڑی اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ اس کی ایک سب سے اونچی پشت کی دیوار، "محل دریا دولت" کی طرف ہے جس سے ٹیپو سلطان جیسے کٹر مسلمان کی رواداری کا ثبوت ملتا ہے جس نے اپنے اعلیٰ اقتدار کے زمانہ میں بھی اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور اسلامی رواداری پر عمل کر کے دکھایا حالانکہ اس مندر سے اس کے محل کی خوشنمائی میں بڑا فرق پڑ رہا تھا۔

یہ محل ٹیپو سلطان کے موسم گرما بسر کرنے کا مقام ہے کیونکہ دریا کی لہریں دونوں طرف سے اس کو خنک بنائے رکھتی ہیں۔ یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے جس کے در و دیوار نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ دیواروں پر باہر کے رخ پر ان لڑائیوں کے مرقعے ہیں جن میں سلطان نے انگریزوں پر فتح پائی ہے۔ سب سے زیادہ قابل دید وہ مرقع ہے جس میں بمقام "پرمباکم" کرنل بیلی کو شکست ہوئی ہے۔ کرنل کو بحالتِ مجبوری، پالکی میں بٹھلا دیا ہے اور خود سلطان ایک اسپ صبا رفتار پر سوار پھول سونگھتا ہوا اپنی فوج کو بڑھا رہا ہے۔ ٹیپو سلطان کے شہید ہونے کے بعد قلعۂ سرنگاپٹم پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ انگریزوں کا سب سے بڑا اور نامور فوجی جنرل "ڈیوک آف ولنگٹن" مہینوں اس محل میں رہا ہے جس نے اپنے زمانۂ قیام میں ان مرقعوں کو اجلوا دیا تھا۔ پھر گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی ۱۸۵۴ء میں جب میسور آئے تھے تو ان کے خاص حکم سے آخری مرتبہ ایک مقامی مصور سے ان سب مرقعوں کو از سر نو رنگایا گیا۔ ایک دوسری دیوار پر، نظام حیدر آباد، شہنشاہ دہلی، نواب کرنول، راجہ تنجور، راجہ کورگ، مہاراجہ میسور اور دیگر فرماں رواؤں کی عمدہ تصویریں بنی ہوئی ہیں۔

ایک عجیب کمان

اس محل سے کچھ فاصلہ پر ایک فرانسیسی انجینیر کی بنائی ہوئی کمان ہے۔ اس نے یہ کمان اس بات کے ثبوت کے لئے بنائی کہ (۱۱۲ فٹ) چوڑی کمان بھی بن سکتی ہے۔ اس سے قطع نظر اس کمان میں ایک ندرت یہ بھی ہے کہ یہ اینٹ چونے کی صرف نو فٹ چوڑی ہے اور اتنی ہی نرم مگر اس پر چڑھ کر بیچوں بیچ کھڑے ہو کر ذرا بھی کود دیئے تو کمان خاصی طرح لچک جاتی ہے اور پیروں کو اس کی حرکت صاف محسوس ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے خود اس کو آزمایا ہے۔

مقبرہ

یہ مقبرہ ٹیپو سلطان نے اپنے والد محترم نواب حیدر علی خاں کے لئے بنوایا تھا جو ریلوے اسٹیشن سے ۲ میل اور قلعہ سے تقریباً ۲ میل پر واقع ہے۔ یہاں کی آبادی کو "گنجام" کہتے ہیں اور "لال باغ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی مقبرے میں سلطان کی والدہ محترمہ بھی دفن ہیں۔

یہ مقبرہ ایک باغ کے بیچ میں واقع ہے اور مربع ہے۔ گنبد کے بیچ میں قبہ اور اطراف میں منارے ہیں۔ کونوں کے منارے کسی قدر بڑے ہیں۔ چاروں طرف نیچے کی منزل میں برآمدہ (ورانڈہ) ہے۔ جس میں سنگ سیاہ کے ۳۶ ستون آٹھ آٹھ فٹ بلند نصب ہیں۔ گنبد کے کواڑوں پر ہاتھی دانت کا کام ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کواڑ لارڈ ڈلہوزی نے سلطان کی یادگار میں کلکتے سے بھجوائے تھے۔ گنبد بحیثیت مجموعی نہایت خوشنما ہے۔ مقبرہ کی دیکھ بھال اور صفائی کے لئے ہر وقت خدام حاضر رہتے ہیں۔ سلطان شہید کہا کرتے تھے کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو برس کی زندگی سے بہتر ہے"۔ سلطان نے اپنے اس قول کا عملی ثبوت دیا کہ آخر دم تک انگریزوں کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کیا۔ سلطان کے گنبد میں اندر کی طرف تمام دیواروں پر بجائے گل بوٹے کے، شیر کے پٹوں کی رنگ آمیزی

ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیر میسور جو صرف شیر میسور ہی نہیں بلکہ شیر اسلام بھی کہا جاتا ہے۔ شیر اسلام کے ساتھ، اسلام کی شمشیر جو نیام میں گئی وہ پھر آج تک باہر نہیں آئی۔ مقبرہ سے متعلق ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

مسجدِ اعلیٰ

یہ مسجد ٹیپو سلطان شہید کی بنوائی ہوئی ہے۔ دو منزلہ ہے۔ خاصی بڑی ہے۔

سن تعمیر ۱۲۱۰ھ ہے۔ مسجد میں ہر طرف مختلف آیات و احادیث لکھی ہوئی ہیں۔ یہ مسجد خوشنما ہے اور سلطان کے مذہبی جذبات کی آئینہ دار ہے۔

مسجد کا طرز تعمیر، شمالی ہند کی مساجد اور جنوبی ہند یعنی بہمنی دور اور اس کے بعد کے ادوار سے مختلف ہے۔ باپ بیٹے دونوں کی ملا کر کل مدت سلطنت صرف ۳۸ سال رہی ہے۔ یہ ۳۸ سال بھی انتہائی بے اطمینانی اور جنگ و جدل میں گذرے۔ اس لئے اس انتہائی جنوب میں کوئی خاص طرز تعمیر قائم نہ ہو سکا۔ جیسا کچھ بھی ہے مسجد کے مناروں سے اس کا اندازہ کر لیجئے۔

مسجد اور مقبرہ دونوں کو یہاں کی اصطلاح میں "علاقتین" کہتے ہیں۔ ان دونوں کے مصارف کے لئے تقریباً ایک ہزار روپے ماہوار ریاست (میسور) سے ملتے ہیں اور دو ہزار عرس کے لئے۔ یہ انگریزوں کے دور کی بات ہے اب نہیں معلوم کیا حال ہے۔

نوٹ (۱) قلعہ سرنگا پٹم کے دروازے میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر ایک اونچا سا چبوترہ ہے۔ مقامی لوگ نشاندہی کرتے ہیں کہ اسی پر میر صادق کی قبر ہے۔ میں نے دیکھا کہ لوگ اس پر اب تک گندگی ڈالتے ہیں۔

(۲) محل دریا دولت کے قریب ہی وہ تنگ و تاریک مقام ہے جہاں سلطان نے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا۔ یہیں قریب ہی پتھر کے ایک چھوٹے سے ستون پر انگریزی زبان میں، تاریخ وقت فتح اور مقتولوں کے نام کندہ ہیں۔ انگریزوں کا نصب کیا ہوا یہ ستون، تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔

مرتبہ؛ انصار زاھد

ماخذ و کتابیات

فارسی کتب و مخطوطات :-

۱۔ حسین علی کرانی۔ نشانِ حیدری۔ مطبوعہ بمبئی ۱۸۹۰ء/۱۳۰۷ھ انگلش ترجمہ از مالس مطبوعہ لندن ۱۸۶۴

۲۔ مصنف نامعلوم۔ تاریخ ٹیپو سلطان۔ انڈیا آفس کیٹلاگ تیار کردہ ایتھی ۵۰ ایف ۳۰۵۷ میکنزی کلکشن

۳۔ مصنف نامعلوم۔ تاریخ خداداری۔ انڈیا آفس ۲۹۹۰

۴۔ " " ہسٹری آف میسور۔ بحوالہ اے۔ قادر سروری۔ میسور یونیورسٹی جرنل (نیو سریز) ۷ نمبر ۱

۵۔ " " سلطان التواریخ۔ انڈیا آفس۔ ۵۲۱

۶۔ حمید خاں۔ تاریخ حمید خاں بانکی پور مخطوطہ۔ ۶۱۹

۷۔ حسین خاں لوحانی۔ تاریخ کورگ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ ۲۰۱

۸۔ غلام علی خاں۔ وقایع منازل دوم " " " ۱۶۲۸

۹۔ زین العابدین شوستری۔ فتح المجاہدین۔ " " ۱۶۶۹ نیز مطبوعہ کراچی ۱۹۵۰ء

۱۰۔ میر عالم۔ حدیقۃ العالم۔ حیدرآباد ۱۸۵۰ء/۱۲۶۶ھ

۱۱۔ حکم نامہ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ ۱۶۷۷

۱۲۔ مہر سنگھ۔ تاریخ نواب حیدر علی خاں بہادر۔ انڈیا آفس۔ ۲۶۲۲

۱۳۔ تواریخ حیدری۔ انڈیا آفس ۲۶۳۶

۱۴۔ قصہ حیدر علی خاں " " ۳۰۷۹

۱۵۔ حکمت بایار میسور سلطان ٹیپو سے عثمانی بادشاہ۔ لارنداں رسالہ ۷ ۶ ۷ سلیفی ارسینڈ کی
میکتو پلازما۔ القرد ۱۹۴۸ء

۱۶۔ تذکرہ البلاد الحکام۔ برٹش میوزیم کیٹلاگ تیار کردہ
ریو۔ ۱۰۷۵۸۲ ایڈ

۱۷۔ سوانح دکن۔ برٹش میوزیم کیٹلاگ تیار کردہ ریو۔ ۸۸۵ر۲۳ ایڈ

۱۸۔ تزک والا جاہی۔ مدون کردہ نائیز ایچ۔ مدارس۔ ۱۹۴۰ء

۱۹۔ گلزارِ آصفیہ۔ مطبوعہ حیدر آباد۔

انگریزی ریکارڈز و کتب

۱۔ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا۔ (ا) سیکریٹ پروسیڈنگس ۱۷۹۹-۱۷۸۰ (ب) پولیٹکل پروسیڈنگس ۱۷۹۹-۱۷۹۰ء (ج) اورینٹل ریکارڈز ۱۷۹۹-۱۷۸۲

۲۔ مدارس ریکارڈز۔ (۱) ملٹری کنسلٹیشن ۹۹-۱۷۸۲۔ (۲) ملٹری کنٹری کورسپونڈنس جلد ۴۲۔ (۳) ملٹری ڈسپیچز ٹو انگلینڈ ۹۸-۱۷۸۳ء (۴) سیکرٹ ڈسپیچز فروم انگلینڈ ۹۱-۷۸۵۔ (۵) پولیٹیکل ڈسپیچز ٹو انگلینڈ ۹۸-۱۷۹۱ء (۶) مدراس سکریٹ کنسلٹیشن جلد ۵، ۶، بے بی (۷) مدراس سلیکٹ کمیٹی پروسیڈنگس۔
امینج سی جلد ۴۸، ۴۹ درینج ڈی جلد ۱ تا ۴۰۔

۳۔ ملٹری سنڈری بکس جلد ۶۰، ۶۰ اے، ۶۰ بی، ۶۶، ۱۰۹، ۱۰۹ اے، ۱۰۹ بی، ۸۳ (۱۷۹۳ء) اور ۱۰۱۔

۴۔ ملٹری سنڈری۔ جلد ہائے ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۹، ۱۰۹ اے، ۱۰۹ بی۔ ۱۰۲ بی

۵۔ مالا بار کیشن ڈائریز۔

۶۔ رپورٹ آف کیپٹن میڈ۔ آئی۔ اے۔ ایم ایس ۴۶۔

۷۔ قاسم منشی ۔ این اکاؤنٹ آف ٹیپو سلطانس کورٹ ۔ انگریزی ترجمہ ۔ آئی ۔ او ۔ ایم ۔ ایس ۱۰ Emz. c

۸۔ بنگال سیکریٹ اینڈ ملٹری کنسلٹیشن ۔ دیپنج اے : جلد ۴۶ تا ۶۸ (۱۷۸۲ء ۔ ۱۷۷۸ء)

۹۔ ولکس میسلینیز ۔ نیز ہوم میسلینیز سیریز جلد ۸۴ ، ۹۶ تا ۱۸۲ ، ۴۴۶ تا ۲

۲۸۵ ، ۳۲۹ ، ۴۵۶ تا ۴۸۹ ، ۴۱۰ ، ۴۲۹ ، ۴۸۲ ، ۴۶۸)

۱۰ اودرم مخطوطات ۔ میکنیزی سیکشن ۔

۱۱۔ ایچی سن ۔ اے کلیکشن آف ٹریٹیز اینگیجمنٹس اینڈ سندس ۔ جلد ۱۰،۶ ۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۰۹ء

۱۲۔ فربر ۔ ایچ ۔ دی پرائیویٹ ریکارڈ آف این انڈین گورنر جنرل شپ ۔ ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۳ء

۱۳۔ گلیگ ، جی ، آر ۔ دی لائف آف سر تھامس منرو ۔ لندن ۱۸۳۰ء

۱۴۔ دی ڈسپیچز آف دی ڈیوک آف ولنگٹن ۔ کلکتہ ۔ ۱۸۴۰ء

۱۵۔ کرک پیٹرک ، ڈبلیو ، سلیکٹ لیٹرس آف ٹیپو سلطان ۔ لندن ۔ ۱۸۱۱ء

۱۶۔ مارٹن ، آر ، ایم ۔ ڈسپیچیز منٹس اینڈ کوریسپونڈنس آف دی مارکوئیس ویلزلی ۔ لندن ۱۸۳۶-۳۷ء

۱۷۔ روس ، سی ۔ کورسپونڈنس آف چارلس ، فرسٹ مارکوئنس کارنوالس ، لندن ۱۸۵۹ء

۱۸۔ دی ویلزلی پیپرز ۔ ۱۹۱۴ء

۱۹۔ ولکس ، ایم ۔ رپورٹ آن دی انٹیریر ایڈمنسٹریشن ، ایسورسیز اینڈ ایکسپینڈیچر آف دی گورنمنٹ آف میسور ۔ بنگلور ۱۸۶۴ء

۲۰۔ آتھنٹک میمورئرز آف ٹیپو سلطان از ایک افسر ایسٹ انڈیا سروس کلکتہ ، ۱۸۱۹ء

۲۱۔ دی ایشیاٹک اینوال رجسٹر برائے ۱۷۹۹ء ۔ لندن ۱۸۰۱ء

۲۲۔ براؤننگ ، ایل ، بی ۔ حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان ۔ آکسفورڈ ۔ ۱۸۹۳ء

۲۳۔ برگس ، ایچ ، جی ۔ دی نظام ۔ لندن ۱۸۶۱ء

۲۴۔ بکانن ، ایچ ۔ ایف ۔ اے جرنی فرام مدراس تھرو دی کنٹریز آف میسور ، کنارا ، مالابار لندن ۔ ۱۸۰۷ء

۲۵۔ ڈے، ایف۔ دی پیر املس اور کوچین ... مدراس ۔۱۸۶۳ء

۲۶۔ ڈوڈویل ایچ، ایچ۔ دی نابس آف مدراس، لندن ۱۹۲۶ء

۲۷۔ " " " کیمبرج ہسٹری آف انڈیا، جلد ۵۔ کیمبرج

۲۸۔ ڈف، جی۔ ہسٹری آف دی مرہٹہ۔ او۔ یو۔ پریس ۱۹۲۱ء

۲۹۔ فورٹیسک، جے، ڈبلیو۔ ہسٹری آف دی برٹش آرمی۔ لندن۔ ۱۹۱۱ و ۱۹۱۵ء

۳۰۔ فریزر، ایچ۔ اور فیتھ فل الائی، دی نظام۔ لندن۔ ۱۸۶۵ء

۳۱۔ گلیگ، جی، آر۔ برٹش ایمپائر ان انڈیا۔ لندن ۱۸۳۵ء

۳۲۔ گپتا، پی، سی۔ باجی راؤ سیکنڈ اینڈ دی ایسٹ انڈیا کمپنی۔ او۔ یو۔ پریس۔ ۱۹۲۹ء

۳۳۔ ہینڈرسن، جے، آر۔ دی کوئنیں آف حیدر علی اینڈ ٹیپو سلطان، مدراس ۱۹۲۱ء

۳۴۔ ہالنج بیری، ڈبلیو، ہسٹری آف نظام علی خان، کلکتہ ۱۸۰۵ء

۳۵۔ کینیڈ، سی، اے۔ اے ہسٹری آف دی مراٹھہ پیپل۔ او۔ یو۔ پریس۔ ۱۹۲۵ء

۳۶۔ لارنس، اے، ڈبلیو۔ کینیوز آف ٹیپو سلطان، لندن ۱۹۲۹ء

۳۷۔ لوگن، ڈبلیو۔ مالا بار۔ مدراس ۱۸۸۷ء

۳۸۔ لشنگٹن، ایس، آر۔ لائیف آف جنرل لارڈ ہیرس۔ لندن ۱۸۴۰ء

۳۹۔ مالیسن، جی، بی۔ فائنل فرنچ اسٹرگلس ان انڈیا اینڈ آن دی انڈین سیز۔ لندن۔ ۱۸۷۸ء

۴۰۔ مارٹینو، اے۔ بسی ان دی ڈکن۔ ترجمہ از ڈاکٹر کامیاؤ، پانڈیچری۔ ۱۹۴۱ء

۴۱۔ مل جے، ہسٹری آف برٹش انڈیا۔ لندن ۱۸۴۸ء

۴۲۔ گزیٹیر (۱) امپریل (۲) مدراس (۳) بمبئی (۴) میسور

۴۳۔ مینن، ایس۔ اے ہسٹری آف ٹراونکور فرام دی ارلیسٹ ٹائم۔ مدراس ۱۸۷۸ء

۴۴۔ نائیر جی۔ دی ماپلاز آف مالا بار کالی کٹ۔ ۱۹۲۲ء

۴۵۔ پانیکر، کے، ایم۔ مالا بار اینڈ دی ڈچ۔ بمبئی ۱۹۳۱ء

۴۶۔ رائیس۔ ایل۔ میسور اینڈ کورگ بنگلور۔ ۱۸۷۶۔۷۸ء

۴۷۔ سلوانہ، ایس، این۔ دی کیمپی ونٹی آف کنارا کریچینز انڈر ٹیپو ان ۱۷۸۴ء منگلور ۱۹۳۳ء

۴۸۔ سنہا۔ این۔ کے، حیدر علی۔ کلکتہ ۱۹۴۱ء

۴۹۔ اسٹوارٹ یس۔ میموئرز آف حیدر علی خان اینڈ ہز سن ٹیپو سلطان۔ کیمبرج ۱۸۰۹ء

۵۰۔ تانیف۔ ایم۔ دی۔ لا بیبیے ڈے ڈے ٹیپو صاحب آبار کی این ۱۷۸۸ء۔ پیرس ۱۸۹۹ء

۵۱۔ ٹیبار، سی پی، دی کوہیس آف ٹیپو سلطان۔ آکسفورڈ ۱۹۱۴ء

۵۲۔ ولیمس، آر، دی گریٹ مین آف انڈیا۔

۵۳۔ ولسن، ڈبلیو، جے ہسٹری آف دی مدراس آرمی۔ مدراس ۱۸۸۲ء

۵۴۔ داس گپتا، اے۔ پی۔ دی سینٹرل اتھارٹی ان برٹش انڈیا۔ کلکتہ ۱۹۳۱ء

۵۵۔ فربر۔ جان کمپنی ریٹ ورک، کیمبرج ۱۹۵۱ء

۵۶۔ گلیگ۔ میموئرز آف وارن ہیسٹنگز۔ لندن ۱۸۴۱ء

۵۷۔ گریر، ایس، سی۔ پرائیویٹ لیٹرز آف وارن ہیسٹنگز ٹو ہز وائف۔ لندن۔ ۱۹۵۸ء

۵۸۔ الیرنجل، ایم، سی، حیدر علی اینڈ ٹیپو صاحب دیمر۔ ۱۸۰۱ء

۵۹۔ امپیریل ریکارڈ ڈپارٹمنٹ۔ کلینڈر آف پرشین کارسپونڈنس۔

۶۰۔ اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ۔ جلد اول، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی

۶۱۔ محب الحسن۔ ٹیپو سلطان۔ میلو فل لمٹڈ۔ کلکتہ۔ ڈھاکہ۔ ۱۹۵۱ء

۶۲۔ سنہا۔ کے، این۔ حیدر علی۔ کلکتہ۔ ۱۹۵۹ء

۶۳۔ علی ابن شیخ۔ برٹش رلیشن ود حیدر علی۔ میسور۔ ۱۹۶۳ء

۶۴۔ ڈریس آف ٹیپو سلطان۔ محمود حسین خاں۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔

اردو کتب

۱۔ سلم عنبانی۔ ٹیپو سلطان اور اس کے خواب، کراچی۔ ۱۹۶۱ء

۲۔ محمود خاں محمود۔ تاریخ جنوبی ہند۔ بنگلور۔ برقی پریس

۳۔ 〃 〃 سلطنت خداداد 〃 〃

۴۔ 〃 〃 سلطان ٹیپو 〃 〃

۵۔ حملات حیدری ۔ اردو ترجمہ

۶۔ نشان حیدری۔ 〃 〃

۷۔ شمس اللہ قادری، قاموس الاعلام۔ حیدر آباد۔

نوٹ:۔ کتابیات کے سلسلہ میں مزید معلومات کے لئے ڈاکٹر بی۔ شیخ کی کتاب برٹش رلیشن ود حیدر علی اور محب الحسن کی کتاب "ٹیپو سلطان" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔



ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک بان پھینکنے والا
ٹامس ڈینیل کی پینسل سے بنایا ہوا خاکہ — ۱۷۹۲ء
(انڈیا آفس لائبریری کے شکریہ کے ساتھ)



ٹیپو سلطان کا شیر نما باجہ